تالیف: مولانا محمد نافع مدظلہ

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ وجل مجدہٗ

اولٰئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم

آخر سورۃ انفال پ ۱۰

وہی لوگ مومن برحق ہیں۔ ان کیلئے بخشش اور روزی نیک ہے

خلفائے راشدینؓ میں سے رابع خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی سیرت کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کرکے مختصر طور پر مرتب کیا گیا ہے۔ آنجنابؓ کی سیرت کے اہم پہلو نمایاں طریقے سے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ تحقیقی مضامین کے مباحث ایک خاص انداز میں تحریر کیے گئے ہیں اور بعض مقامات میں بقدر ضرورت ازالہ شبہات بھی کر دیا گیا ہے۔ اور ناظرین کے غور پر مقامات سے نشاندہی کر دی گئی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آنجنابؓ کے حالات و سوانح اور فضائل و اخلاق کو ایک مرقع ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا ہے!

تالیف : مولانا محمد نافع مدظلہ

دار الکتاب
کتاب مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور 7235094

نام کتاب : سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

تالیف : مولانا محمد نافع مدظلہ

ناشر : دار الکتاب

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-7235094

طابع : زاہد بشیر پرنٹرز

اشاعت : جنوری 2007ء

قیمت : 300/-

قانونی مشیر

[illegible] ایڈووکیٹ ہائیکورٹ پاکستان

فون 0300-4356146, 042-7090020

باہتمام

حافظ محمد ندیم

0300-8477006

کلماتِ تشکّر

بندہ کی تالیفات کی ترتیب و تدوین اور ان کی طباعت و اشاعت میں تعاون کرنے والے دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا اخلاقی فرض ہے۔

بنابریں اس کام میں عزیزم مخدوم مقبول حسین صاحب جناب لیاقت علی جناب نصرت صاحب انیس کی خصوصی محنت کا بندہ بیحد شکر گزار اور احسان مند ہے۔

مالک کریم ان عزیزوں کے اس تعاون علی الخیر کو مقبول و منظور فرمائے۔ اور آخرت میں باعثِ اجر و ثواب بنائے۔

محمد نافع عفا اللہ عنہ

دعا گو: محمدی شریف۔ ضلع جھنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

خیبر کے متعلقات

متعلقہ غدیر خم

دور سوم

انتقال نبویؐ کے بعد کے احوال

خلافت صدیقؓ اور سیدنا علیؓ

خلافت فاروقؓ اور سیدنا علیؓ

خلافت عثمانؓ اور
سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

خلافت عثمانیؓ کے آخری ایام اور مرتضوی خلافت کا ابتدائی دور

دور چہارم

عہد علویؓ

واقعہ جمل

واقعہ جمل کے بعد چند گزارشات

واقعہ صفین

چند اہم مباحث اور ازالہ شبہات

جمل و صفین کے واقعات

بشارت اولیٰ

بشارت ثانیہ

مسئلہ خوارج

فضائل و مناقب علوی

افتاء و قضاء

بعض نصائح اور وصایا

سیدنا علی المرتضیٰؓ اور بعض فقہی مسائل

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین امام الرسل وخاتم النبیین وعلی ازواجہ المطہرات وبناتہ الطاہرات وعلی اھل بیتہ الطیبین وعلی الخلفاء الراشدین وعلی سائر اصحابہ المزکین المنتخبین الذین جاھدوا فی دین اللہ حق جہادہ ونصروہ فی صحبتہ وھاجروا فی نصرتہ وعلی اتباعہ باحسان الی یوم الدین وعلی جمیع عباد اللہ الصالحین ۔

اللہ جل مجدہ کی حمد وثناء اور اس کے تمام نیک بندوں پر سلام ذکر کرنے کے بعد عرض ہے کہ خلفاء راشدین میں سے خلیفہ چہارم حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سوانح اور سیرت کے متعلق یہ چند چیزیں مرتب کی ہیں جن میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے احوال کا بیان ہے ۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ کے احوال کو ان کی شان کے شایان مرتب کرنا بندہ ناچیز کی فکر و دانش سے بہت بالا ہے ۔ تاہم اس دور کی ضرورت کے تحت یہ ایک حقیر کوشش ہے جو پیش خدمت کی جا رہی ہے ۔

سوانح میں افراط و تفریط

جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات کے حق میں بعض لوگ افراط کرتے ہوئے ہیں۔ یہ ایک طبقہ کو شیعان علی رضی اللہ عنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کو روافض کہا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ تفریط اور کوتاہی کرتے ہیں ان کو نواصب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ پوری تاریخ میں برابر چلا آیا ہے۔ اس دور میں بھی ہمارے ملک میں یہ افراط و تفریط موجود ہے۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ میرے بارے میں یہ دو طرح کے گروہ پیدا ہو جائیں گے اور صحیح لوگ ان میں سے درمیانے درجہ میں ہوں گے۔

ان احوال کے پیش نظر کوشش ہے کہ جادۂ اعتدال پر چل کر حتی المقدور صحیح چیزیں مرتب کی جائیں۔

ایک مشکل امر

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سوانح میں ایسی چیز مرتب کر لینا جو مسلمانوں کے تمام طبقوں میں یکساں قبولیت کا شرف حاصل کر سکے نہایت مشکل امر ہے۔ اسی سلسلہ میں اس دور کے مشہور اہل قلم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بجا طور پر تحریر کیا ہے کہ

> "تاریخ اسلام کے کسی شخص کی سوانح عمری لکھنا غالباً اتنا دشوار نہیں ہے جتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ کیونکہ اس میں تحقیق بدقسمتی سے عقائد سے جڑ گیا ہے اور سنی اور شیعہ، معتزلی اور باطنی (خارجی) ہر مورخ بھی اپنے شعور میں یا جذبات سے ان سے متاثر نظر آتے ہیں کہ آج

لہ تفریط:- پاکستان میں "شان علی" کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب کراچی میں [illegible] سے شائع ہوئی ہے جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بے حد و بے حساب تحقیر و تنقیص کی گئی ہے اور آنجناب کے تمام مواقع [illegible] جتنی جعلی کتب تاریخ و اتفاقات کی نقل و ریکارڈ کی گئی ہے اور انہیں نہایت قبیح شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد حضرات حسنین شریفین کے ساتھ بھی انہوں نے [illegible] جیسا کہ اس کے مندرجات سے ظاہر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد [illegible] کراچی میں [illegible] دیگر شہروں میں بھی پھیلتے جا رہے ہیں۔ ان ہر دو فریقوں روافض و نواصب [illegible]

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

گیا ن کو پیش نظر رکھا گیا ہے اس کے تمام گوشے بیان نہیں ہو سکے ۔ بندہ معذرت خواہ ہے کہ کتاب میں اس فن کے اہل قلم کی طرح عبارت آرائی میسر نہیں ۔ سیرت نویسوں جیسی اعلیٰ نگارش نہیں پائی گئی ۔ لیکن سادہ عبارت کے لباس میں ضروری مضامین کو زیر قلم کیا ہے ۔ البتہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس مضمون کے طلب گار دوستوں کے لیے اس مرحلہ کا علمی مواد پیش کیا جا سکے ۔ اور کثرتاً اصل عبارت بھی ساتھ درج کر دی جائے تاکہ اہل تحقیق حضرات مراجع کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکیں اور اپنے ذوق کے مطابق مزید فوائد سے مطلع ہو سکیں ۔

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کا نسب و خاندان

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہ کا اسم شریف "علی بن ابی طالب" ہے ۔ اور کنیت "ابو الحسن" اور "ابو تراب" ہے ۔ اور "اسد اللہ" اور "حیدر" اور "المرتضیٰ" آپ کے مختلف القاب ہیں ۔

خاندان

جناب کا خاندان بنی ہاشم ہے ۔ قریش مکہ میں یہ حضرات اپنے گوناگوں اعزازات کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے ۔ حرم کعبہ کی خدمات اور سقایہ زمزم کے انتظامات ان کی نگرانی میں تمام ہوا کرتے تھے اور حجاج کرام کے ساتھ تعاون و امداد اور رہائش کے سامان فراہم کرنے میں یہ حضرات ممتاز تھے ۔[1]

سب سے بڑا شرف جو بنو ہاشم کو اللہ رب العزت کی طرف سے نصیب ہوا وہ سید الکائنات (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت شریف ہے جو تمام اعزازوں سے فائق تر ہے جناب کی ذات قدسی کی وجہ سے ان حضرات کو تمام قبائل پر وہ شرف و فضل حاصل ہوا جو قریش کے کسی دیگر خاندان کو نہیں حاصل ہو سکا ۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

پہلے بالاختصار جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور والدہ محترمہ ، بزرگان

---

[1] دیکھئے البدایہ لابن کثیر ج ۲ ص ۲۵۴ ، باب ذکر نسب شریف ۔

دخواہران رضی اللہ عنہن کا ذکر خیر کیا جاتا ہے اس کے بعد سوانح علوی کا تذکرہ ہوگا۔ اور جناب رضی اللہ عنہ کے ازواج گرامی اور اولاد شریف کے احوال ان شاء اللہ تعالیٰ آخر کتاب میں اجمالاً ذکر کیے جائیں گے۔ بعونہ تعالیٰ۔

والد

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام "عبد مناف" ہے۔ اور بعض نے عمران بھی لکھا ہے۔ لیکن آپ اپنی کنیت ابوطالب کے ساتھ مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے کہ

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب
بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔[1]

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ بن عبد المطلب اور زبیر بن عبد المطلب ابوطالب کے حقیقی برادر تھے اور ان تینوں برادران کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں۔[2] علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ابوطالب عمر میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پینتیس برس بڑے تھے۔ جب ان کے والد عبد المطلب کا انتقال ہوا تو اس وقت انہوں نے ابوطالب کو اپنے پوتے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی کفالت کی وصیت فرمائی تھی۔[3]

اسی بنا پر ابوطالب مدۃ العمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کرتے رہے۔ مشکل مراحل میں ان کا تعاون آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ اور قریش مکہ کے مظالم کے مواقع پر بھی آپ حضور

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۲۲۳ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب و ابتداء خلافت مرتضوی۔
(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ج ۴ ص ۱۶ تحت ترجمہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

[2] نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۱۵ تحت ولد عبد المطلب بن ہاشم۔

[3] (۱) البدایہ لابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۰ تحت حضور کی کفالت۔ (۲) الاصابہ لابن حجر ج ۴ ص ۱۱۵ تحت کنیت ابی طالب۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کرتے رہتے تھے اور قوم کی ایذا رسانی کی صورت میں آپ مدافعت بھی کرتے تھے۔ ابو طالب کی زندگی میں جن مقامات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے تعب پیش آئے ان کے دفاع میں ابو طالب نے دست تعاون دراز کیا اور آپ کی حمایت کی ہے۔

مسئلہ کفالت کے متعلق تنبیہ

بعض لوگ مسئلہ کفالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجاوز کرتے ہوئے اس بات پر مصر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل ابو طالب نہیں تھے بلکہ زبیر بن عبد المطلب تھے۔ انہوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ لے رکھا تھا۔ مگر یہ مسئلہ تحقیق کے مطابق نہیں اور علمائے کرام نے زبیر بن عبد المطلب کے کفیل ہونے کی بجائے ابو طالب کی کفالت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس مسئلہ پر حوالہ جات ذیل ملاحظہ فرمائیں[1]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو طالب کے تعاون کے واقعات سیرت کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں اور متعدد مقامات میں آپ نے قریش کی طرف سے ایذا رسانی کی حتی المقدور مدافعت کی ہے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا متعدد بار اظہار فرمایا لیکن وہ وفات تک ملت عبد المطلب پر قائم رہے اور آپ

---

[1] انساب الاشراف للبلاذری، ج ۱، ص ۸۵۔ جلد اول تحت کفالت

(۲) سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۲، ۱۳۵۔ تحت باب وفات عبد المطلب۔ الخ

(۳) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۲۵۳۔ تحت کفالت ابو طالب الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۱۲۲۔ فصل فی وفات ابی طالب۔

(۵) الاصابہ لابن حجر، ج ۴، ص ۱۱۶ تحت کنیت ابی طالب۔

(۶) سیرت ابن ہشام، ص ۲۷۷ تحت طمع المشرکین فی الرسول بعد وفات ابی طالب۔

کا اسی پر خاتمہ ہوا اور ایمان نہیں لاسکے۔ [1]

تنبیہ ایمان ابو طالب سے متعلق

ابو طالب کے ایمان کی بحث میں جمہور علماء کے مفسرین محدثین و فقہاء و اہل سیر اور اہل تاریخ نے تصریح کر دی ہے کہ ابو طالب ملت عبد المطلب پر فوت ہوئے اور ایمان نہیں لاسکے بحث ہذا کو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۴ و ۳۹۵ ۔ تحت آیت انک لا تہدی من احببت الخ میں۔ اور البدایہ ، ج ۳ ، ص ۱۲۲ تا ۱۲۶ میں۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ ، ج ۴ ، ص ۱۱۵ تا ۱۱۹ ۔ میں پوری تفصیل اور دلائل کے ساتھ لکھا ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے جو بعض ضعیف روایات اثبات ایمان میں پیش کی گئی ہیں ان کا جواب بھی وہاں بطریق احسن دیا جا چکا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صحیح روایات کے مقابلہ میں ضعیف روایات قبول نہیں کی جاتیں۔ القوی لا یؤثر فیہ مخالفۃ الضعیف [2] فالضعیف لا یقبل فی مقابلۃ القوی [3]

تاریخ وفات

سیرت نگاروں نے یہاں بھی متعدد روایات درج کی ہیں تاہم مشہور اقوال کی روشنی میں اتنا جاننا کافی ہے کہ بعثت نبوی کے دس برس گزرنے کے بعد ابو طالب کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اور شعب ابی طالب

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ ج ۳ ، ص ۴۱ ؛ ج ۳ ، ص ۱۲۲ تا ۱۲۶ ۔ تحت فصل فی وفاۃ ابی طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) الاصابہ لابن حجرؒ ، ج ۴ ، ص ۱۱۵ تا ۱۱۹ ۔ تحت کنیت ابی طالب۔ (۳) فتح الباری شرح بخاری ، ص ۱۵۲ ، جلد سابع تحت قصۃ ابی طالب۔

[2] شرح نخبۃ الفکر ، ص ۳۴ ، طبع مجتبائی دہلی ، تحت تقسیم المقبول۔

[3] کتاب اصول السرخسی ، ج اول ، ص ۳۶۴ ، طبع اول۔

میں محاصرہ و مقاطعہ کا واقعہ سابقاً گزر چکا تھا لیکن حال وہی تھا۔ پھر انہی ایام میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کا صدمۂ عظمیٰ بھی پیش آیا۔ ان دونوں حضرات کا یکے بعد دیگرے انتقال آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت اندوہگین تھا۔ اسی بنا پر اس سال کو عام الحزن[1] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہر دو صدمات واقعہ ہجرت سے تین برس قبل پیش آئے تھے۔ ان وفیات کے ایام میں مختلف اقوال ہیں ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا۔ صرف حصول کی تعیین کو تحریر کر دینا کافی سمجھا گیا ہے۔

والدہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمہ[2] بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔ یہ پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جن کی شادی ہاشمی بزرگ سے ہوئی اور ان سے نجیب الطرفین ہاشمی متولد ہوئے۔ آپ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں ہی وفات پائی۔ بعض لوگوں کے نزدیک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور ان کی وفات ہجرت مدینہ سے قبل ہو گئی۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ اسلام سے مشرف ہوئیں اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

علمائے کرام[3] محترمہ کی مدینہ طیبہ میں سکونت کے عہد کا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں گزارش کی کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خانگی امور مثلاً پانی لانا اور گھر سے باہر کے کاموں میں معاونت یہ میں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اور اندرون خانہ کام کاج مثلاً چکی پیسنا، آٹا گوندھنا وغیرہ میں وہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۴۰۷، جلد اول۔ تحت وفات ابی طالب و خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۲) نسب قریش مصعب زبیری، ج ۲، ص ۳۹، فصل فی وفات ابی طالب۔ البدایہ لابن کثیر ج ۳ ص ۱۲۷، فصل فی موت خدیجۃ بنت خویلد۔

[3] تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۳۰۰، تحت وفات ابی طالب، تحت وفات خدیجۃ الکبریٰ۔

آپ کی کفالت کریں گی[1] یعنی آپ کے لئے ان امور میں کسی پریشانی کا احساس نہ ہو۔

جب کچھ مدت کے بعد حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال فرمایا تو اس وقت سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفن و دفن کے انتظامات فرمائے اور اپنا قمیص مبارک ان کے کفن میں شامل فرمایا اور قبر کے تیار ہونے پر پہلے خود اس میں داخل ہو کے اسے متبرک فرمایا۔ اور ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی[2]

اس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے محترمہ مرحومہ کی عزت افزائی اور قدردانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میری نگہداشت اور تربیت پر یہ کمربستہ رہیں ان کی بہت بڑی خدمات ہیں۔ اور میں نے ان کے حق میں اللہ کریم سے دعا کی ہے کہ ان پر قبر کے شدائد آسان ہوں[3]

صاحب تاریخ الخمیس نے لکھا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال سنہ ۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا تھا[4]

برادران ابوطالب کے چار فرزند تھے۔ ان کے نام علی الترتیب ذکر کئے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا طالب تھا۔ اس کے بعد عقیل، اس کے بعد جعفر اور سب سے چھوٹے فرزند علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

---

[2] (۱) اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۱۷، تحت فاطمہ بنت اسد۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۲، ص ۱۱۸ تحت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) الاصابہ لابن حجر، ص ۳۸۰ و ۳۸۱، جلد رابع تحت فاطمہ بنت اسد۔

[3] (۱) اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۱۷۔ تحت فاطمہ بنت اسد۔

(۲) الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۸۰، تحت ترجمہ فاطمہ بنت اسد۔ مع الاصابہ۔

(۳) تاریخ الخمیس، ص ۲۷۳ و ۲۷۴، جلد اول۔ تحت وفات فاطمہ ام علی بن ابی طالب۔

[4] تاریخ الخمیس، جلد اول، ص ۴۷۲ و ۴۷۳۔ تحت وفات فاطمہ ام علی بن ابی طالب۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ نیز علماء اس مقام میں ایک تاریخی تجربہ ذکر کیا کرتے ہیں کہ ان چاروں بھائیوں کی ولادت کے درمیان دس دس برس کا وقفہ ہے۔ یعنی چاروں بھائی ایک دوسرے سے دس دس سال بعد متولد ہوئے۔ [1]

طالب

ان چاروں برادران میں سے طالب سب سے بڑا تھا۔ یہ وہ غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شامل ہوا تھا۔ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ [2]

عقیل

باقی تین بھائیوں میں عقیل سب سے بڑے تھے۔ ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ان تینوں حضرات کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں جن کا تذکرہ قبل ازیں کیا گیا ہے۔

عقیل جنگ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ پھر بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح یہ بھی قید ہو گئے تھے۔ بعد میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا فدیہ ادا کیا اور رہائی کرائی تھی۔ [3]

بعض علماء کے نزدیک آپ صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور یہی تذکرہ

---

[1] (۱)۔ نسب قریش لمصعب الزبیری، ص ۳۹، تحت ولد ابی طالب۔

(۲)۔ [illegible]، ج ۲، ص ۲۲۲، تحت ترجمہ علی بن ابی طالب۔

(۳)۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶، تحت علی بن ابی طالب۔

(۴)۔ تاریخ الخمیس، ج اول، ص ۱۶۳، تحت ذکر ابی طالب و اولادہم۔

[2] (۱)۔ تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۱۶۳، تحت ذکر ابی طالب و اولادہم۔

(۲)۔ ذخائر العقبیٰ، لمحب الطبری، ص ۲۴۲، تحت الباب التاسع فی ذکر اولاد ابی طالب۔

[3] طبقات لابن سعد، ج ۴، ص ۲۹، تحت عقیل بن ابی طالب۔

نویس لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل آپ اسلام لائے تھے اور غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے تھے۔[1]
اپنے دور میں آپ انسابِ قریش اور احوالِ قبائل کے بہت بڑے فاضل تھے اور مکالمات میں بڑے حاضر جواب تھے۔ اور لوگ ان کی طرف ان مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بعض وجوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور کئی ایام ان کے ہاں قیام کیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بڑی قدر دانی فرمائی اور عزت افزائی کی۔[2]

واقعہ ہذا شہادت دیتا ہے کہ بنی ہاشم اور اولادِ ابی طالب کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبائلی تعصب نہ تھا۔ ان کے درمیان خاندانی عداوتیں حائل نہ تھیں۔ ان کے باہمی سلسلۂ آمد و رفت جاری و ساری رہتا تھا اور باہمی معاشرتی معاملات میں کشیدگی نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عقیل کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ اور بعض کے نزدیک ان کا انتقال واقعہ حرہ سے قبل دورِ یزید میں ہوا ہے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۲۹، ۳۰۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔
(۲) ذخائر العقبیٰ لمحب الطبری، ص ۲۲۲، تحت ذکرہم۔
[2] (۱) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۱۶۳، تحت ذکر اولاد ابی طالب۔
(۲) الاصابہ لابن حجر، ج ۲، ص ۴۸۷، تحت عقیل بن ابی طالب۔
[3] (۱) الاصابہ لابن حجر، ج ۲، ص ۴۸۷۔ تحت عقیل بن ابی طالب۔
(۲) طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۰، تحت عقیل بن ابی طالب۔
(۳) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۱۶۳۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

جعفر الطیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا نام جعفر بن ابی طالب اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ان کے مشہور القاب "الطیار" اور "ذوالجناحین" ہیں۔ تیسرا لقب "ابو المساکین" بھی ہے۔ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی برادر ہیں۔ عقیل سے چھوٹے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے تھے۔ ان کی خصوصی صفت اہل سیر یہ لکھتے ہیں کہ لوگوں میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خَلق اور خُلق کے اعتبار سے زیادہ مشابہ تھے۔ آپ قدیم الاسلام تھے اور پچیس یا تیس آدمیوں کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں ہجرتوں کے ساتھ مشرف فرمایا۔ پہلی ہجرت جو اہل اسلام نے حبشہ کی طرف کی تھی وہ اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس کے ہمراہ تھی اور حبشہ سے واپسی کے بعد دوسری بار مدینہ شریف کی طرف ہجرت بھی آپ کو نصیب ہوئی۔

قیام حبشہ کے دوران ان کا ایک نمایاں کارنامہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں آپ نے صداقت اسلام پر ایک نہایت اعلیٰ تقریر کی جس میں توحید کا بیان، رسالت کے فضائل اور اسلام کے محاسن بیان کئے تھے۔

جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے واپس ہوئے تو اس وقت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ خیبر کے سلسلہ میں خیبر تشریف لے گئے ہوئے تھے یہ سنہ ہجری کا واقعہ ہے۔

اسلام میں جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے شمار کارنامے ہیں۔ آپ بڑے عمدہ فضائل وخصائل کے حامل تھے۔ ہم نے یہاں مختصراً چند ایک چیزیں عرض کی ہیں یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت غزوہ موتہ میں ہوئی۔ غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ میں پیش آیا تھا۔ اس غزوہ میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کرام شامل ہوئے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر جیش زید بن حارثہ کو بنایا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اگر یہ شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر جیش ہوں گے۔ اور اگر جعفر بھی شہید

پھر جو کمیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر جیش ہوں گے۔ غزوہ مؤتہ میں ان تینوں حضرات کو شہادت نصیب ہوئی۔ ان کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی کمان کی۔

حضرت قتال کے وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کی افواج کے اندر گھس کر حملہ آور ہوئے۔ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔ پھر بدن کے سامنے والے حصہ پر نوّے زخم کھا کر شہید ہوئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر کل نوّے سے زخم آئے تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو جنت میں دونوں بازوؤں کی جگہ دو پر عطا فرمائے گئے ہیں اور وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اسی بنا پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "ذوالجناحین" اور "الطیار" کے القاب سے نوازا۔

ان حضرات کی شہادت کی اطلاع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بیان فرمائی۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور اطلاع شہادت کے بعد ان کے اہل و عیال کو صبر کی تلقین فرمائی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شہادت کے وقت ایک قول کے مطابق اکتالیس برس تھی۔

واقعات بالا کے لیے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ بخاری شریف باب غزوہ موتہ۔ ۲۔ بخاری شریف باب مناقب جعفرؓ

۳۔ مسلم شریف باب فضائل جعفرؓ ۴۔ استیعاب تحت جعفر بن ابی طالب

۵۔ اسد الغابہ تحت اسماء بنت عمیسؓ

۶۔ الاصابہ لابن حجرؒ ص ۲۳۸ جلد اوّل تحت جعفر بن ابی طالب۔

۷۔ مجمع الزوائد للہیثمی جلد تاسع ۹ ص ۲۷۳ مناقب جعفر بن ابی طالب۔

۸۔ تاریخ خمیس ص ۲۱ جلد اوّل۔ تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

خواہران — حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو حقیقی ہمشیرگان — ام ہانی " اور جمانہ " ہیں اور ان کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ سطور ذیل میں ان کے مختصر احوال ذکر کیے جاتے ہیں۔

ام ہانی بنت ابی طالب

ام ہانی ابو طالب کی لڑکی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سگی بہن ہیں اور آپ کی والدہ بھی فاطمہ بنت اسد تھیں ہجرت مدینہ نہ کر سکی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ مسلمان ہوگئیں ان کا اپنا قول ہے کہ۔

" انی لم اهاجر كنت من الطلقاء " [1]

یعنی میں نے ہجرت نہیں کی میں طلقاء سے ہوں۔

ام ہانی ان کی کنیت ہے اور ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب تھا۔ اور بعض علماء نے ان کا نام ہند بنت ابی طالب بھی لکھا ہے۔

نوٹ : ام ہانیؓ کی شادی ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو مخزومی سے ہوئی۔ اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ یہ شخص اسلام نہیں لایا تھا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر نجران کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس کی موت شرک پر واقع ہوئی۔ ...... " وتزوجها هبيرة ابن ابي وهب بن عمرو المخزومي وولدت له اولادا وهرب الى نجران ومات مشركا " [2]

---

[1] (۱) تاریخ الخمیس، ج ثانی، ص ۳۰۶، تحت اولاد ابی طالب۔

(۲) تاریخ الخمیس، ج اول، ص ۵۰۷، تحت ذکر من خطب علیہ السلام من النساء ولم یتفق نکاحہن۔

[2] (۱) نسب قریش، ص ۴۱، تحت ولد ابی طالب بن عبد المطلب۔

(۲) تاریخ الخمیس، ج اول، ص ۱۶۳، تحت ذکر اولاد ابی طالب۔

(۳) الاصابہ، ج ۴، ص ۴۸۳، تحت ام ہانی بنت ابی طالب۔

(۴) المحبر، لابی جعفر بغدادی، ص ۴۰۶۔

ام ہانی کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس موقع پر ام ہانی کے خاوند کے دو رشتہ داروں کو کفر کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر ام ہانی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پردے کا انتظام کئے ہوئے تھیں جب آپ غسل سے فارغ ہوئے، نماز ادا فرمائی تو اس کے بعد ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گزارش پیش کی کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے خاوند کے رشتہ داروں کو جو میرے تحفظ میں ہیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور میں نے ان کو امان دی ہے۔ تو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قد اجرنا من اجرت یا ام ہانی ؛ ہم نے اسے امان دی جسے تو نے امان دی۔ [۱]

ام ہانی رضہ کی یہ گزارش منظور فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پناہ وامان دے دی۔ جیسا کہ صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے زوج ابوالعاص کو پناہ دی تھی۔ وہاں بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دینا منظور فرمایا تھا۔ واقعہ ہذا مؤلف کی کتاب "بنات اربعہ" ص ۱۲۶، ۱۲۷ پر مذکور ہے۔

---

[۱] (۱) بخاری شریف، جلد اول، ص ۴۴۴ - باب امان النساء وجوارہن۔

(۲) شرح مسلم شریف للنووی، ج ۱، ص ۳۰۰ - باب فتح مکہ۔

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ، ج ۱۴، ص ۴۹۴، طبع کراچی۔

(۴) البدایہ لابن کثیر، ج ۴، ص ۲۹۹ - ۳۰۰ - تحت صفۃ دخولہ علیہ السلام مکہ۔

(۵) تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۹۳ - تحت ذکر ابی طالب واولادہ۔

(۶) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۰ - تحت حدیث الرجلین اللذین اجارتہما ام ہانی

جمانہ بنت ابی طالب

یہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ ہیں اور اس کی والدہ بھی حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ ان کا نکاح ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب کے ساتھ ہوا اور اولاد بھی ہوئی۔ لہ

ابو سفیان بن حارث فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔

جمانہ بنت ابی طالب کا اسلام لانا اور ہجرت کرنا بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ لیکن بیشتر علماء نے اس کی تائید نہیں کی۔ جو حضرات اس کی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں "اسد الغابہ"، "الاصابہ" اور "نسب قریش" وغیرہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

دورِ اوّل ولادت مرتضوی

قبل ازیں یہ چیز ذکر ہو چکی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے تمام برادران میں سے سب سے خورد سال تھے۔ ان کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد ہیں اور مکہ شریف میں بنی ہاشم کی ایک وادی مشہور تھی جسے "شعب بنی ہاشم" کہتے تھے۔ اس وادی میں آنجناب کی ولادت ہوئی۔

"ولد علی رضی اللہ عنہ بمکۃ فی شعب بنی ھاشم" ۲ؔ

جس طرح سابقاً لکھا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں اور اعلیٰ خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کی ولادت کو قبیح الفاظ سے تعبیر کرنا (جیسا کہ بعض نواصب کرتے ہیں) نہایت ہی شرم ناک چیز ہے۔ اس طریقہ سے آنجناب رضی اللہ عنہ کے وقار کو گرایا نہیں جا سکتا۔ بلکہ ان کو قدرت کی طرف

لہ (۱) نسب قریش، ص ۴۰، تحت ولد ابی طالب بن عبد المطلب۔

(۲) الاصابہ لابن حجر، ج ۴، ص ۲۶۲، تحت جمانہ بنت ابی طالب۔

(۳) تاریخ الخمیس، ج اول، ص ۱۶۳، تحت ذکر ابی طالب و اولادہ۔

۲ؔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط، ص ۱۹۰، جلد اول، تحت سنۃ الہجری۔

سے نصیب ہے بلکہ یہ ان لوگوں کی اپنی خست نفس اور فطری عناد ہے جو ان صالحین کے بارے میں ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔

تنبیہ قولہ : ولد علی بمکۃ فی شعب بنی ہاشم۔

۱ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام ولادت کے لیے بعض روایات میں " داخل الکعبۃ " کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ یہ بات علماء کے نزدیک فنی ثبوت کی رو سے صحیح نہیں۔ " ولادۃ فی الکعبہ " کی روایات کو اہل علم نے مرجوح قرار دیا ہے اور صیغہ تمریض سے ذکر کیا ہے۔

ا : ...... ویقال کانت ولادتہ فی داخل الکعبۃ ولم یثبت۔[1]

ب : ...... وما روی ان علیاً ولد فیہا ضعیف عند العلماء۔[2]

۲ : اگر " ولادۃ فی الکعبۃ " کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ ولادت کوئی نئی بات نہ تھی یہ اس دور کے ایک عام دستور کے تحت ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ ایک مشہور صحابی حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد کے برادر زادہ حکیم بن حزام بن خویلد کی ولادت کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کعبہ شریف میں ہوئی تھی۔[3]

۳ : نیز اسلام سے قبل دور جاہلیت کی مروجہ رسومات کو فضائل میں ذکر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اسلام کی طرف سے ان کے صحیح ہونے کی تائید نہ ہو۔ اور یہ چیز یہاں مفقود ہے۔

---

[1] تاریخ الخمیس لدیار البکری، ص ۲۷۵، جلد ثانی، تحت ذکر خلافت علیؓ۔

[2] سیرۃ حلبیہ، ص ۱۵۰، جلد اول، تحت باب تزویج [illegible]۔

[3] (۱) المحبر لابی جعفر بغدادی، ص ۱۷۶۔

(۲) الاصابہ لابن حجر العسقلانی، ص ۳۴۹، جلد اول، تحت حکیم بن حزام۔

(۳) سیر اعلام النبلاء للذہبی، ص ۴۴، جلد ثالث، تحت حکیم بن حزام۔

چنانچہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابوطالب پر ایک معاشی تنگدستی کا دور آیا تھا۔ اور اپنے خاندان کے افراد نے ان کے ساتھ اس موقعہ پر بہترین تعاون فرمایا۔ ان کے برادر محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان کے فرزند حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی خورد و نوش کی کفالت اپنے ذمے لی۔ اور اسی طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم ابوطالب کے چھوٹے فرزند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا تاکہ ابوطالب کے ساتھ ان کے معاشی حالات میں ایک قسم کی معاونت ہو جائے۔ ان حضرات نے ابوطالب سے پرورش کا بار ہلکا کر دینے کے لیے اس حکمت عملی سے کام لیا اور بہترین تدبیر اختیار کی جس کی وجہ سے ان پر خانگی مصارف سہل ہو گئے۔

جعفر بن ابی طالب اپنے عم بزرگوار عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ بود و باش رکھتے حتیٰ کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور ان سے مستغنی ہو گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش محبت میں تعلیم و تربیت نصیب ہوئی اور بچپن ہی سے صحبت صالحہ سے مستفید ہونے کا سنہری موقعہ ملا۔ جیسا کہ طبعی اور فطرتی طور پر ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ اس بناء پر جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداء سے ہی امور خیر کی طرف راغب رہتے تھے۔ اور جاہلانہ رسوم مثلاً اصنام پرستی وغیرہ سے مجتنب رہتے تھے حتیٰ کہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دور آیا۔[1]

اسلام لانا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے چالیس برس تمام ہوئے تو اللہ تعالیٰ

---

[1] (۱) سیرت ابن ہشام ج اول ص [illegible]، [illegible] تحت ذکر ... حجر الرسول ... وسبب ذلک۔

(۲) البدایہ ج [illegible] ص [illegible] تحت خلافت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔

(۳) طبقات ابن سعد ج ۳ ص [illegible] قسم اول تحت ذکر اسلام علی رضی اللہ عنہ وصلاتہ۔

تائید از شیعہ علماء

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا مسئلہ شیعہ اکابر شیعہ علماء نے بڑی وضاحت سے تحریر کیا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر سے یہ علماء ذکر کرتے ہیں کہ اول اول اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ لائے تھے۔

شیعہ کے سید جمال الدین ابن عنبہ نے "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" میں لکھا ہے۔

"۔۔۔۔ انہ لاخلاف فی ان اول من اسلم علی ابن ابی طالب"

(عمدۃ الطالب، ص ۱۵۔ طبع نجف اشرف، تحت الاصل الثالث عقب ابی طالب)

اسی طرح مشہور مجتہد شیعہ ملا باقر مجلسی نے "حیات القلوب" میں ذکر کیا ہے۔

"۔۔۔۔ ۳۔ آنکہ مبعوث شد اول کسے کہ بہ آنحضرت ایمان آورد او بود"

(حیات القلوب، ج دوم، ص ۲۸۲ : در بیان مبعوث گردیدن برسالت و نزول وحی)

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے وہ شخص جو ایمان لائے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کو شیعہ کے مجتہدین نے واشگاف الفاظ میں درج کیا ہے یہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ پھر بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے نہیں بلکہ وہ فطرتاً مسلمان تھے، یہ صحیح نہیں۔ ایسے نظریات ان کے اپنے مذہب کے خلاف ہیں۔

واقعہ دعوتِ عشیرہ

مکی زندگی کے دوران نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کفارِ قریش کی طرف سے عروج پر تھی اور ہر مرحلہ میں مخالفینِ اسلام دعوتِ حق کو رد کرنے میں پیش پیش تھے۔ ان حالات میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے قریبی رشتہ داروں کے حق میں انذار و تنذیر کا حکم ہوا۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعزہ و اقرباء کو دعوتِ حق دینے کے لئے ایک اجتماع قائم کیا۔ اور ان میں دعوتِ اسلام پیش کی۔ اس موقعہ پر چند نوع کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ان کے پیش نظر ذیل میں کچھ کلام پیش ہے

خلاصہ بحث :

ــــــ 1 ۔ صحاح کی روایات میں آغاز واقعہ مذکور ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقارب کو دعوت دینی کے لئے جمع فرمایا۔ دعوت اسلام پیش کی اور انذار و تنذیر کا حق ادا فرمایا۔ بنی عبدالمطلب کے اکابر حاضر تھے۔ یہاں نہ دعوت طعام کا ذکر ہے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام تصریحاً مذکور ہے نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ کوئی انتظامی کام آپ کے سپرد ہوا ہو۔

ــــــ 2 ۔ بعض روایات میں جو صحاح کی نہیں ہیں، ان میں ذکر پایا جاتا ہے کہ اقرباء و اعزہ کو دعوت دینی پیش کرنے کے لئے دعوت طعام بھی دی گئی اور اس کا انتظام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد ہوا ۔ دعوت تین دن تک قائم کی گئی۔ مگر پہلے دو یوم میں دعوت دینی پیش کرنے کا موقعہ میسر نہ آسکا ۔ آخر تیسرے روز اس مجلس طعام کے انعقاد پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبائل بنی عبدالمطلب سے خطاب فرمایا کہ

"میں تمہارے سامنے وہ چیز لایا ہوں جو دنیا و آخرت میں سب سے افضل اور بہترین چیز ہے یعنی دعوت اسلام، اور اس سے قبل اس قسم کی بہترین دعوت تم لوگوں کے سامنے کسی نے پیش نہیں کی تھی"

روایت ہذا ابن اسحاق نے ایک شیخ مبہم سے نقل کی ہے جس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس شیخ نے عبداللہ بن الحارث سے یہ روایت نقل کی ہے ۔

---

[1] (1) بخاری شریف، ج 1 ، ص [illegible] ، باب [illegible] ۔

(2) بخاری شریف، ج 2 ، ص [illegible] ، کتاب التفسیر تحت آیۃ وانذر عشیرتک الاقربین ۔

(3) مسلم شریف، ج 1 ، ص [illegible] ، تحت [illegible] ۔

[2] (1) دلائل النبوۃ للبیہقی، ج ثانی ، ص [illegible] ، طبع بیروت ۔

(2) البدایہ لابن کثیر، ج 3 ، ص [illegible] ، باب امر اللہ رسولہ [illegible] ۔

اس طرح کی روایات میں دعوت طعام کا ذکر ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر بطور متکلم پایا جاتا ہے۔ یعنی آپؓ سے متعلق دیگر فضائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً خصائص دین وصایا اور خلافت وغیرہ ان میں مذکور نہیں۔

۲ : نیز اس مرحلہ میں اس طرح کی بعض دیگر روایات اس طرح کی دستیاب ہوتی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس واقعہ پر اپنے اقارب کو دعوت طعام دی گئی اور اس کے انتظام کرنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور تھے۔ خورد و نوش کے اختتام پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دینی پیش فرمائی۔ اور فرمایا کہ۔

" میں تمہیں دین سلسلہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کے لئے بہتر چیز ہے وہ لایا ہوں اس چیز پر تم میں سے کون میری معاونت کرنے پر آمادہ ہے اور وہ میرا بھائی ہوگا، میرا قرض ادا کرے گا، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا"

تو اس وقت قوم خاموش ہو گئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں ان تمام حاضرین میں سے کم عمر تھا میں نے عرض کیا یا نبی اللہ میں آپ کا وزیر ہوں گا۔ پس آپؐ نے میری گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا

" یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے فاسمعوا له و اطیعوہ یعنی تم اس کی بات تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا"

حضرت کے اس فرمان پر حاضرین مجلس تمسخر اڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ تجھے اپنے بیٹے کی اطاعت کرنے کا حکم ہوا ہے۔

نوع سوم کی روایت اس مفہوم پر مشتمل ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

" علیؓ میرے بھائی ہیں، میرے قرض ادا کرنے والے ہیں، میرے وصی ہیں، اور میرے خلیفہ ہیں" وغیرہ۔ لیکن فن روایت کے اعتبار سے یہ چیزیں نا قابل اعتماد لوگوں سے مروی ہیں جیسے

ناقلین ابو مریم عبدالغفار بن القاسم اور عثمان بن عمرو وغیرہما سخت مجروح و مقدوح ہیں کذاب وضاع خبیث رافضی قسم کے ہیں۔ یہ لوگ روایات میں اختلاط و اوہام کرنے والے ہیں اور ان کے منقولات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ "دعوت عشیرہ" میں جو محمد بن اسحاق سے روایات دستیاب ہوتی ہیں ان میں اس کے تفردات و الحاقات کا کچھ دخل ہو۔ اس بزرگ سے ثقہ لوگوں کے برخلاف روایات کا منقول ہونا اس کی مرویات کا عدم قبول کے لئے ایک مستقل قرینہ بن جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ انذار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جو دعوت دینی پیش کی گئی تھی اس کے متعلق صحاح میں جو مواقع مذکور ہیں ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر و دعوت طعام کا ذکر نہیں تھا۔ اور غیر صحاح کی روایات میں بعض مقامات میں دعوت طعام کا ذکر پایا جاتا ہے اور حضرت علی رض کا ذکر بھی وہاں موجود ہے لیکن وصایت اور خلافت مذکور نہیں۔ بعد تیسری نوع کی روایات کتب سیرت و تاریخ وغیرہ میں پائی جاتی ہیں جن میں دعوت طعام کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وزیر ہونے، وصی ہونے، خلیفہ ہونے وغیرہ کے مسائل مذکور ہیں۔ لیکن یہ آخری نوع کی روایات پر جس سے علماء کرام نے کلام کیا ہے اور ان پر کڑی تنقید کی ہے۔ فلہذا یہ آخری نوع کی روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ ناظرین کرام حسب ذیل مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی فرما سکتے ہیں۔[2]

---

[1] (۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۵۱ تحت الآیۃ وانذر عشیرتک الاقربین

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۴۰ تحت روایت ہذا۔

[2] (۱) تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۵۰ تحت آیت وانذر عشیرتک الاقربین – پ ۱۹۔

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۴۰ – باب امر رسول اللہ بابلاغ رسالتہ۔

(۳) البدایہ لابن کثیر، ج ۷، ص ۳۵۹، تحت خلافت امیر المومنین علی بن ابی طالب۔

(۴) اللآلی المصنوعہ للسیوطی، ج ۱، ص ۱۸۶ ...، تحت روایت ہذا، طبع قدیم لکھنو۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ہیں ان کو من وعن تسلیم کر لینا درایت و روایت کی روشنی میں بہت مشکل ہے۔ پھر "خلافت بلافصل" جیسا مسئلہ جو حضرات شیعہ کے نزدیک واجبات اسلام میں سے ہے، وہ نص قطعی کا محتاج ہے۔ وہ اس قسم کے ضعیف اور بے اصل مواد سے کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے؟ کچھ تو غور کیجئے!

مختصر یہ کہ واقعہ "دعوت عشیرہ" کے ساتھ مسئلہ خلافت بلافصل کا انضمام یہ صرف دوستوں کی بچاؤ ہے۔ واقعات سے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اور نہ ہی اس کا واقعہ ہذا کے ساتھ کوئی ارتباط نظر آتا ہے۔

دورِ دوم — واقعہ ہجرت

اہل اسلام کے لئے مکی زندگی کا دور بڑا مشکل ترین دور تھا اشاعت اسلام کو روکنے کے لئے کفار نے اپنے تمام حربے استعمال کئے لیکن خوش بخت لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ ادھر کفار نے معاندانہ مساعی تیز کر دی تھیں اور اہل اسلام پر مکہ میں زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات میں مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ "مدینہ طیبہ کی طرف حسب موقعہ ہجرت کرنا شروع کر دیں"۔[1] اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہجرت کے متعلق ارشاد خداوندی کے منتظر تھے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً تیرہ سال بعد خداوند کریم کے حکم سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت الی المدینہ کا قصد فرمایا۔ یہ ان حالات میں تھا کہ دشمن قریش اپنی مخالفانہ مساعی کے سلسلہ میں آپس میں مشورہ کر رہے تھے اور اس میں بعض کی رائے یہ ہوئی کہ

(۱) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر کے زیر حراست رکھا جائے۔

---

[1] البدایہ لابن کثیر ج [illegible] ص [illegible] تحت فصول سبب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ الکریم۔

۲۔ اور بعض کی طرف سے یہ رائے تھی کہ ان کا مکہ سے اخراج کر دیا جائے تاکہ ان کے اثرات سے اہل مکہ محفوظ ہو جائیں۔

۳۔ اور بعض کا مشورہ یہ تھا کہ متعدد قبائل مل کر ان کو قتل کر دیں۔ لہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ان مشوروں کی اطلاع فرما دی اور آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ صورت فرمائی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیفیت حال سے مطلع فرما کر آپ کو سفر کے انتظامات کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور وقت کی تعیین بھی فرما دی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ خانۂ نبوت میں میرے فراش (بستر) پر آپ رات گزاریں۔ چنانچہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس شب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر غار ثور میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فراش مبارک پر جناب کی نیابت میں آرام فرما رہے۔ ٹہ

اور کفار قریش اس شب میں عملی اقدام کرنے کے لئے کاشانۂ نبوت کے اردگرد کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور گمان کرتے تھے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر آرام فرما ہیں۔

صبح اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اقدام کرنے لگے تو دیکھتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مفقود ہیں اور علی بن ابی طالب بستر پر موجود ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی باطل تدبیر کو رد کر دیا اور ان کے مقصد فاسد کو ناکام بنا دیا۔

لہ (۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر : ج ۳ : ص [illegible] ۔ تحت فصل فی سبب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) مسند احمد : ج اول : ص ۳۴۸ ۔ تحت مسندات ابن عباس ؓ۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ۔ ص ۵۴۳ ۔ ۵۴۳ ۔ بحوالہ مسند احمد ج ۱ ۔ تحت المعجزات الفصل الثالث۔

ٹہ سیرت حلبیہ : ج ثانی : ص ۲۰ تحت حالات ہجرت۔

محاصرین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہنے لگے کہ تیرے ساتھی کہاں ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ " مجھے علم نہیں "۔ [1]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدیم رفیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی رفاقت میں لے کر غار ثور میں تشریف لے گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید (سورۃ توبہ) میں یہ واقعہ مذکور ہے اور حدیث و سیرۃ کی کتابوں میں اپنی تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ کچھ وقت کے لئے یہاں مکہ میں مقیم رہیں اور لوگوں کی امانتیں اور ودائع جو ہمارے پاس رکھے ہوئے ہیں ان کو واپس پہنچا دیں اور اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ پہنچ جائیں۔

چنانچہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسی طرح کیا۔ تین روز وہاں مقیم رہا اور امانتیں اور ودائع ان کے مالکوں کو لوٹا کر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا۔

پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکورہ امور سے سبکدوشی کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اس وقت جناب صلی اللہ علیہ وسلم کلثوم بن ہدم کے پاس قبا میں اقامت پذیر تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں حاضر خدمت ہوئے۔ [2]

---

[1] (۱) مسند احمد، ج ۱، ص ۳۴۸ - تحت مسندات ابن عباس رض -

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۱۸۱ - ۱۸۲ -

(۳) الاصابہ، ج ۲، ص ۵۰۲ - تحت تذکرہ علی بن ابی طالب -

[2] (۱) طبقات ابن سعد، ص ۱۳ - تحت ذکر اسلام علی و صلاتہ -

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۹۳ - تحت منزل علی رض بقباء -

(۳) البدایہ، ج ۳، ص ۱۹۷ - فصل فی دخولہ علیہ السلام المدینۃ ..... الخ

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سلسلہ بعثت نبوی میں وسط ماہ ربیع الاول کو ہجرت کر کے علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبا میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے [1]

اہل و عیال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق ایک وضاحت

بعض لوگوں نے اس موقعہ پر یہ ذکر کیا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ شریف میں بہ ہجرت جانے کے وقت لوگوں کی امانتیں اور ودائع پہنچانے کے علاوہ یہ معاملہ بھی سپرد فرمایا تھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور آپ کے حرم محترم کو ہجرت مدینہ کے وقت اپنے ساتھ لائیں اور یہ سفر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر نگرانی طے کیا تھا۔

اس کے متعلق اتنی وضاحت ضروری ہے کہ یہ واقعہ حقیقت کے خلاف ہے۔ درست امر یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں (ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور اپنے حرم (ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مکہ شریف سے مدینہ طیبہ لانے کے لئے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کو سواری اور مصارف سفر دے کر مدینہ شریف سے روانہ فرمایا تھا اور یہ مصارف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیش خدمت کئے تھے (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "بنات اربعہ" کے صفحہ ۸۸ میں ہجرت مدینہ میں لکھا ہے)۔

اس سفر میں زید بن حارثہ اپنی بیوی ام ایمن اور اپنے فرزند اسامہ کو بھی اپنی حفاظت کے ساتھ مدینہ شریف لائے تھے۔ نیز اسی قافلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل و عیال ان کے فرزند عبد اللہ بن ابی بکر کی زیر نگرانی اس سفر ہجرت میں شریک ہوئے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۳، تحت ذکر اسلام علی و صفاتہ۔

اور مذکورہ تمام حضرات کو مکہ سے مدینہ پہنچانے کے انتظامات عبداللہ بن اریقط الدؤلی لے کر نکل گئے تھے۔ اس طرح ان دونوں خاندانوں نے یہ سفر ایک دوسرے کی مصاحبت میں طے کیا تھا۔ [1]

ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ شریف میں اپنے فرائض سے سبکدوشی کے بعد اس قافلہ سے کچھ عرصہ قبل ہی مدینہ شریف کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ اس سلسلہ میں متعدد مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ [2]

مواخات

مکی زندگی کا ایک دشوار ترین دور گزارنے کے بعد جب اہل اسلام مدینہ شریف میں ہجرت کر کے پہنچے تو وہاں معاشرتی زندگی میں سہولت کے پیش نظر ایک حکمت عملی سے کام لیا گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک برادرانہ تعلق قائم فرمایا جس کو اہل علم کی اصطلاح میں "مواخات" کہتے ہیں۔ سہل الفاظ میں اسے "بھائی چارہ" کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعہ مہاجرین پر جو دورِ ہجرت کی وجہ سے جو تنگی اور تکلیف دہ صورتیں پیش آ سکتی تھیں وہ سہل ہو گئیں اور ان کو اپنا وطن چھوڑنے کے بعد آباد کاری کا مرحلہ نہایت آسان ہو گیا۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مدینہ شریف کی اس "مواخات" سے قبل مکہ شریف میں بھی بعض ایام اسلام میں ایک "مواخاۃ" قائم کی گئی تھی جس میں حق پر تعاون اور باہمی غم خواری کرنا مقصود تھا۔ مکہ شریف میں یہ "مواخاۃ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

[1] (۱) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۳۸۵، تحت لفظ زید بن حارثہ۔

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۱۰۰، تحت فصل بناء مسجد نبوی۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۱۲۰، ج ۳، ص ۲۰۲، طبع قدیم، تحت فصل فی ہجرۃ علی رضی اللہ عنہ۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ج ۲، ص ۹۱، تحت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

درمیان۔ حضرت حمزہ رض عم نبوی اور زید بن حارثہ رض کے درمیان۔ حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت عمر رض کے درمیان۔ حضرت عثمان رض اور عبدالرحمٰن بن عوف رض کے درمیان۔ اور زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود رض کے درمیان قائم ہوئی تھی۔ (یہ بطور مثال درج کی گئی ہیں ان کے ماسوا اور بہت سے حضرات کے درمیان بھی "مواخات" قائم تھی)۔

واقعہ ہجرت کے چند ماہ بعد مدینہ شریف میں پھر مواخات قائم ہوئی۔ بعض کے نزدیک دار انس رض میں اور بعض کے ہاں مسجد نبوی میں اس کا انعقاد ہوا۔ ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری کے ساتھ ارتباط قائم کیا گیا تھا۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت علی رض اور سہل بن حنیف رض کے درمیان زید بن حارثہ رض اور اسید بن حضیر رض کے درمیان۔ حضرت صدیق اکبر رض اور خارجہ رض بن زید بن ابی زہیر کے درمیان۔ حضرت عمر فاروق رض اور عویم رض بن ساعدہ کے درمیان۔ حضرت عثمان رض بن عفان اور اوس رض بن ثابت کے درمیان۔ عبدالرحمٰن رض بن عوف اور سعد رض بن الربیع کے درمیان۔ زبیر رض بن عوام اور کعب رض بن مالک کے درمیان۔ اور عبداللہ بن مسعود رض معاذ رض بن جبل کے درمیان مواخات قائم ہوئی۔ [1]

اسی طرح اور صحابہ کرام رض کے مابین بھی یہ سلسلہ مواخات قائم ہوا۔

یہاں یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ شریف تشریف لائے تو ان کی "مواخات" حضرت سہل بن حنیف انصاری رض کے ساتھ قائم کی گئی تھی۔ متعدد علماء سیرت نے اسے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔ مثلاً "طبقات ابن سعد" جلد ۳ میں "ذکر اسلام علی وصلاتہ" کے تحت۔ اور ایک دوسرے مقام پر "سہل بن حنیف رض" کے تذکرہ کے تحت اسے ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر العسقلانی رح نے "الاصابہ" جلد ثانی میں سہل رح

---

[1] (۱) المحبر لابی جعفر البغدادی رح، ص ۷۰ تا ۷۱ - تحت ذکر مواخات۔

(۲) سیرت الحلبیہ، ج ۲، ص ۲۴، ۲۳ - تحت حالات ہجرت۔

بن حنیف کے تحت ۔ اور حافظ ابن کثیر نے "البدایہ" جلد سابع میں ابتدائے خلافت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے تحت مدینہ میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے ساتھ مواخات تصریحاً ذکر کی ہے ۔

اور ابن کثیر نے اس کے بعد لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مدینہ منورہ میں مواخات کا ذکر بعض اہل سیر نے کیا ہے ۔ لیکن اس معاملہ میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی ضعیف اسانید کی بنا پر صحیح نہیں ۔

" وقد ورد فی ذلک احادیث کثیرۃ لا یصح شیء منہا لضعف اسانیدھا " [2]

اس تحقیق کی بنا پر راجح چیز یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی "مواخات" مدینہ طیبہ میں حضرت سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قائم کی گئی تھی ۔ اس کا حوالہ سابقاً عرض کر دیا ہے ۔ علاوہ ازیں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات کریمانہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں روزانہ جاری رہتی تھیں اور ذاتی شفقات کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا ۔ ان حالات میں اگر بطور خاص مدنی "مواخات" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی قائم ہو تو بھی جو قرب بارگاہ نبوت میں ان کو حاصل تھا اس میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ اسلام میں اس مواخات کا مقصد نہایت وسیع ہے ۔ یہ محض اسلامی اخوت و مواسات و یکسانیت کی بنا پر منعقد ہوئی تھی ۔ اس کی تفصیلات میں مہاجرین کے حق میں انصار کی قربانیاں جو ذکر کی جاتی ہیں وہ نہایت عدیم المثال اور عدیم النظیر ہیں ۔ سیرت کی کتابوں کے ملاحظہ کرنے والوں پر وہ مخفی نہیں ۔ یہاں ان واقعات کے تفصیل سے ذکر کرنے کی گنجائش

---

[1] البدایہ لابن کثیر ج ۷ ، ص ۳۲۳ ۔ تحت فضائل امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۔

(۲) البدایہ لابن کثیر ج ۳ ، ص ۲۲۷ ۔ فصل فی مواخاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار ۔

نہیں ہے۔

تعمیر مسجد کے موقع پر رجز

مدینہ طیبہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہجرت کر کے پہنچے تو پہلے کچھ مدت نماز کا انتظام حسب موقعہ اپنے گھروں یا کسی فراخ جگہ میں جماعت کے لئے کر لیا جاتا۔ بعض اوقات بعض لغتہ میں مسلمان گرکے نماز کی ادائیگی کر لیتے تھے اور ابھی کسی مقام کو مستقل طور پر مسجد کے لئے متعین نہیں کیا گیا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی کی تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے مقدور کے مطابق حصہ لیا۔ اور خلفائے اربعہ سیدنا صدیق رض، سیدنا فاروق رض، سیدنا عثمان رض، سیدنا علی رض نے بھی اس کار خیر میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اس موقعہ پر بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام رض مسجد کی تعمیر کا سامان خشت و گل وغیرہ خود اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور انبساط طبع کی بنا پر خوش ہو کر رجز پڑھتے تھے۔

اس مقام میں بعض کلمات جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور رجز کہے ان کلمات کو بعض لوگ بعض دیگر صحابہ رض پر نقد و طعن تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کلمات آپ نے خوش طبعی کے طور پر کہے ہیں۔ جیسا کہ اجتماعی کاموں میں جب جماعت مل کر کوئی کام سرانجام دے رہی ہوتی ہے تو فرحت طبع کے لئے بعض خوش مزاج لوگ تفریحی کلمات کہہ دیا کرتے ہیں۔

پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسے کچھ کلمات کہہ دیئے تو وہ اسی طرح خوش مزاجی پر محمول سمجھے جاتے ہیں نہ کہ دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تعریض کے لئے۔ مؤرخین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

..... انما قال ذالک علی رض مداعبة و مباسطة کما هو عادة الجماعة اذا اجتمعوا علی عمل [1]

---

(1) تاریخ خمیس ج اول ص ۲۴۵ تحت تعمیر المسجد۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ناظرین کرام پر واضح ہے کہ امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج مبارک میں خوش طبعی تھی اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ بعض طبائع خوش مزاج ہوتے ہیں اور یہ اپنے حدود میں کوئی عیب کی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا بعض اوقات ان حضرات سے جو اس طرح کے تفریحی کلمات صادر ہوتے ہیں تو ان میں سے کسی دیگر بزرگ کی تحقیر پیش نظر نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ کسی مومن و مسلمان کی تحقیر و تذلیل اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

غزوۂ بدر اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدنی زندگی میں اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت ملی۔ مسلمانوں کے لیے مکہ شریف میں اشاعت اسلام میں جو عوائق اور موانع تھے۔ وہ اب رفع ہو چکے تھے۔ مدینہ طیبہ میں اہل اسلام کے لیے دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔ یعنی مخالفت کرنے والوں کے لیے مسلمانوں کو تلوار استعمال کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس سلسلہ میں اسلام میں بہت سے غزوات پیش آئے تھے ان میں سے غزوۂ بدر کبریٰ سنہ ۲ھ سترہ رمضان میں بدر کے مقام پر پیش آیا۔

سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع ملی کہ قریش مکہ کا بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان بن حرب کی زیر نگرانی ملک شام سے واپس آ رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مشورہ ہوا کہ اس عیر قریش (قافلہ قریش) پر قبضہ کیا جائے تاکہ ان کی طاقت کمزور ہو اور وہ مسلمانوں کو پریشان نہ کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بدر کی طرف پیش قدمی کی۔

ان حالات کی تاقافلہ والوں کو اطلاع ملی تو ابوسفیان نے اہل مکہ کی طرف اپنا قاصد روانہ کیا کہ جا کر حالات مخدوش اور خطرناک ہیں جلدی معاونت کے لیے اور لوگوں کو تیاری کے ساتھ ان کے پاس پہنچنا چاہیے۔ اس طرح قریش مکہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے پوری تیاری کے ساتھ بدر کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱-۲) سیرت حلبیہ ج ثانی ص ۵۵ تحت ذکر بناء المسجد تذکرہ عمار بن یاسر۔

روانہ ہو سکے۔

اس دوران ابوسفیان نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس نے معروف ومشہور راستہ چھوڑ کر دوسرا ساحلی طریق استعمال کیا اور بچ کر مکہ کی جانب نکل گیا۔

جب اہل مکہ پوری تیاری کے ساتھ بدر کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ جس قافلہ کو بچانا مطلوب تھا مکہ کی طرف نکل گیا ہے اور سارا خطرہ ٹل چکا ہے۔ تاہم ابوجہل کے اصرار پر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے پیش قدمی کی اور قتال پر آمادگی کا اظہار کیا اور میدان میں نکل آئے تھے۔

دوسری جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیش آمدہ حالات کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ تو صحابہ کرام نے پوری جانثاری اور قربانی کا اظہار کیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس موقعہ پر بشارتیں اور معاونت غیبی کے وعدے بیان فرمائے۔

مختصر یہ کہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان یہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرتیں شامل حال تھیں (جیسا کہ آیات قرآن میں مذکور ہے)۔

مبارزت کے موقعہ پر چند انصار حضرات قربان نبوت کے تحت میدان میں نکلے اور ادھر کفار قریش کے اکابر عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ میدان کارزار میں نکلے انہوں نے دریافت کیا کہ ہمارے مد مقابل آنے والے کون لوگ ہیں؟ تو انصاریوں نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔ جواب میں یہ قریش کہنے لگے کہ تم ہمارے ہمسر نہیں، ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہی قبیلہ کے قریشی آئیں۔ تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، اپنے چچازاد برادر حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اور اپنے عم زاد

---

(۱) البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۹، تحت حالات غزوہ بدر۔

(۲) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۳۱۴، تحت غزوہ بدر۔

علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب کو رزمگاہ میں نکلنے کے لئے ارشاد فرمایا[1]

ان تینوں حضرات کا اپنے مقابلین کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ حضرت حمزہؓ نے اپنے مقابل شیبہ بن ربیعہ کو اور حضرت علیؓ نے اپنے مقابل ولید بن عتبہ کو فوراً تہ تیغ کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبد المطلب کا اپنے مقابل عتبہ بن ربیعہ کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا اور دونوں مقابل نہایت زخمی ہو گئے۔ پھر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے حملہ کر کے عتبہ کو ختم کیا۔ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث کو زخمی حالت میں اٹھا کر واپس خیمہ میں لائے۔ ان کا ایک پاؤں کٹ گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہؓ کو اپنے اقدام مبارک کے ساتھ سہارا دیا اور کچھ وقت کے بعد حضرت عبیدہؓ شہید ہو گئے ؎

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

انتقال کے وقت حضرت عبیدہؓ بن حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں شہید ہوں یا نہیں؟

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ "اشہد انک شہید"[2] یعنی آپ کے شہید فی سبیل اللہ ہونے کی میں گواہی دیتا ہوں۔

علم نبوی: اسلام کے اس عظیم معرکہ میں مہاجرین کا علم حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا اور بعض دفعہ ایک علم حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں بھی ہوتا تھا۔

---

[1] (۱) طبقات ابن سعد ج ۳ ص [illegible] تحت حالات حمزہؓ۔

(۲) الاصابہ لابن حجر ج ۲ ص ۴۴۹ تحت عبیدہ بن الحارث۔

(۳) تاریخ خمیس ج ۱ ص [illegible] حالات غزوۂ بدر

[2] (۱) البدایہ [illegible] تحت حالات غزوۂ بدر۔ (۲) تاریخ خمیس ج ۱ [illegible]۔

انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور بعض مقامات پر ان کا حضرت سعد بن معاذ رض کے ہاتھ میں ہونا بھی مذکور ہے [1]

میدان کارزار میں کئی مراحل پیش آتے ہیں ان میں اس نوع کی تبدیلیوں کا پایا جانا کچھ عجیب نہیں بہت ممکن ہے وقتی حالات کے تحت صاحب لواء اور صاحب علم تبدیل کئے گئے ہوں۔ بایں ہمہ بدر جیسے عظیم معرکۂ حق و باطل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم برداری کا منصب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عطا کیا جانا نہایت اعلیٰ منقبت ہے۔

معرکۂ بدر میں جہاں دیگر اکابر مہاجرین نے مشرکین کفار اور اعداء اسلام کو تہ تیغ کیا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے اور بہت سے کفار مثلاً ولید بن عتبہ، نضیر بن الحارث وغیرہم کو نیست و نابود کیا۔ مشہور قول کے موافق ستّر کافر مقتول ہوئے اور ستّر قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لائے گئے۔

غنائم بدر

جنگ بدر میں اہل اسلام کو بہت سے غنائم حاصل ہوئے۔ ان میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مخصوص حصہ ملا اور ایک اعلیٰ قسم کی سیف جو ذوالفقار کے نام سے موسوم تھی حصہ میں ملی تھی۔ یہ تلوار سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم سے اپنے لئے پسند فرمائی تھی پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرما دی[2]۔ اور ایک زرہ کا ملنا بھی علماء نے لکھا ہے [3]

---

[1] (۱) البدایہ ج ۳ ص ۲۶۸، ۲۷۹ تحت فصل لجمع غزوہ بدر۔

(۲) مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۶۸ مسندات ابن عباس رض۔

(۳) تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۳۸۴ تحت غزوۃ بدر الکبریٰ۔

[2] البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۳۲ تحت فضائل امیر المؤمنین علی رض۔

[3] مسند الحمیدی ج ۱ ص ۲۲ تحت احادیث علی بن ابی طالب۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ

قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت فاطمہ رض کے تزویج کا مسئلہ کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی باب اول میں چند تشریحات کے ساتھ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح کتاب "بنات اربعہ" میں سیدہ فاطمہ رض کے احوال میں بھی یہ مسئلہ بقدر ضرورت توضیحات کے ساتھ درج کیا جا چکا ہے۔ جن حضرات کو اس بحث میں تفصیل مطلوب ہو وہ مذکورہ بالا مقامات کی طرف رجوع فرمالیں۔ یہاں مسئلہ تزویج کو مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

نکاح اور زوجین کی عمر ماہ رجب ۲ھ میں حضرت علی المرتضیٰ رض کا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا۔ اور نکاح کا مہر چار صد مثقال مقرر کیا گیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس یا چوبیس برس کی تھی اور حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر علی اختلاف الاقوال پندرہ، اٹھارہ یا انیس سال کے قریب تھی۔[1]

مجلس نکاح انعقاد نکاح کے لیے یہ بابرکت اجتماع بالکل سادہ، تکلفات زمانہ سے مبرا اور رسومات مروجہ سے خالی تھا۔ اس مبارک نکاح کی تقریب میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان ذوالنورین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل تھے۔ اور شاہد نکاح تھے۔ چنانچہ سنی و شیعہ علماء دونوں حضرات نے ان بزرگوں کی شمولیت و شہادت نکاح کو درج کیا ہے۔[2]

---

[1] مشہور مواهب لدنیہ، ج ۲، ص ۔ بحث فصل ذکر تزویج فاطمہ۔

[2] (۱) ذخائر العقبیٰ محب الطبری، ص ۳۰، باب ذکر تزویج فاطمہ۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اور میرا مال اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے حاضر ہے۔ جو مکان آپ مجھ سے حاصل فرمائیں گے وہ میرے لئے اس مکان سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے چھوڑیں گے۔"

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مکان حضرت علی رضی اور حضرت فاطمہ رضی کے لئے قبول فرمایا اور دعائے خیر کے کلمات کہتے ہوئے فرمایا بارک اللہ علیک[1] یا فرمایا بارک اللہ فیک

اس کے بعد اس مکان میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی کا انتظام کیا گیا۔ اور مکان کی تیاری کے سلسلہ میں صفائی وغیرہ ضروری انتظامات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معاونت سے مکمل فرمائے تھے[2]

مکان کی تیاری کے بعد ذوالحجہ سنہ ۲ھ میں سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر فاطمہ رضی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکان کی طرف اپنی خادمہ ام ایمن رضی کی معیت میں روانہ فرمایا۔ اور اس طرح خاتون جنت رضی کی رخصتی اس سادہ سی تقریب کی صورت میں مکمل ہوئی جس میں مروجہ رسومات کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ اور امت کے لئے عملی تعلیم کا بے مثال نمونہ تھا۔

اس موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اور حضرت جابر رضی فرمایا کرتے تھے

وما رأینا عرسا احسن من عرس فاطمۃ رضی[3]

یعنی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی سے بہتر اور عمدہ ہم نے کوئی شادی نہیں دیکھی۔

---

[1] (۱) طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۳، تحت تذکرہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔
(۲) الاصابہ، ج ۴، ص ۳۶۶، تحت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

[2] السنن لابن ماجہ، ص ۱۳۶، کتاب النکاح باب الولیمہ (طبع دہلی)

[3] (۱) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۴۱۲، تحت بناء علی رضی بفاطمہ رضی۔
(۲) السنن لابن ماجہ، ص ۱۳۶، کتاب النکاح باب الولیمہ (طبع دہلی)

دعوتِ ولیمہ

رخصتی کی اس مبارک تقریب کے بعد دعوتِ ولیمہ کا مختصر سا انتظام کیا گیا جس میں جو کی روٹی، کچھ کھجور اور پنیر سے اپنے احباب کے لئے دعوتِ طعام ترتیب دی گئی۔[1] یہ اس بابرکت شادی کا متبرک ولیمہ تھا جس میں نہ تکلف تھا نہ تصنع اور نہ ہی قبائلی تفاخر مدِ نظر تھا۔ دعوتِ ولیمہ ایک سنت طریقہ ہے۔ اس سنت کو نمود و نمائش کے بغیر نہایت سادگی سے ادا کیا گیا اور اہلِ اسلام کے لئے اس میں عملی نمونہ پیش کیا گیا۔

کلماتِ دعائیہ

جب انتظامی مرحلے مکمل ہو گئے اور رخصتی بھی ہو چکی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر مناسب حال نصائح و ہدایات ارشاد فرمائیں اور زوجین دونوں کے لئے یہ دعائیہ کلمات کہے۔

[2] اللّٰھم بارک فیھما و بارک علیھما و بارک لھما فی نسلھما۔

یعنی اے اللہ! زوجین کے مال و جان میں برکت عطا فرما اور ان کی اولاد کے حق میں بھی برکت فرما۔

غزوۂ اُحد اور سیدنا علیؓ

غزوۂ احد ۳ ہجری ۱۵ شوال (علیٰ اختلاف الاقوال) بروز ہفتہ پیش آیا تھا۔ اسلام میں یہ دوسرا معرکہ تھا جس میں حق و باطل کی صف آرائی ہوئی۔ اس غزوہ میں کفارِ قریش غزوۂ بدر کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جانب سے

---

[1] (۱) تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۴۱۱، تحت بنا علی بفاطمہ۔

(۲) شرح مواہب اللدنیہ للزرقانی، ج ۲ ص ۶-۵، تحت تزویج فاطمہ۔

[2] (۱) الاصابہ لابن حجر، ج ۴ ص ۳۶۶، تحت فاطمۃ الزہراء۔

(۲) مسند الحمیدی، ج ۱ ص ۲۲، تحت احادیث علی بن ابی طالب۔

(۳) السنن لسعید بن منصور، ج ۳ ص ۱۵۲، القسم الاول۔

پوری تیاری کے ساتھ مدینہ شریف پر اقدام کرکے آئے تھے ۔ اور اس کے جواب میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں احد کے مقام کی طرف پیش قدمی فرمائی ۔ غزوۂ ہذا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ابتداءً کم و بیش ایک ہزار تھی اور ان کے مقابل مشرکین کی تعداد قریباً تین ہزار تھی ۔

اس موقعہ پر مدینہ شریف میں نیابت صلوٰۃ کے لئے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام مقرر کیا گیا تھا ۔

لشکر کی ترتیب کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ اس کے میمنہ کے امیر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور میسرہ کے امیر المنذر بن عمرو الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبکہ قلب لشکر کے امیر سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم متعین تھے ۔ " رجالہ " یعنی پیادہ پا دستہ پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر تھے ۔ اور تیر اندازوں کی جماعت پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا گیا تھا ۔

اس غزوہ میں مہاجرین کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جو ان کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا ۔ کفار کی طرف سے علمبردار ابو سعد بن ابی طلحہ تھا ۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارزت کے لئے آواز دی ۔ پھر دونوں کا اس دنگل و قتال میں سخت مقابلہ واقع ہوا ۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی کمال شجاعت کے ساتھ واصل جہنم کر دیا ۔ [illegible]

اس کے علاوہ دوران جنگ آپ رضی اللہ عنہ نے متعدد مشرکین کو تہ تیغ کیا ۔ ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ ابو الحکم بن الاخنس کا فر لعین نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا تو جواباً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابو الحکم مذکور پر اپنی تیغ سے شدید حملہ کیا وہ اسپ سوار تھا تو اس کے پاؤں کو نصف ران سے قطع کرکے اسے گھوڑے سے گرا دیا اور ختم کر ڈالا ۔ [illegible]

له البدایہ لابن کثیر ج ۴ ص [illegible] تحت غزوۂ احد فصل [illegible] ۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کہ جنگِ احد میں جب ایک وقت میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ افواہ پھیل گئی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس دوران اہلِ اسلام پر ایک کیفیتِ یاس چھا گئی۔ اور کچھ لوگ ایک چٹان پر اس اضطراب اور مایوسی کے عالم میں بیٹھ گئے ان لوگوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہم بھی موجود تھے۔ ان لوگوں میں سے بعض نے کہا۔

"کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ بن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا۔

اے لوگو! محمد تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ تمہارے پاس آئیں اور تمہیں قتل کر دیں"

..... قال بعض اصحاب الصخرة ليت لنا رسولا الى عبد الله بن ابي فياخذ لنا امنة من ابي سفيان۔

يا قوم! ان محمدا قد قتل فارجعوا الى قومكم قبل ان ياتوكم فيقتلوكم" [1]

معترض کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر دین سے منحرف ہو گئے تھے اور دین سے مایوس ہو کر مندرجہ بالا خیالات کا اظہار کیا۔

ازالہ

مسئلہ ہذا کے جواب میں چند چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ ان پر نظر فرمائیں تو اعتراض ہذا کا ازالہ ہو جائے گا۔

—— اول: سب سے پہلے یہ چیز ملاحظہ طلب ہے کہ طبری کی جس روایت کی بنا پر یہ اعتراض قائم کیا گیا ہے اس کی اسنادی حیثیت یہ ہے کہ اس کا ایک راوی "السدی" ہے اور اس راوی کو علمائے رجال نے "مجروح" اور "متہم" قرار دیا ہے اور شیعہ لکھا ہے [2]

---

[1] تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۰ تحت حالات غزوۂ احد سنہ ۳ھ۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

شامل نہیں ۔ دوسری روایت میں حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کے اسماء مذکور ہیں اس روایت میں وہ رجحانات اور خیالات مذکور نہیں جو " اصحاب الصخرہ " کی روایت سے عیاں ہیں۔

قرائن و شواہد

معترض نے اصحاب الصخرہ والی روایت سے ۔ بہت انحراف اور مایوسی کے جن رجحانات و خیالات کا الزام حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ پر عائد کیا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ ان کے غلط ہونے پر درج ذیل قرائن و شواہد موجود ہیں۔

۱۔ امام مؤرخین لکھتے ہیں :

فلما عرف المسلمون رسول الله صلى الله عليه وسلم نهضوا به نحو الشعب معه علي بن أبي طالب و أبو بكر بن أبي قحافة و عمر بن الخطاب و طلحة بن عبيد الله و الزبير بن العوام و الحارث بن الصمة في رهط من المسلمين [1]

یعنی اضطراب کی کیفیت کے ختم ہونے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک گھاٹی کی طرف تشریف لے گئے تو آپ کے ہمراہ حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مسلمانوں کی ایک جماعت تھی۔

یہ چیز اس بات کا قرینہ ہے کہ ان حضرات کے دل و ایمان میں کوئی تذبذب یا مایوسی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنجناب کے اصحاب جنگ کے بعد ایک مقام پر تشریف فرما تھے کہ ابوسفیان نے تفاخر و تعلی کے انداز میں منادی کی " لنا العزى ولا عزى لكم " تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا - قل الله مولانا ولا

[1] تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۹۹ - تحت واقعات غزوہ احد سنہ ۳ھ

صوتی لتظہرن ؎

یہ واقعہ واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عمرؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور آنجنابؐ کو آپ کے ایمان و اخلاص پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اسی لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی مشرکانہ بڑ کے جواب کے لئے آپؓ کو منتخب فرمایا۔

۳۔ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے متعلق اسی موقعہ کی ایک روایت طبری نے نقل کی ہے کہ۔

ایک مرتبہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چٹان پر چڑھنے کی ضرورت ہوئی اور آپ نے تکلیف محسوس فرمائی تو حضرت طلحہؓ آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سہارے سے چٹان پر چڑھے۔

..... فلما ذهب لينهض لم يستطع فجلس تحته طلحة بن عبيد الله فنهض حتى استوى عليها ؎

روایت مذکورہ بالا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور ان حضرات کے ایمان و اسلام میں کوئی تذبذب وغیرہ نہیں آیا۔

مندرجات بالا سے واضح ہے کہ معترض نے حقیقت واقعہ سے قطع نظر کرکے اعتراض قائم کرنے میں تلبیس سے کام لیا ہے۔ اور اپنی کج فطرتی کے موافق غلط استخراج کیا ہے۔

واقعہ بنی نضیر

ربیع الاول سنہ ۴ھ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نضیر سے دو افراد کے قتل کی دیت (معاوضہ قتل) کے معاملہ میں گفتگو کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ بنو نضیر مدینہ طیبہ سے قریباً دو میل باہر مقیم تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر

؎ تاریخ طبری ، ج ۳ ، ص ۲۱ تحت حالات غزوہ احد سنہ ۳ھ

؎ تاریخ طبری ، ج ۳ ، ص ۲۱ ، تحت حالات غزوہ احد سنہ ۳ھ

صدیق رض ، حضرت عمر فاروق رض ، حضرت علی المرتضیٰ رض اور دیگر متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت تھی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی مصاحبت میں وہاں ایک یہودی کے مکان کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اکابر بنو نضیر بظاہر خوش اسلوبی سے پیش آئے۔ ادائیگی دیت کے معاملہ میں اعانت کا وعدہ کیا لیکن درپردہ انہوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگ گراں گرا کر آپ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مذموم ارادہ سے مطلع فرما دیا۔ اور آپ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور مدینہ شریف واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں صحابہ کرام بھی واپس آ گئے۔ لہ

یہود بنی نضیر کی اس مخالفت، فریب کاری اور دیگر بد عہدی کی بنا پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر محاصرہ کا اقدام فرمایا۔ اس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو علم عنایت فرمایا۔ جناب علی المرتضیٰ رض اس سلسلہ میں آپ کی طرف سے علم بردار تھے۔ لہ

اس دوران آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف میں نماز کے انتظام پر حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رض کو مقرر فرمایا۔ بالآخر بنو نضیر یہاں محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے املاک و جائیدادیں چھوڑ کر بیشتر تو خیبر جا پہنچے اور کچھ دوسرے مقامات کی طرف رخصت ہو گئے۔

غزوہ خندق اور احزاب

اسلام کے غزوات میں غزوہ خندق ایک مشہور غزوہ ہے جو شوال سنہ ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ کفار اپنی پوری تیاری کے ساتھ مدینہ

لہ (۱) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۹۰ تحت اجلاء بنی نضیر۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۳۱ تحت سورۃ الحشر، پ ۲۸۔

(۳) البدایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۷۵ تحت غزوہ بنو نضیر۔

لہ (۱) طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۱ تحت غزوہ بنی نضیر۔

(۲) تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۴۶۰ تحت غزوہ بنی نضیر۔

شریف پر حملہ آور ہونے کے لئے متعدد قبائل عرب کو ساتھ لے کر پہنچے تھے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرف سے مدینہ کے باہر ان کے حملے کے جواب کے لئے حفاظتی تدبیر کے طور پر خندق کھودی گئی تھی۔ اس واقعہ کی سیرت و تاریخ کی کتابوں میں بہت کچھ تفصیلات ہیں اور قرآن مجید میں سورۃ احزاب کی متعدد آیات میں اس کا بیان ہے۔ لیکن یہاں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

کفار کے قبیلہ بنی عامر میں ایک شخص عمرو بن عبدود مشہور شجاع تھا۔ یہ شخص جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس ہوا تھا۔ اور جنگ احد میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اس بار غزوۂ خندق میں اپنے گروہ کے ساتھ پھر شامل ہوا۔ بہادری کے غرور میں اہل اسلام کو اس نے مبارزت کی دعوت دی تھی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں نکلے۔ دونوں کا باہم سخت مقابلہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔[1]

غزوہ ہذا میں اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال ہوئی اور کفار کی جماعتیں سخت ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوئیں اور مسلمانوں کو اللہ کریم نے کامیاب و کامران فرمایا۔

غزوہ بنی قریظہ

یہ واقعہ ذوالقعدہ ۵ ھ کا ہے۔ اہل اسلام کے ساتھ یہود بنی قریظہ کا معاہدہ تھا کہ بنو قریظہ مسلمانوں کے خلاف کفار قریش کی مدد اور معاونت نہیں کریں گے اور ان کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔

لیکن غزوۂ احزاب کے موقعہ پر بنو قریظہ نے بدعہدی کر کے کفار قریش کی معاونت کی اور دیگر قبائل عرب کو بھی مسلمانوں کے خلاف تحریص دلائی اور قتال پر آمادہ کیا۔

۱۔ سیرت ابن ہشام ج [illegible] ص [illegible] ۔ تحت قتل علی عمرو بن عبدود۔

۲۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج [illegible] ص ۱۰۵ ۔ تحت فصل ... [illegible]

۳۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص [illegible] ۔ تحت مبارزۃ علی عمرو بن عبدود۔

واقعہ احزاب کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ شریف تشریف لائے تو اسی وقت حکم خداوندی نازل ہوا کہ بنو قریظہ کی مخاصمت اور بدعہدی کی بنا پر اقدام کر کے ان کا محاصرہ کیا جائے۔ تو سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ بنی قریظہ پر چڑھائی کر کے ان کو قلعہ بند کر دیا جائے اور ان پر قبضہ کیا جائے۔ اور انتظامی امور میں یہ صورت اختیار کی کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ شریف پر نگران بنایا۔ اور ایک ابتدائی دستہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں بنو قریظہ کی طرف روانہ کیا اور علم بھی آپ کے سپرد کیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمعہ دیگر صحابہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے اور ان کے قلعوں کی دیواروں کے پاس جا کر علم نصب کر دیا۔ اس وقت یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے ازواج مطہرات کے حق میں سب و شتم کرنے لگے۔[1]

* وسمع علی رضی اللہ عنہ منهم قولا سیئا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وازواجہ رضی اللہ عنہن۔

اور بعد میں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ دیگر صحابہ تشریف لائے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبقت کر کے ان یہودیوں کے سب و شتم کا حال جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " ہمارے پہنچ جانے کے بعد اب سب و شتم نہیں کریں گے۔

اب یہ لوگ اپنی حفاظتی تدبیر کے تحت اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں نے تقریباً بیست روز قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور کم و بیش پچیس روز محاصرہ جاری رہا۔ پھر ان کا انجام ان کے قول پر اختتام پذیر ہوا ان کے جنگی مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو اسیر بنا لیا گیا۔ اور ان کے اموال و امتعہ مال غنیمت قرار پائے۔[2]

---

[1] (1) البدایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۹ فصل غزوۃ قریظہ۔

(2) سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۴۵ تحت بنی قریظہ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صلح حدیبیہ (سنہ ۶ ھ) ذوالقعدہ — واقعہ مذکورہ کی تفصیلات کا حامل ہے جو حدیث اور سیرت کی کتب میں مذکور ہے۔ یہاں مضمون میں ربط کے پیش نظر چند اشیاء ذکر کی جاتی ہیں۔

اس موقعہ پر جب کفار کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح ہوئی تو صلح نامہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے تحریر کیا تھا جب کتابت کرنے لگے تو اس طرح تحریر کیا کہ

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور قریش کے درمیان یہ صلح نامہ ہے .... الخ"

کفار نے کہا کہ لفظ " الرحمٰن الرحیم " اور لفظ " رسول اللہ " نہ لکھئے۔ اگر یہ منصب ہم تسلیم کر لیں تو اختلاف ہی کیا ہے۔ " محمد بن عبداللہ " لکھئے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کو ارشاد فرمایا کہ لفظ " رسول اللہ " کاٹ دیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضہ نے عرض کیا میں تو اس لفظ کو کاٹنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفع نزاع کے لئے خود اپنے دست مبارک سے اسے محو فرمایا [1]

صلح نامہ ہذا میں متعدد شرائط تھیں۔ ان کی تفصیلات مفصل کتابوں میں پائی جاتی ہیں، مختصراً یہ ہے کہ یہ معاہدہ مضمون ذیل پر مشتمل تھا۔

۱۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان قتال دس سال تک موقوف ہے۔

۲۔ اس مدت کے درمیان ایک فریق دوسرے فریق پر تیغ زنی نہیں کرے گا اور نہ ہی خیانت

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ، ج ۱۴ ، ص ۴۳۴ ، کتاب المغازی ۔ طبع کراچی۔

(۲) مسلم شریف ، ج ۲ ، ص ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، تحت باب صلح حدیبیہ ۔ طبع دہلی۔

(۳) بخاری شریف ، ج ۱ ، ص ۳۷۱ ، ۳۷۲ ، کتاب الصلح باب کیف یکتب ہذا ما صالح فلان بن فلان۔

(۴) مشکوٰۃ شریف ، ص ۳۵۵ ، باب الصلح ، الفصل الثالث ، متفق علیہ۔

مسلمانوں اور کفار کے مابین معاہدہ کی یہ شق اہم دستاویز تھی اس پر مسلمانوں کی طرف سے دستخط کرنے والے اکابر اسلام میں بڑے بڑے جلیل القدر اور انتہائی معتمد افراد ہی ہو سکتے تھے۔ ورنہ ان کے بیان و یقین میں ہشاشت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی تھی۔ اور کفار کی نظروں میں بھی یہ حضرات اعلیٰ حیثیت کے مالک اور بوجہ اعتماد میں مرتبہ علیا پر فائز تھے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس موقعہ پر بعض معاندین معاہدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ ان کو ایمان بالقدر و تصدیق بالرسالت میں شک ہو گیا تھا اور اس چیز کا خود انہوں نے اقرار کیا۔ "واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ" (بخاری) یہ ضعیف ایمان کی علامت ہے۔

شبہ ہٰذا کے ازالہ کے لئے امور ذیل میں غور فرمائیں۔

۱: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے الفاظ مذکورہ صحاح کی روایات میں مذکور نہیں بلکہ صحاح سے کم درجہ کی کتابوں میں کہیں کہیں ملتے ہیں۔

۲: اس مسئلہ کی تمام روایات کی تحقیق کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں تصرف راوی سے روایت محفوظ نہیں رہی۔ اس میں تعبیر راوی اور ظن راوی کا بہت دخل ہے۔ روایت میں یہ الفاظ "قال" کے بعد مذکور ہیں۔ یعنی "قال" کا مقولہ ہیں اور قال کا فاعل ابن شہاب زہری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ الفاظ راوی کا اپنا ادراج ہے۔ اور روایت مدرج ہے اور راوی کا اپنا گمان ہے۔

۳: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس نوع کے الفاظ بالفرض اگر صادر بھی ہوئے ہوں تو وہ اس ظاہرانہ صلح نامہ کی قیود و شرائط اہل اسلام کے لئے سود مند ہونے یا نہ ہونے کے متعلق وقتی طور پر ایک اضطرابی کیفیت میں صادر ہوئے۔ ان الفاظ کو شک و ایمانی پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ اس معاہدہ کے مصالح و منافع علم خداوندی میں مستور تھے۔ جو کہ عنقریب اپنے موقعہ پر ظاہر ہونے والے تھے۔ اور ظاہری حالات پر نظر کرنے سے قیود و شرائط سے جو کہ تسلیم

کریعنی مسلمانوں پر شانی تھا۔ اور حضرت عمر رضہ پر دینی حمیت کی بناء پر یہ اضطراب و قلق طاری تھا جو کہ کمال ایمان کی نشانی تھی نہ کہ زوال ایمان کی علامت۔

مختصر یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں اس معاہدہ صلح کی افادیت میں شک و شبہ پڑا تھا ایمان بالنبوت و بالرسالت میں ہرگز اشتباہ نہ تھا۔

۴ : جب اس موقعہ پر حضرت صدیق اکبر رضہ سے حضرت عمر فاروق رضہ کی گفتگو ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضہ نے فرمایا کہ " و اشهد انه رسول الله ...... الخ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، اللہ کے رسول ہیں۔

نیز معاہدہ مذکورہ پر جس طرح اکابر صحابہ کرام رضہ سے بطور شاہد دستخط کرائے گئے تھے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضہ سے بھی بطور گواہ دستخط حاصل کئے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ فاروقی ایمان پر خود صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر اہل اسلام کو پورا پورا اعتماد و یقین تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان و اسلام پر شبہ کرنا واقعات کے خلاف ہے اور ان کے ساتھ قلبی عناد کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

خیبر کے متعلقات

خیبر کا محل وقوع خیبر مدینہ طیبہ سے ملک شام کی جانب آٹھ برید کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور کم و بیش تین شب و روز کا سفر ہے۔ مدینہ سے تقریباً بالفاظ دیگر اسی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مسافت اسی دور کے اکابر مصنفین نے لکھی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ :

هی مدینة کبیرة ذات حصون و مزارع علی ثمانیة برد من المدینة الی الشام [1]

یعنی خیبر ایک بڑا علاقہ ہے جس میں بہت سے قلعے ہیں اور بہت سی مزروعہ زمینیں ہیں

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ، ج ۷ ، ص ۳۰۳ تحت غزوۂ خیبر۔

اور بعض روایات میں یہ شہر مدینہ شریف سے آٹھ برید دور شام کی طرف واقع ہے

نوٹ :- ایک برید تقریباً بارہ میل مسافت کا شمار ہوتا تھا۔

تاریخ واقعہ خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں کچھ قلیل مدت رہے اور اس کے بعد اواخر محرم الحرام سنہ ۷ھ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے خیبر تشریف لے گئے۔ ماہ صفر المظفر پورا خیبر میں صرف ہوا۔ پھر قریب ابتداء ربیع الاول سنہ ۷ھ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔[1]

نیابت مدینہ

جس موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم گئے بعد مدینہ منورہ میں نیابت کے فرائض ایک صحابی سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرانجام دیئے اور بعض روایات کے اعتبار سے نمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ شریف میں نائب تھے۔[2]

خیبر کی طرف پیش قدمی

یہود ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے اور کفار قریش اور منافقین کی حمایت میں ان کی معاندانہ سازشیں ہمیشہ جاری رہتی تھیں یہ لوگ اہل اسلام کے خلاف ہر قسم کی عداوت میں پیش پیش رہتے تھے۔ خیبر میں ان کے بہت سے مضبوط مراکز موجود تھے جن میں یہ اپنے قبائل کے ساتھ آباد تھے بعض یہود کو سنہ ۴ھ میں مدینہ طیبہ کے جوار سے جلا وطن کر کے نکال دیا گیا تھا وہ اور بعض دوسرے یہودی بھی خیبر میں آباد ہو گئے تھے یہ سب کے سب یہاں قلعہ جات کی پناہ میں تھے۔ گویا اہل اسلام کے حق میں یہ قلعے فسادات کا سرچشمہ تھے۔ یہ خیبر یہود کا ایک مرکزی جنگی علاقہ تھا جس کی بنیاد پر کئی سے مخالف ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ان قوی مرکزی حیثیت اور بنیادی استحکام کو یہاں سے ختم کرنا ضروری

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج اول ص ۴۴۔ تحت ربیع الاول سنہ ۷ھ۔

[2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۱ تحت غزوہ خیبر: فتح قلعہ۔

تھا۔ اس بنا پر سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایک لشکر جو کہ پیدل و سوار چودہ سو افراد پر مشتمل تھا، کو ساتھ لے کر خیبر کی جانب اقدام فرمایا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ نے انہی صحابہ کرام کو ساتھ لیا جو صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی مالی جانی قربانیاں پیش کی تھیں۔

اس مہم میں اسلامی افواج کی انتظامی کیفیت اس طرح ذکر کی گئی ہے کہ مقدمۃ الجیش پر عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ مامور تھے اور لشکر کے میمنہ یعنی حصہ داہنے پر حضرت عمر بن الخطاب متعین تھے اور لشکر کے میسرہ یعنی حصہ بائیں پر ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ مامور تھے۔

پرچم دیئے گئے

افواجِ اسلامی کی ابتدائی کیفیات میں اس طرح مذکور ہے کہ لشکر کے مختلف حصے جو بنائے ہوئے تھے، ہر ایک ایک طبقہ کے لئے علم اور جھنڈے دیئے گئے تھے۔ فوج کے ایک حصہ کے لئے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس علم تھا۔ لشکر کے ایک حصے کا جھنڈا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ لشکر کے کچھ حصے پر حضرت الحباب بن المنذر رضی اللہ عنہ پرچم اٹھائے ہوئے تھے تو افواج کے ایک حصے کا علم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

فانه صلى الله عليه وسلم فرق الرايات يومئذ بين ابي بكر وعمر والحباب بن المنذر وسعد بن عبادة رضي الله عنهم۔[1]

اور طبقات ابن سعد میں اس طرح بھی وارد ہے کہ بریدہ اسلمی کہتے ہیں کہ جب خیبر میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو علم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا تھا۔

ان عبد الله بن بريدة عن ابيه بريدة الاسلمي قال لما كان حيث نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم بحضرة اهل خيبر اعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم اللواء عمر بن الخطاب ۔۔۔[2]

---

[1] سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۴۴، بحث غزوات۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یاد رہے کہ آپ محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور اسلام کے بہترین مجاہد تھے۔ دین کی خاطر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

حصن ابی

یہ قلعہ "الشق" کے ذیل میں شمار کیا گیا ہے اس پر اہل اسلام کا یہودیوں کے ساتھ شدید مقابلہ ہوا۔ اور یہودیوں کے کئی بہادر یکے بعد دیگرے "ھل من مبارز" ہے کوئی میرے مقابلے میں آنے والا؟ للکارتے ہوئے نکلے۔ ایک یہودی کے مقابلہ میں حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نکلے اور اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور جب یہودی بھاگنے لگا تو ایک شدید وار کر کے اسے ختم کر دیا۔ پھر دوسرا جنگجو یہودی مسلمانوں کو للکارتے ہوئے نکلا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے اور پھر اسے ختم کر ڈالا۔ قتال شدید کے بعد مسلمانوں نے نعرہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے یکجا حملہ کر دیا اور قلعہ کو فتح کر ڈالا۔ اس قلعہ میں بہت سا اثاثہ از قسم سامان خوراک اور مال مویشی وغیرہ مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔ [1]

حصن النطاۃ

قلعہ نطاۃ کے ذیل میں متعدد حصون تھے۔ ان کے متعلقات میں سے بعض چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

صاحب سیرت حلبیہ نے لکھا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "النطاۃ" کے قلعوں پر سات دن تک قتال کرتے رہے اور ہر یوم محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتال کے لئے ارسال فرماتے تھے۔ اور اس موقع پر مسلمانوں کے مرکزی اور فوجی مستقر پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محافظ مقرر فرمایا گیا تھا۔ انہوں نے اس فریضہ کو نہایت عمدگی کے ساتھ سرانجام دیا۔ یہ مقام جس کو مرکز بنایا گیا تھا یہ اہل خیبر اور بنی غطفان کے وسط میں واقع تھا اسی کو رجیع کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ جب شب کو افواج اسلام کی واپسی ہوتی تو جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت

---

[1] السیرۃ الحلبیہ، جلد ثالث، ص ۱۹۸ - تحت عنوان فتح حصونہا۔
سیرت حلبیہ، جلد ثالث، ص ۴۷ - تحت تفصیل حصون خیبر۔

تین سب حضرات اسی مرکزی مقام پر جمع ہوتے ۔ زخمی اور مجروح مجاہدین کو یہیں لایا جاتا اور علاج معالجہ کی تدبیر کی جاتی ۔ کیونکہ یہ مرکزی مقام فوجی مستقر کی حیثیت میں تھا ۔ شب کو اس کی نگرانی و حراست کا خاص انتظام کیا جاتا تھا ۔ اور حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت مرکزی مقام پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باری باری نگرانی کرتے تھے ۔ ان مختلف ایام کی کسی شب میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس آدمیوں کے ساتھ حفاظت و نگرانی کے لئے متعین فرمایا ۔ حضرت عمر رضی اپنے ساتھیوں سمیت رات کو جنگی مقامات کی طرف چکر لگا رہے تھے کہ نصف شب کے قریب یہود خیبر میں سے ایک شخص کو مشتبہ حالت میں پایا ۔ حضرت عمر رضی نے اسے گرفتار کر کے گردن اڑانے کا قصد کیا تو اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے اپنے پیغمبر کے پاس لے جائیے میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں ۔ اس پر حضرت عمر رضی نے قتل کرنے سے توقف کیا اور اسے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لے گئے ۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے ۔ جب عمر بن الخطاب کی آواز سنی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم فرمائی ۔ حضرت عمر رضی نے حاضری کے لئے عرض کیا ۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ حضرت عمر رضی اس یہودی کو لے کر حاضر خدمت ہوئے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے حالات دریافت فرمائے ۔ تو وہ عرض کرنے لگا کہ اے ابوالقاسم ! مجھے امان دیجئے ۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان دی ۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے متعلق احوال بیان کئے اور بعض خفیہ معلومات اور مقامات کی نشاندہی کی ۔ اور بتایا کہ فلاں فلاں مقام پر یہ دور مقامات میں سلاح کے ذخائر ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ آخر کلام میں اس نے پھر اپنے اور اپنی زوجہ کے لئے جان کی امان طلب کی ۔ اور یہ امان اس کو دے دی گئی ۔ بعد میں اسے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھے اس کی مہلت عنایت فرمائیں ۔ ۔ ۔ الخ

بہرکیف اس کے ذریعہ کئی اہم خفیہ معلومات میسر آئیں جو مسلمانوں کے لئے اس موقعہ پر

انہیں مفید ثابت ہوئیں ۔[1]

یہاں سے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے کارنامے اور جنگی خدمات معلوم ہوتی ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مرکزی حفاظتی مساعی بھی نمایاں ہوتی ہیں ۔ اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شبانہ حفاظت و حراست کی کارگزاری سامنے آتی اور جاسوس سے دشمن کے اہم رازوں کا افشاء ہوا ۔

حصن الصعب

قلعہ النطاۃ کے ذیلی قلعوں میں سے یہ قلعہ الصعب (بن معاذ) کے نام سے مشہور تھا اس قلعہ پر چند یوم محاصرہ قائم رکھا گیا ۔ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعہ کی فتح کے لئے خصوصی دعا فرمائی تھی جبکہ الحباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم عنایت فرمایا اور جنگ کے لئے روانہ کیا ۔ الحباب رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے کمال سعی فرمائی اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں " قلعہ الصعب " فتح فرمایا اس قلعہ سے بہت سا سامان خورد و نوش حاصل ہوا ۔ تمر ، روغن زرد ، زیتون ، چربی ، شہد وغیرہ کے کافی ذخائر حاصل ہوئے ۔ اس قلعہ کے حصول میں قتال کے موقع پر یوشع کافر کو حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اور الدیال کافر کو عمارہ بن عقبہ رضی اللہ عنہ صحابی نے قتل کیا ۔[2]

حصن القموص

قلعہ قموص خیبر میں الکتیبہ کے ذیلی قلعوں میں سے ایک مضبوط قلعہ تھا ۔ الکتیبہ کے تین ذیلی قلعے تھے ۔ القموص ، وطیح ، والسلالم ۔ قلعہ قموص پر قتال شدید پیش آیا ۔ اور یہود نے مسلمانوں کے ساتھ سخت مقابلہ کیا اور کئی ایام صرف ہو گئے ۔ بعض کے نزدیک چودہ روز اور بعض کے نزدیک بیس روز اہل اسلام نے اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا

---

[1] سیرت حلبیہ ، جلد ثالث ، ص ۴۰ ، ۴۱ ۔ تحت حالات حصون خیبر ۔

[2] سیرت حلبیہ ، ج ثالث ، ص ۴۱ ، ۴۲ ۔ تحت احوال قلعہ ہذا ۔

[3] سیرت حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۴۳ ۔ تحت حصن کتیبہ ۔

رکھا تھا۔ پھر آخر میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح فرمائیں گے۔

لأعطين هذه الراية غدا رجلا يفتح الله على يديه يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله [1]

پھر دوسرے روز صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت اس بات کی منتظر تھی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اس انعام کی سعادت کس شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ تو دوسرے روز ارشاد فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آشوب چشم کے عارضہ کی وجہ سے ان ایام میں قتال میں شریک نہیں ہو رہے تھے لیکن خیبر میں دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ پہنچے ہوئے تھے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابن ابی طالب کو آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے مقام میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کو لائیں۔ تو سلمہ بن اکوع گئے اور حضرت علی کو ساتھ لا کر حاضر خدمت کیا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چشم پر لعاب دہن لگا کر دعا فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس طرح شفا بخشی کہ گویا کوئی عارضہ پہلے لاحق ہی نہ تھا۔ [2]

---

[1] (1) بخاری شریف، ج ثانی، ص 605 - باب غزوہ خیبر۔

(2) مسلم شریف، جلد ثانی، ص 278 طبع نور محمدی دہلی، باب فضائل علی بن ابی طالب رضہ۔

[2] (1) بخاری شریف، ج ثانی، ص 605، 606 تحت باب غزوہ خیبر۔ طبع نور محمد دہلی۔

(2) تاریخ الخمیس، ص 48، جلد 2۔ تحت قصہ قموص۔

(3) سیرت حلبیہ، ص 41، جلد ثالث، تحت حالات خیبر۔

اس کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا فرما کر قتال کے لیے روانہ فرمایا۔ ساتھ ہی دعائیہ کلمات اور نصائح ارشاد فرمائے۔ روایات میں یہ تفصیلات اسی کے ساتھ منقول ہیں۔

ان حالات میں مسلمانوں نے یہود کے ساتھ سخت مقابلہ کیا اور بہت سے علاقوں اور قلعوں کو فتح کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضرت علی کی امارت میں شاندار فتح نصیب فرمائی جو فتوحات خیبر کے اعتبار سے آخری فتح تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اعلیٰ اعزاز کی حامل تھی۔ یہودیوں کا سردار مرحب جو ایک مشہور بہادر جنگجو پہلوان تھا اس کے ساتھ اسی موقع پر سخت مقابلہ ہوا تھا اور اسے مسلمانوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ بعض کے نزدیک مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ انصاری ہیں [1] اور بعض کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ [2] اور مرحب کے برادر یاسر کو جو مشہور شجاع تھا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واصل جہنم کر دیا۔ [3]

قلعہ قموص کی شدید جنگ حصون خیبر کے فتح کے لیے اختتامی جنگ ثابت ہوئی۔ اس کے بعد یہود خیبر کا غرور ختم ہوا اور ان کو اپنے مرکزی استحکام کا شکست خوردہ ہونا۔ جب انہیں اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا تو باقی ماندہ مقامات مثلاً وطیح اور سلالم وغیرہ کے اہل نے صلح پیش کر دی۔

---

[1] (۱) تاریخ خلیفہ بن خیاط، ج اول، ص ۵۴، تحت غزوہ خیبر ۷ھ۔

(۲) مسند ابی یعلی الموصلی، ص ۴۰۳، جلد ثالث، تحت مسندات جابر، طبع دمشق۔

[2] سیرت حلبیہ، جلد سوم، ص ۴۵، تحت غزوہ خیبر۔

[3] (۱) سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۴۵، تحت غزوہ خیبر۔

(۲) تاریخ خلیفہ بن خیاط، ج اول، ص ۵۵، تحت غزوہ خیبر ۷ھ۔

(۳) ابن ہشام، ج دوم، ص ۱۸۳، تحت غزوہ خیبر۔

یہ مقامات مصالحت کے ذریعہ بغیر جنگ و قتال کے مفتوح ہوئے۔

تنبیہ ــــ تاریخی کتابوں میں اس موقع کی بعض روایات میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ قلعہ خیبر کے حصن قموص کا ایک دروازہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑ کر بطور ڈھال استعمال کیا تھا اور وہ اس قدر وزنی تھا کہ اسے بقول بعض چالیس آدمی اور بقول بعض ستر آدمی بھی اٹھانے سے عاجز تھے۔ اس نوع کی متعدد تاریخی روایات کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان روایات کے متعلق علماء نے جرح کی ہے اور ان کو معیار صحت کے اعتبار سے بے اصل قرار دیا ہے۔ جن صاحب کو ان روایات کی تنقیح مطلوب ہو درج ذیل مقامات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

۱ — البدایہ، ج رابع، ص ۱۸۹، ۱۹۰، تحت غزوۂ خیبر، بحث ہذا۔

۲ — سیرت حلبیہ، ج ثالث، ص ۴۳، ۴۴، تحت بحث ہذا۔

۳ — تاریخ الخمیس، ج ثانی، ص ۵۱ میں بعبارت ذیل منقول ہے۔

قال السخاوی قال شیخنا وطرقها کلها واهیة ولذا انکر بعض العلماء صحتها فی مواهب اللدنیه

یعنی اس نوع کی روایات سب بے اصل ہیں۔ اس بنا پر بعض علماء نے ان کی صحت کا انکار کر دیا۔

۴ — علامہ سخاوی رح وغیرہ ناقد محدثین نے بھی اس پر تنقید ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقاصد الحسنہ ص ۲۹۰ (علامہ سخاوی رح) تحت حدیث نمبر ۴۱۳ (حمل علی باب خیبر) طبع مصر۔

ـــه : الاصابہ لابن حجر، ص ۵۰۲، جلد ثالث مع الاستیعاب تذکرہ علی بن ابی طالب رض۔

فائدہ — معلوم رہے کہ قلعہ خیبر کے قموص کے پاس ایک چشمہ زبیر بھی تھی۔

هی طائفة عظیمة من ارض خیبر نزلوا من حصنهم منه (صلی اللہ علیہ وسلم) فحصروه ۔ لـه

له : البدایہ لابن کثیر، ج رابع، ص ۲۰۳، تحت حالات خیبر۔

یعنی فدک، ارض خیبر ہی سے ایک بڑا قطعہ اراضی تھا۔ یہی فدک آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے ترک قتال کر کے صلح پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی تھی۔[1] اسی طرح یہ علاقہ فدک بھی بغیر جنگ کے مسلمانوں کے زیر نگیں ہوا۔ پھر فدک کی آمدن اور اس کی تقسیم کے مسائل کے متعلق بحثیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان کو ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں ہے بقدر ضرورت ان کی تفصیل اپنی کتاب " رحماء بینھم " حصہ صدیقی تحت عنوان " آل نبیؐ کے مالی حقوق کا تحفظ " میں۔ اور اپنی کتاب " بنات اربعہ " بحث ثالث مالی حقوق کا مطالبہ میں ہم بیان کر چکے ہیں وہاں رجوع فرمائیں۔

خیبر میں اعلانات

واقعہ خیبر میں متعدد دفعہ وقتی اعلانات کی ضرورت پیش آتی رہی کئی دفعہ اعلانات کرنے کے مختلف مواقع پیش آئے ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(1) اسی دوران ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے اپنی خوراک کے لیے حمار (یعنی گدھے) ذبح کئے اور انہیں پکانے لگے۔ اس وقت تک حمار کو ذبح کرنا ممنوع نہ ہوا تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس چیز کی اطلاع پہنچی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ انصاری کو ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں میں اعلان کر دو کہ اللہ اور اس کے رسول نے تم لوگوں کو حمر اہلیہ کا گوشت کھانے سے منع کر دیا ہے۔ جن لوگوں نے اس کی ہانڈیاں چڑھا رکھی تھیں انہوں نے اس اعلان کے بعد وہ سب کی سب الٹ دیں اور اعلان کے مطابق فوراً عمل درآمد کیا گیا۔[2]

بعض روایات کے مطابق یہ اعلان حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کرایا گیا تھا۔[3]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، ج اول، ص ۵۵، تحت سنہ ۷ھ

[2] المصنف لابن ابی شیبہ، ص ۲۹۷، جلد ۱۴، روایت نمبر ۱۸۷۰۴۔ طبع کراچی۔ کتاب المغازی۔

[3] سیرۃ حلبیہ، ص ۴۵، جلد سوم، تحت غزوہ خیبر۔

۲ ۔ روایات کی کتابوں میں مذکور ہے کہ خیبر کے مختلف مواقع میں بعض لوگوں سے کچھ خطائیں سرزد ہوئیں جو ان کے کردار سے متعلق تھیں ۔ اسی طرح مواقع میں بعض افراد کی غلطی جماعت پر اثر انداز ہوگئی ہے۔ اس بنا پر ان کے لئے تنبیہ کی ضرورت پیش آئی اور انہیں تنبیہ فرمائی گئی اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ لگایا کہ لوگوں میں جا کر اعلان کریں کہ جنت میں صرف وہی شخص جائے گا جو مومن کامل ہوگا ۔ چنانچہ اس کے موافق عمل درآمد کیا گیا ۔

ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابن الخطاب :
اذهب فناد في الناس انه لا يدخل الجنة الا المؤمنون ۔ [1]

اموالِ خیبر کی تقسیم

یہاں اموالِ خیبر کی تقسیم کا اجمالاً ذکر مناسب ہے ۔ یہ شیعہ و اہل سنت دونوں کی کتابوں میں مذکور ہے ۔ ذیل میں شیعوں کی روایت نقل کی جاتی ہے ۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم لما افتتح خيبر و قسمها على ثمانية عشر سهما . كانت الرجال الفا واربعمائة رجل والخيل مائتي فرس واربعمائة سهم للخيل . فكل سهم من الثمانية عشر سهما مائة سهم رأس فكان عمر بن الخطاب رأسا وعلي رأسا وطلحة رأسا والزبير رأسا وعاصم بن عدي رأسا . وكان سهم النبي صلى الله عليه وسلم مع عاصم بن عدي ۔ [2]

یعنی شیعہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو اس کے اموال کو اٹھارہ حصوں پر تقسیم کیا ۔ چودہ سو افراد تھے ۔ اور دو سو گھوڑے تھے ۔ چار سو حصے اسپ سواروں کیلئے تجویز

---

[1] المصنف ابن ابی شیبہ ، ص ۴۶۶ ، ج ۱۴ ، نمبر ۱۸۷۱۳ ، کتاب المغازی ، طبع کراچی ۔

[2] [illegible] للشیخ محمد بن الحسن الطوسی ، ج اول ، ص [illegible] ، تحت [illegible] ، طبع النجف الاشرف ۔

گئے اور باقی چودہ حصوں کو جو چودہ سو افراد پر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر سو افراد کو ایک رأس یا حصہ قرار دیا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک رأس (حصہ) تھے۔ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک رأس تھے۔ اسی طرح طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک ایک رأس مقرر فرمایا۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ایک رأس تجویز ہوئے جن میں اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں شامل تھا۔

اس طریقہ کے مطابق اہل السنۃ علماء نے تقسیم اموال خیبر کا متعدد تصانیف میں مقام پر ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں البدایہ لابن کثیر ص ۲۰۲ ج ۴ تحت فصل فی فتح حصونہا و قسمۃ ارضہا۔ اور دیگر کتب کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اموال خیبر سے تمام شرکاء حضرات نے حصہ رسدی حاصل کیا۔ جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اموال خیبر سے حصہ ملا بالکل اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنی اپنی تعداد و مساعی کی بنا پر حصے نصیب ہوئے۔ یہ عمل اس چیز کی واضح شہادت ہے کہ یہ حضرات جنگ خیبر میں کمال اخلاص کے ساتھ شریک و شامل تھے اور اپنی مساعی جمیلہ کی بنا پر غنائم خیبر کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اور واقعہ خیبر میں ان حضرات کے یہ اہم کارنامے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں مقبول و منظور ہوئے۔

فتح خیبر دراصل حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو ان تمام شامل ہونے والے بزرگوں کی مجموعی محنتوں کا ثمرہ ہے۔

خیبر کا ایک سرسری جائزہ

واقعہ خیبر کے آخر میں ایک مختصر سی بات اور ملاحظہ کیجئے۔

۱- جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ خیبر کے کم و بیش گیارہ بارہ قلعے تھے ان کی فتح میں اہل اسلام نے سنہ ۷ھ میں قریباً ڈیڑھ ماہ صرف کیا تھا۔ اور یہ فتح خیبر میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بار بار شدید قتال کرنا پڑا تھا۔ جس کا مختصر سا بیان سابقاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

۲- خیبر اعداء اسلام یہود کا جائے پناہ تھی اور یہاں ان کی ایک مستحکم طاقت تھی۔ اہل اسلام نے بالآخر بہت مختصر مدت میں اس کو فتح کیا۔ اس سے مخالفین کی قوت پاش پاش ہو گئی اور اسلام

کا اقتدار غالب آگیا ۔

۳ ۔ صحابہ کرام رضہ میں سے جن کی اس مقام میں نمایاں خدمات پائی گئیں ان میں سے صرف چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر الصدیق رضہ ، حضرت عمر رضہ ، حضرت عثمان رضہ ، حضرت علی رضہ ، الحباب بن المنذر رضہ ، عکاشہ بن محصن الاسدی رضہ ، جابر بن عبداللہ رضہ ، ابو دجانہ رضہ ، عبداللہ بن عمر رضہ ، عبداللہ بن مغفل رضہ ، عبداللہ بن ابی اوفی رضہ ، بلال بن رباح رضہ ، عمارہ بن عقبہ رضہ ، سلمہ بن الاکوع رضہ ، سعد بن عبادہ رضہ ، محمد بن مسلمہ رضہ ، ابو ایوب انصاری ، عاصم بن عدی رضہ ، الطفیل بن عبید رضہ ، زبیر بن العوام رضہ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ۔

۴ ۔ اس موقع پر متعدد مسلمان شہید ہوئے ۔ بعض حضرات کے نزدیک پندرہ اور بعض کے نزدیک سترہ مجاہدوں نے واقعہ خیبر میں جام شہادت نوش فرمایا ۔

۵ ۔ یہود خیبر کے مقتولین کی تعداد ترانوے ذکر کی جاتی ہے ۔

۶ ۔ خیبر کے موقع پر متعدد حضرات کو علم (رایات) عنایت فرمائے گئے ۔ حضرت شیخین رضہ کو ، الحباب بن منذر رضہ کو ، سعد بن عبادہ رضہ وغیرہم کو ۔ پھر آخر میں قلعہ قموص کی فتح کے موقعہ پر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی خصوصی طور پر علم عنایت فرمایا گیا ۔ جو فتح و کامرانی کا موجب بنا اور اسی پر اس معرکے کا اختتام ہوا ۔ واقعہ خیبر میں وقتاً فوقتاً انتظامات کی ضرورت پیش آئی تو حکم نبویؐ حضرت ابو رہم انصاری رضہ ، حضرت عمر بن الخطاب رضہ وغیرہما یہ خدمت بجا لاتے رہے ۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ واقعہ خیبر میں یہی کچھ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تلوار ہاتھ میں لی اور چند ساعتوں کے اندر اندر سب کفار ختم کر دیئے اور خیبر فتح کر ڈالا ۔ یہ نظریہ واقعات کے مطابق نہیں ہے ۔ فتح خیبر کوئی تر نوالہ نہیں تھا جسے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا گیا یا یہ کوئی ایسا مقام تھا جو چند گھڑیوں کا محتاج تھا کہ چند ساعتیں واقع ہوئیں اور تمام محاذ مفتوح ہو گیا ۔ بلکہ فتح خیبر تو ایک صعب ترین مہم تھی جس کو حل کرنے کے لئے صحابہ کرام رضہ نے بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے ، مال و دولت صرف کی ، قیمتی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہر ایک صحابی رضہ نے اپنی اپنی گرانقدر خدمات بڑی جانفشانی سے

ساتھ ڈالیں۔ سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کریمہ اور برکت دعائیں شامل حال ہوئیں تب
جا کر منصب حقیقی بنتا اور عطیہ فتح و نصرت عطا ہوئی۔

یہ مختصر سا خاکہ چند صفحات میں دے دیا گیا ہے تاکہ اس واقعہ کو سمجھنے کے لئے مدد ملے۔ مفصل بحث بار
کی طرف نظر نہ فرمائیں۔ امید ہے کہ مطالعہ اس صورت میں کچھ آسکے گا اور افراط و تفریط سے اجتناب کرنے
کے لئے معاون ثابت ہوگا۔

عمرۃ القضاء

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار اہل مکہ کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال آپ
عمرہ کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ چند شروط اور قیود لگائی گئی تھیں چنانچہ قریباً ایک
سال کے بعد یعنی ذوالقعدہ سنہ ۷ھ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کی معیت میں عمرۃ
القضاء کے لئے مکہ شریف تشریف لے گئے۔ جس کی تفصیلات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بہت
کچھ مذکور ہیں۔ ہم نے یہاں صرف وہ واقعہ ذکر کیا ہے جس کا تعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خاص
ہے۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ شریف میں قیام فرما چکے تو قریش
کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ وغیرہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے
کہ آپ کی مدت قیام ختم ہو گئی ہے اب مکہ شریف سے واپس تشریف لے جائیں تو نبی اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم اس شرط کے مطابق واپسی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پر سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ
کی دختر عمارہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب، آنجناب کے پیچھے پیچھے چل پڑی اور ندا دیتی تھی یا عم یا عم
الیوم یعنی چچا جان! مجھے ساتھ لے جائیے میں یہاں اقامت نہیں کر سکتی۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو ساتھ ہی تھیں ان سے کہا کہ یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہیں انہیں اپنے ساتھ
سوار کر لو۔ حضرت جعفر الطیار رض اور حضرت زید بن حارثہ رض دونوں موجود تھے۔ ان کے اور حضرت علی رض
کے درمیان تنازع پیدا ہوا۔ حضرت علی رض کہتے تھے یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں ان کی کفالت کا میں زیادہ
حقدار ہوں۔ اور حضرت جعفر الطیار رض کہتے تھے یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی خالہ میری زوجہ ہیں۔

اس لئے ان کی کفالت کا میں زیادہ حق دار ہوں ۔ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہیں میرے اور ان کے والد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم فرمائی تھی لہٰذا ان کی نگرانی کی ذمہ داری میرے سپرد کی جائے ۔

سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کا اس طرح فیصلہ فرمایا کہ "الخالۃ بمنزلۃ الام" یعنی خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے ۔ اس لڑکی کی خالہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر الطیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں اس لئے عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کی کفالت وغیرہ کا حق دار حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ہونا چاہئے ۔ اور آپ نے ان ہر سہ حضرات کے حق میں فضیلت اور عزت افزائی اور تسلی کے کلمات کہتے ہوئے فرمایا کہ

حضرت علی سے "انت منی و انا منک" ۔ یعنی نسب اور صہر اور محبت میں آپ مجھ سے قریب ہیں اور میں آپ سے قریب تر ہوں ۔

اور حضرت جعفر الطیار رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ

"اشبھت خلقی و خلقی" ۔ یعنی آپ میری ظاہری صورت اور سیرت میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں ۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "انت اخونا و مولانا" ۔ یعنی تم ایمان و اسلام میں میرے بھائی ہو اور ہمارے آزاد کردہ غلام ہو ۔ [1]

تنبیہ: اس مقام پر بعض کتابوں میں روافض اور دیگر قصہ گو لوگوں کی طرف سے ایک واقعہ "قتال الجن" کے نام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ مقام جحفہ کے قریب ایک کنواں تھا ۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتال جنوں سے ہوا ۔ یہ جاہل قصہ گو لوگوں کی وضع کی ہوئی داستان ہے جس کی کوئی اصل نہیں ۔ اس کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھایا جائے ۔

---

[1] (۱) بخاری شریف ۔ ص ۶۱۰ ۔ ج اول ۔ تحت باب عمرۃ القضاء ۔

(۲) البدایہ لابن کثیر ۔ ج رابع ۔ ص ۲۳۴ ۔ تحت ذکر خروجہ علیہ السلام من مکۃ بعد قضاء ۔

البدایہ لابن کثیرؒ میں ہے کہ

وما یذکرہ کثیر من القصاص فی مقاتلتہ الجن فی بئر ذات العلم وھو بئر قریب من الجحفۃ فلا اصل لہ وھو من وضع الجھلۃ من الاخباریین فلا یغتر بہ [1]

واقعہ ہٰذا درایت کی روشنی میں

واقعہ ہٰذا کے متعلق نقلی طور پر حافظ ابن کثیرؒ کی جرح و تنقید کافی ہے اور فکری طور پر یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ آنجناب ﷺ کے دور میں اہل اسلام کے جتنے مقابلے و مقاتلے اشاعت اسلام کے سلسلہ میں پیش آئے وہ کافر و مشرک انسانوں کے ساتھ واقع ہوئے۔ ان میں سے کوئی واقعہ بھی جنات سے مسلمانوں کے مقاتلے کا پیش نہیں آیا۔ اب خاص اس مقام پر جنات کی کون سی ایسی قوت و جمعیت رونما ہوئی جس سے اہل اسلام کو خطرہ لاحق ہوا اور اس کی سرکوبی کی ضرورت پیش آن پڑی؟

کسی صحیح روایت میں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی جماعت کو جنات کی قوت فرو کرنے کے لیے کوئی حکم دیا کرتے ہوں۔ لہٰذا یہاں جحفہ کے قریب عادت جاریہ کے خلاف کیسے یہ فرمان جاری کیا گیا؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

بنا بریں جنات کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ و مقاتلہ کا واقعہ روایتاً و درایتاً درست نہیں ہے۔

واقعہ حاطب بن ابی بلتعہ میں حضرت علیؓ کا کردار

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے اور ابھی سفر نہیں فرمایا تھا کہ ایک واقعہ پیش آیا۔ اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زبانی اس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ج [illegible] ص [illegible] تحت ذکر خلافت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

اور بدریوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ رعایت فرما کر مغفرت فرما دی ہے۔ ۱

واقعہ ہٰذا میں جس طرح دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمان نبوی کے ایفاء کرنے میں سعی کی اسی طرح جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمان نبوی کے ادا کرنے میں سعی تام فرمائی اور اپنی مخصوص خصوصیت کے ساتھ یہ مسئلہ پورا کیا۔ اسلامی خدمات میں یہ ان کا امتیازی کردار ہے۔

قتل بروز فتح مکہ

فتح مکہ کے موقعہ پر بعض کفار جو خاص طور پر ایذاء دہندہ تھے ان کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ منقول ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ "الحویرث بن النقید" نامی ایک شخص مکہ کا باشندہ تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء رسانی میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گوئی کرتا تھا نیز اس نے ہجرت مدینہ کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سواری کو زخمی کر دیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ کے روز اس کو قتل کر دیا۔ ۲

قتل کا ارادہ

فتح مکہ کے روز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب کے خاوند کے بعض رشتہ داروں (الحارث بن ہشام اور زہیر بن امیہ) کو قتل کرنے

---

۱ (۱) بخاری شریف ، ص ۶۱۲ ، جلد ثانی ، طبع دہلی ، تحت باب غزوۃ الفتح وما بعث حاطب الی مکۃ۔

(۲) البدایہ لابن کثیر ، ج رابع ، ص ۳۰۳ ، طبع اول مصر ، تحت قصہ حاطب بن ابی بلتعہ۔

(۳) سیرت حلبیہ ، ج ثالث ، ص ۸۵ ، تحت سیاق فتح مکہ ، طبع مصری۔

۲ (۱) البدایہ لابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۲۹۸ ، تحت حالات فتح مکہ۔

(۲) سیرت حلبیہ ، ج ۳ ، ص ۱۰۵ ، تحت حالات فتح مکہ۔

(۳) الاصابہ لابن حجر عسقلانی ، ج اول ، ص ۳۰۳ ، تحت الحویرث بن نقید۔

باب ۵ "جالب الطالعین" میں ذکر ہوگی۔ (بعونہ تعالیٰ)

غزوۂ حنین میں حضرت علیؓ کی ثابت قدمی

فتح مکہ رمضان شریف ۸ھ میں ہوئی تھی اس کے بعد ابتداء شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین پیش آیا تھا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی ہوازن کی طرف پیش قدمی فرمائی تھی اس موقع پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کو امیر مکہ مقرر فرمایا تھا۔ عتاب بنی امیہ کے ایک مشہور با اعتماد فرد تھے جن کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک عظیم منصب عطا فرمایا۔

اس غزوہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے قبائل شریک قتال تھے بنو ہوازن نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمان افواج کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ لوگ اس دور میں نہایت مشاق تیر انداز تھے اور تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

قتال کے ابتدائی مراحل میں بنی ہوازن کے یکبارگی حملہ کرنے کی وجہ سے اہل اسلام کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ (گو کچھ وقت کے بعد مسلمان افواج سنبھل کر پھر ثابت قدم ہو گئی تھیں)۔

اس مرحلہ میں چند حضرات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ان کے اقدام متزلزل نہیں ہوئے تھے ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔ ان میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بھی شامل تھے۔

..... فیمن ثبت معه من المهاجرين ابو بكر و عمر و
من اهل بيته علي بن ابي طالب والعباس بن عبد المطلب
وابو سفيان بن الحارث وابنه والفضل بن العباس
وربيعة بن الحارث واسامة بن زيد [1]

---

[1] (۱) سیرت لابن ہشام ج ۲ ص ۴۴۴ تحت اسماء من ثبت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یعنی مہاجرین میں سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت ابوبکر الصدیق رضہ حضرت عمر فاروق رضہ تھے اور آنجناب کے "ذوی القربیٰ" میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضہ بن ابی طالب ، حضرت عباس رضہ بن عبدالمطلب ، ابوسفیان رضہ بن الحارث ، اور حضرت عباس رضہ کے فرزند فضل بن عباس رضہ اور ربیعہ بن الحارث وغیرہم شامل تھے ۔

غزوۂ حنین میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کچھ مزید بہترین خدمات بھی ذکر کی جاتی ہیں۔ جو علماء سیرت نے اپنی اپنی جگہ نقل کی ہیں ۔

غزوہ تبوک

تبوک علاقہ شام کے قریب ایک مشہور مقام ہے ۔ اسی جگہ غزوۂ تبوک ماہ رجب سنہ ۹ھ میں پیش آیا تھا۔ اس کے انتظام کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مساعی فرمائی تھیں۔ مالی عدم تیسر کے اعتبار سے اور موسم کی سختی کے لحاظ سے نہایت مشکل مرحلہ تھا۔ چنانچہ متعدد بار مالی فراہمی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان ہی مشکلات کے پیش نظر اس کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے ۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس موقعہ پر مالی قربانی پیش کر کے عدیم المثال نظیر قائم کی تھی۔

سفر تبوک اختیار کرنے سے قبل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی حفاظت اور نگرانی کا انتظام کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کے انتظام پر مامور فرمایا ۔ اور اہل و عیال و خانگی امور کی نگرانی و انتظامی امور کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمانے کا ارادہ فرمایا ۔ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضہ منافقین کی طعنہ زنی کی وجہ سے اور جہاد ہٰذا میں شمولیت سے محرومی پر متاسف اور پریشان ہو کر عرض کرنے لگے ۔ یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جہاد پر تشریف لے جا رہے ہیں ۔ تو جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نیابت مدینہ کی فضیلت بخشتے ہوئے یوں اطمینان دلایا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۳) البدایہ لابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۳۲۶ ، فصل فی کیفیت الوقعۃ وما کان فی اول الامر من الفرار ... الخ

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی

الا انه لا نبی بعدی ۔ [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ (اے علی رض) کیا آپ پسند نہیں کرتے کہ آپ میری طرف سے اس مرتبہ پر ہوں جس مرتبہ پر حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھے مگر بات یہ ہے کہ میرے بعد کسی کو منصب نبوت نہیں ملے گا ۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی معیت میں سفر تبوک پر روانہ ہو گئے اور حضرت علی المرتضیٰ رض جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی تک مدینہ شریف میں اہل و عیال پر نگران رہے ۔

انت منی بمنزلة هارون کی تشریح

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدینہ شریف میں غزوۂ تبوک کے موقع پر وقتی نیابت سے بعض لوگ ان کی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی رض کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہوئے تھے اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رض بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے چاہئیں تھے ۔ اور اس نوع کا فرمان کسی دوسرے صحابی کے حق میں نہیں دیا گیا ۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت علی رض نبی نہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے ۔ پھر غزوۂ تبوک آخری غزوات میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کو معزول نہیں فرمایا ۔ پس یہ بلافصل خلیفۂ نبوی ہوئے ۔ [2]

اس کے جواب میں چند چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں ان پر غور فرمائیں اس سے مذکورہ اشکال کا ضعف واضح ہو جائے گا ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

---

[1] (۱) مشکوٰۃ شریف ، ص [illegible] ، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(۲) بخاری شریف ، ج اول ، ص [illegible] ، تحت مناقب علی بن ابی طالب ۔

[illegible]

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیابت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی نیابت کے ساتھ کل امور میں برابر کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ

اولاً تو حضرت ہارون علیہ السلام خود ایک نبی تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ نبی نہیں۔

ثانیاً یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ہی وفات پا گئے تھے اور ان کے بعد خلیفہ نہ ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام آپ کے خلیفہ ہوئے تھے۔ لیکن یہاں معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات نہیں پائی۔ لہٰذا حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت و نیابت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت و نیابت سے کلیۃً تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اور تشبیہ کسی ایک بات میں بھی ہو تو ادائے تشبیہ پورا ہو جاتا ہے۔

نیز مدینہ طیبہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی یہ نیابت وقتی طور پر تھی دائمی نہیں تھی۔ آپ کو یہ ذمہ داری نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی تک دی گئی تھی۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ شریف میں تشریف آوری پر یہ خود بخود ختم ہو گئی جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نیابت عارضی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی تک تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو اسکی نیابت خود بخود ختم ہو گئی تھی اور یہیں مزید فرمان معزولی کی احتیاج نہیں تھی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر یا غزوہ کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام اور وقتی خلیفہ مقرر فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح جنگ سے دیگر غزوات و اسفار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اپنے قائم مقام اور نائب مقرر فرمائے جو وقتی طور پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور قائم مقام ہوتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر خود بخود [illegible]

۱۔ حاشیہ صفحہ گزشتہ — مسلم شریف، ص ۲۷۸، جلد ثانی، تحت فضائل علیؓ

۲۔ البدایہ لابن کثیر، ج ۵، ص ۷، تحت غزوہ تبوک، بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہم۔

معزولی کے ان کی نیابت ختم ہو جاتی تھی۔ ذیل میں صرف تین نظائر ذکر کئے جاتے ہیں جو اس مسئلہ کی تفہیم کے لئے کافی ہیں۔

۱۔ غزوہ قینقاع جب پیش آیا تھا تو اس موقعہ پر مدینہ طیبہ میں وقتی طور پر حضرت ابشیر بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا گیا تھا۔

۲۔ جب غزوہ مریسیع پیش آیا تو اس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتی طور پر مدینہ شریف میں نگران مقرر فرمایا۔

۳۔ اسی طرح جب "غزوہ بنی غطفان" (غزوہ انمار) پیش آیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں وقتی طور پر خلیفہ بنایا گیا۔ نیز "غزوہ ذات الرقاع" کے موقعہ پر بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہی وقتی طور پر مدینہ شریف میں خلیفہ بنایا گیا تھا [1]

ان تمام مواقع میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف واپس تشریف لاتے رہے تو مذکورہ بالا نیابتیں اور وقتی خلافتیں بغیر کسی فرمان معزولی کے خود بخود ختم ہو جاتی رہی تھیں۔ بعینہ اسی طرح غزوہ تبوک سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وقتی نیابت خود بخود ختم ہو گئی تھی اس پر کسی مزید حکم نسخ کی ضرورت نہ تھی۔ یہ عمل نسخ خود بخود واقع تھا۔

۴۔ غزوہ تبوک کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علاقہ یمن میں گئے ہوئے تھے۔ اور یمن سے واپس پہنچ کر حج کے موقعہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس دوران مدینہ شریف میں وقتی خلافت و نیابت پر ایک دوسرے صحابی ابو دجانہ الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور فرمایا گیا تھا۔ اور یہ نیابت غزوہ تبوک کے بعد بالاتفاق واقع

---

[1] (۱) منہاج السنہ لابن تیمیہ ج ۲ ، جلد ۲ ، ص [illegible] ۔

(۲) منہاج السنہ لابن تیمیہ ج ۴ ، جلد ۱ ، ص [illegible] ۔

سے اس کی روایت قابل قبول نہیں۔

اس قسم کی روایات میں کبھی رواۃ کی طرف سے بھی کئی کلمات کے اضافے ہو جاتے ہیں یہ ادراجات کہلاتے ہیں۔ یہ بحث اور قابل تسلیم نہیں تھے سوال ہے اصل مسئلہ خلافت بلافصل پر استدلال قائم کرنا صحیح نہیں۔ استدلال کی بنیاد صحیح روایات پر قائم کی جاتی ہے ضعیف روایات سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت سے فضیلت علوی رضی اللہ عنہ کا ثبوت تو درست ہے لیکن خلافت بلافصل کا اثبات ہرگز درست نہیں۔

مکہ مکرمہ میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابلاغ

سنہ ۹ھ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود حج پر تشریف نہیں لے جا سکے تھے اور امامت حج کے لیے اپنے قائم مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد "سورۃ برأت" کی آیات کا نزول ہوا جن میں مشرکین مکہ سے متعلق کیے گئے معاہدے کے ختم ہونے کا اعلان تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات قرآنی کے ابلاغ اور مزید چند ایک اہم اعلانات کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی سواری (قصواء) عنایت فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی مکہ معظمہ نہیں پہنچے تھے اور "العرج" کے مقام پر تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر ملاقات کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ

"أمير أو مأمور؟ فقال: بل مأمور، ثم مضيا فأقام أبو بكر للناس الحج"

اے علی رضی اللہ عنہ! آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے امیر حج بن کر روانہ کیے گئے ہیں یا امیر حج کے مامور بن کر؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ "میں مامور ہوں امیر حج جناب ہی ہیں۔" پھر دونوں حضرات باہمی مصاحبت میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور حج کے موقعہ میں حج کے احکامات، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے تحت ادا کیے گئے۔ البتہ "یوم النحر" میں "سورۃ برأت"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھی۔ وہ انھوں نے بوجہ اتم ادا فرمائی۔ اس طرح دونوں حضرات (صدیق رضہ و مرتضیٰ رضہ) نے اپنے اپنے منصب کے مطابق فرائض سرانجام دیئے اور یہ سفر مکمل کیا۔

ایسے حالات میں دو قبائل جو تا حال مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلام لانے میں پس و پیش کر رہے تھے انھیں ان اعلانات سے تشویش لاحق ہوئی کہ مزید تاخیر کرنا اب ان کے حق میں مفید نہیں۔ لہٰذا انہوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں عجلت اختیار کی۔

امیر اور مامور کی وضاحت

بعض لوگ یہاں اپنی جانب سے اعتراض تجویز کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے امیر حج ابوبکر رضہ کو بنایا گیا تھا لیکن نااہلی کی بنا پر آپ کو امارت حج سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ علی المرتضیٰ رضہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ لہٰذا یہ واقعہ ابوبکر رضہ کی عدم صلاحیت اور علی رضہ کی لیاقت و اہلیت کی دلیل ہے۔

شبہ ہذا کے ازالہ کے لیے متعدد چیزیں ذیل میں بطور پیش خدمت ہیں ان پر غور فرمائیں۔

۱:- "مسند حمیدی" میں ہے کہ ایک شخص "زید بن یثیع" کہتا ہے کہ ہم نے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روانگی ہذا کے متعلق سوال کیا کہ کس بات کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو روانہ فرمایا تھا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امارت حج کے لیے نہیں، بلکہ مندرجہ ذیل چار چیزوں کے اعلان کے لیے بھیجا گیا تھا۔ (یہ چار چیزیں اوپر مذکور ہو چکی ہیں)۔

۲:- امام محمد باقر رحمہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب سورۃ براءت نازل ہوئی تھی تو اس وقت ابوبکر صدیق رضہ کو حج قائم کرنے کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ بھیج دیا تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضہ کو بعد میں روانہ فرمایا۔ تو جب ان حضرات کی باہم ملاقات ہوئی تو حضرت صدیق رضہ نے سوال کیا "آپ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور بن کر؟" تو حضرت علی المرتضیٰ رضہ نے فرمایا کہ "امیر نہیں بلکہ مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

امام محمد باقر رحمہ کی روایت سے واضح ہو گیا کہ امیر حج تو ابوبکر صدیق رضہ ہی ہیں لیکن بعض اعلانات حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے سپرد کیے گئے تھے جو انھوں نے اپنے موقع پر بطریق احسن سرانجام دیئے۔

(بحوالہ سیرت ابن ہشام، تفسیر ابن کثیر رح، البدایہ، تفصیل سطور گزشتہ)

۳ ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت اس مسئلہ کو اور واضح کرتی ہے۔ آپ کہتے ہیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مراسلہ بعد میں حضرت علی المرتضیٰ رض کے ذریعہ روانہ فرمایا تھا اس میں یہ تصریح تھی کہ

فدفع اليه كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قد امره على الموسم وامر عليا ان ينادي بهؤلاء الكلمات ۔ [1]

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (حضرت ابوبکر رض کو) تحریر فرمایا تھا کہ موسم حج کے امیر تم ہو (ابوبکر صدیق رض) اور ہم نے ان کلمات کا اعلان کرنے کے لئے علی المرتضیٰ رض کو حکم دیا تھا ۔۔۔ الخ۔

اس سے بھی واضح ہو گیا کہ حج کی علی الاطلاق امارت حضرت صدیق اکبر رض کے پاس ہی تھی اور چند خصوصی احکام کا اعلان حضرت علی المرتضیٰ رض کے ذمہ تھا۔

۴ ۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رح نے "فتح الباری شرح بخاری" میں اس واقعہ پر ایک عمدہ چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورۃ برأت" کی تبلیغ کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رض پر اکتفاء نہیں فرمایا کیونکہ اس میں "حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کی مدح و ثنا تھی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد ہوا کہ ابوبکر رض کی یہ مدح سرائی ان کی اپنی زبان سے نہ ہو۔ لوگ یہ مدح سرائی ابوبکر صدیق رض کے ماسوا کسی دوسرے شخص کی زبان سے سنیں۔ آپ نے یہ کام حضرت علی المرتضیٰ رض سے لیا۔

... انما لم يقتصر النبي صلى الله عليه وسلم على تبليغ ابي بكر رض عنه ببراءة لانها تضمنت مدح ابي بكر رض فاراد ان يسمعوها من غير ابي بكر رض ...... الخ [1]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری لابن حجر رح ج ۸ ص ۲۰۸ ۔ کتاب التفسیر باب قولہ واذان من اللہ ... آخر سطر الخ

وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔

(پ ۳ ، سورۃ آل عمران)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جھگڑا کرے تو کہہ دیجئے کہ " آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ، اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ ، پھر ہم گڑگڑا کر خدا تعالیٰ سے دعا مانگیں اور جھوٹ بولنے والوں پر خدا تعالیٰ کی لعنت کریں ۔ "

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد خداوندی کے مطابق اہل نجران کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن وہ لوگ اپنے اکابر عیسائیوں سے مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اسلام کے لئے جزیہ دینا انہوں نے قبول کر لیا ۔

اگرچہ اہل نجران سے مباہلہ کی نوبت نہیں آئی تاہم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے پوری آمادگی کا اظہار فرمایا ۔ اور بعض روایات کے مطابق آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ میں شامل کرنے کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رض ، حضرت حسن رض ، حضرت حسین رض اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ساتھ لیا ۔ یہ روایت اپنی جگہ درست ہے ۔ اہل نجران (نصاریٰ نجران) اس دعوت کو قبول کر لیتے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی مباہلہ کے مطابق اپنی ازواج مطہرات رض اور اپنے خاص خاص لوگوں کو بھی لے آتے اور مباہلہ قرآن کریم کے مطابق ہوتا ۔

اور ایک دوسری روایت جو امام جعفر صادق رح نے امام محمد باقر رح سے نقل کی ہے ، کے اعتبار سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور ان کی اولاد ، حضرت عمر فاروق اور ان کی اولاد ، حضرت عثمان غنی اور ان کی اولاد ، اور حضرت علی اور ان کی اولاد (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو بھی مباہلہ میں شمول کے لئے لائے ۔

... قال فجاء بابی بکر وولدہ وبعمر وولدہ وبعثمان وولدہ

وبعلی وولدہ ۱ ؎ ــہ (حاشیہ [illegible])

اور نیز "سیرت حلبیہ" میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ فرماتے تو وہ نے مباہلہ میں شامل کرنے کے لئے کن لوگوں کے ہاتھ پکڑتے ؟

تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں "علی، فاطمہ، حسن، حسین، عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ہاتھ پکڑ کر دعا کرتا"۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لو لاعنتہم یا رسول اللہ ! بید من کنت تأخذ ؟ قال آخذ بید علی وفاطمۃ والحسن والحسین وعائشۃ وحفصۃ ؛ وھذا اب

زیادۃ عائشۃ وحفصۃ فی ھذہ الروایۃ دل علیہ قولہ تعالیٰ ونساءنا ونساءکم الخ[۲]

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اگر مباہلہ کی صورت پیش آتی تو مذکورہ بالا تمام حضرات کو شامل کرنا مقصود تھا فقط ایک گھرانہ کو شریک کرنا اور باقی کو شریک و شامل نہ کرنا مقصود نہ تھا۔ یہ چند حضرات صرف نمونہ کے طور پر لئے تھے۔

واقعہ مباہلہ اور مسئلہ خلافت بلافصل

بعض لوگ مباہلہ کے واقعہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرنے کی سعی بلیغ کرتے ہیں۔ لیکن یہ سعی لاحاصل ہے اور کسی طرح نتیجہ خیز نہیں۔ اس سلسلہ میں معروضات ذیل پر نظر فرمائیے۔

---

[۱] (۱) حاشیہ علامہ بر بیضاوی، ص ۱۸۵ (۲) درمنثور للسیوطی ج ۲ ص ۳۹ تحت الآیۃ۔

(۳) روح المعانی ج ۳ ص ۱۹۰ تحت الآیۃ۔

(۴) تفسیر شوکانی ج اول ص ۳۴۳ تحت الآیۃ۔

[۲] سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۳۸ باب ذکر نبذ من الوفود۔

۱: گزارش یہ ہے کہ قرآن مجید میں فریق ثانی (اہل نجران) کے حق میں یہ عمومی دعوت ہے۔ "ابناءکم و نساءکم و انفسکم" کے الفاظ کے ساتھ اس کو تعبیر کیا ہے۔ (ان الفاظ میں فریق مقابل (اہل نجران) کے مخصوص فرزند، مخصوص خواتین، مخصوص بیٹیاں (فلاں بن فلاں، فلاں عورت) اور مخصوص اشخاص (فلاں فلاں افراد) متعین نہیں بلکہ فریق مقابل کے لیے یہ عبارت اپنے عموم پر قائم ہے۔ (یہ چیز خیال کرنے کی سب حضرات کو تسلیم ہے)۔

ٹھیک اسی طرح "ابناءنا و نساءنا و انفسنا" کے الفاظ اہل اسلام کے لیے بھی اپنے عموم پر قائم ہیں، چند مخصوص حضرات کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ یعنی اس صورت میں "ابناءنا" سے مراد صرف حسنین رضی اللہ عنہما اور "نساءنا" سے مراد صرف بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور "انفسنا" سے مقصود صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آیت کے عموم الفاظ کو چھوڑ کر تخصیص تجویز کرنا صحیح نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں الفاظ اہل نجران اور اہل اسلام دونوں جماعتوں کے لیے متقابلاً ذکر ہوئے ہیں۔ یہاں الفاظ میں فریق مقابل کے لیے تخصیص نہیں بلکہ عمومی حکم ہے تو اسی طرح اہل اسلام کے لیے بھی یہ عمومی حکم ہوگا۔

۲: اگر یہ لوگ قرآن مجید سے یہاں استدلال اس طرح قائم کریں کہ لفظ "انفسنا" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو عین ذات رسول قرار دیں تو اس تقدیر پر "مخصوص صفات نبوت" سب کی سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تسلیم کرنا ہوں گی۔ (مثلاً رسالت، نبوت، ختم نبوت، نزول وحی اور نزول قرآن وغیرہ وغیرہ) بے شمار خصوصیات نبوت ہیں ان سب میں نبی اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین مساوات ماننا ہوگی اور یہ چیز بالکل بالاجماع باطل اور غلط ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود نفس رسول ہوتے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے نہ کرتے کیونکہ یہ خود اپنے سے نکاح کرنے کے مترادف تھا۔

اور اگر بعض صفات کے اعتبار سے مساوات تسلیم کریں تو یہ شیعہ حضرات کو دعویٰ خلافت میں کسی طرح مفید نہیں۔ کیونکہ بعض اوصاف میں مساوی شخص اولیٰ بالتصرف اور افضل قرار نہیں پاتا۔ خلاصہ یہ

صورت میں انہیں کسی طرح مفید نہیں ہے۔

جب اگر روایت کے ذریعہ بیان تخصیص پیدا کی جائے تو اس صورت میں بھی اہل بیت کا تعلق آیت کے سیاق سے نہ ہوگا بلکہ اس روایت کے ساتھ ہوگا۔ اور روایات اس مقام میں متعدد نوع کی پائی جاتی ہیں۔ ان تمام روایات پر نظر کرنے سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اگر مباہلہ کی نوبت آتی تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو شامل کرنا پسندیدہ نظر تھا اسی طرح تمام رشتہ داروں کو بمع ان کی ازواج کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی شامل کرنا ملحوظ خاطر تھا۔

یعنی اگر یہ واقعہ مباہلہ پیش آتا تو ان حضرات کو بھی شامل فرمایا جاتا اور مباہلہ بحکم قرآن تعمیم کے مطابق ہوتا۔

فضیلت کا اقرار

اس واقعہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اور دیگر مذکورہ حضرات کی "منقبت افزائی" اور "فضیلت دینی" ثابت ہوتی ہے جس کو ہم اہل سنت بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

البتہ خوارج کے نظریات کے خلاف ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے۔ ان بجز فضیلت یہ درست اور صحیح ہے۔ مگر مسئلہ خلافت سے اس واقعہ اور اس آیت کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان روایات کا اس آیت سے کوئی ارتباط ہے۔

نوٹ :- قبل ازیں مستقل کتاب "بنات اربعہ" بحث دوم ترجیحات۔ ہم نے مباہلہ کی بحث بقدر ضرورت درج کر دی ہے وہاں رجوع فرمائیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی علاقہ یمن کی طرف روانگی

یمن کے علاقہ میں اسلام کی تبلیغ کا کام عرصہ سے جاری تھا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے متعدد صحابہ کرام کو وقتاً فوقتاً وہاں بھیجتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم یمن میں تبلیغی مقاصد کی خاطر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمانے لگے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! میں تو نوعمر آدمی ہوں اور مجھے کا تجربہ نہیں ہے،

اور قضا کے معاملات میں مجھے زیادہ سابقہ پیش نہیں آیا اور اس قوم میں تنازعات کے فیصلے کرنے کی نوبت آئے گی تو میں کیا کروں گا؟ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ سیھدی لسانک ویثبت قلبک ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو درست فیصلہ کی توفیق دے گا اور تمہارے دل کو ثابت رکھے گا۔

اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں۔

فوضع یدہ علی صدری وقال اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ [1]

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت علی المرتضیٰ رض کے سینے پر رکھا اور دعا دی کہ اے اللہ ان کی زبان کو ثابت رکھ اور ان کے قلب کی راہنمائی فرما۔

اور ساتھ ہی فیصلہ کرنے کا ایک بنیادی قاعدہ ارشاد فرمایا کہ اے علی! جب آپ کے سامنے دو فریق پیش ہوں تو ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کریں جب تک کہ دوسرے فریق کی بات نہ سن لیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رض فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے سامنے جب بھی کسی قضا کا معاملہ پیش آیا تو اس میں اشکال پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے حل کے لئے کوئی بہتر صورت منکشف ہو گئی۔

یمن میں چند واقعات

علاقہ یمن میں اقامت کے دوران حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعدد واقعات پیش آئے تھے۔ علماء سیرت نے اس مقام میں متعدد واقعات ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے بعض بطور خلاصہ درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقہ کے اونٹ علاقہ یمن سے فراہم کیے۔ تو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے سوال کیا کہ ہم صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہو جائیں اور اپنے اونٹوں کو کچھ آرام دے لیں کیونکہ وہ سفر کی وجہ سے بہت ماندہ ہو چکے ہیں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ... تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب و خالد بن ولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع۔

اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ " انما لکم فیہا سہم کما للمسلمین " [1]

یعنی تمہارے لئے ان میں وہی حصہ ہو سکتا ہے جو باقی مسلمانوں کے لئے ہے ۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمام اونٹوں کو آپ استعمال نہیں کر سکتے ان میں سے جو آپ کے حصہ میں آئیں گے انہی کو آپ استعمال کر سکتے ہیں باقی کو نہیں ۔

۲۔ ایک دفعہ یمن کے علاقہ سے کچھ اموال پوشاک و لباس کی صورت میں حاصل ہوئے جن کی ابھی تقسیم نہ ہوئی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جو ان اموال پر نگران تھا اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر اپنے ساتھیوں کو یہ پوشاکیں دے دیں اور انہوں نے اپنے زیب تن کر لیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب اس صورت حال پر مطلع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کیوں کیا گیا ہے ؟ یہ اموال ابھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں پہنچے تھے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تقسیم فرماتے۔ تم لوگوں نے ایسا معاملہ کیوں کیا ؟

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان پوشاکوں کو پہننے والے انہیں اتار لیں۔

قال علی ما ھذا ؟ قالوا کسوتہ فلک قلت اما دعاک الی ھذا حتی

ان تقدم علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فیصنع ما شاء فنزع

الحلل منہم ۔ [2]

۳۔ نیز سیرت کی روایات میں ہے کہ یمن کے علاقہ سے مال غنیمت میں کچھ اونٹ دستیاب ہوئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ، ج ۵ ، ص ۱۰۵ ، تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وخالد بن ولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع ۔

[2] البدایہ والنہایہ ، ج خامس ، ص ۱۰۲ ، تحت باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب وخالد بن ولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع ۔

کی مخالفت زیر بحث آئی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد بھی لوگوں کے قلوب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شکایات جاگزیں تھیں اس بیان کے ذریعہ ان کا ازالہ ہو گیا۔ شکایات کنندگان میں بریدہ بن حصیب الاسلمی، خالد بن ولید، بنی مذوب رضی وغیرہما کے نام عموماً پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے گمان اور اعتراضات کو رفع کر دیا گیا اس کے بعد ان میں سے کسی صاحب نے اس معاملہ میں کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ایک وقتی مسئلہ تھا جو اس فرمان نبوت کے ذریعہ حسن اسلوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس مقام پر مسئلہ خلافت کی بحث خواہ مخواہ پیدا کر دی۔ اس کو صاف کرنے کے لیے یہاں ایک تنبیہ ذکر کی جاتی ہے۔

تنبیہ متعلقہ غدیر خم

"غدیر خم" کے واقعہ کو بعض لوگوں نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے کیلئے تمام کوشش کی ہے۔ یہ لوگ اس واقعہ کو مسئلہ خلافت کے لئے استدلال و حجت کی قوی دلیل قرار دیتے ہیں۔ یہاں چند اشیاء قابل طلب ہیں۔ ان پر توجہ فرمانے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ امر مسئلہ خلافت کو ہرگز ثابت نہیں کرتا اور بہ اثبات مدعا کی بنا پر یہ بیان تقریب تام نہیں۔

جحفہ کے مقام کے قریب ایک تالاب تھا جسے غدیر خم کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع تھا۔ جس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تو راستہ میں اس مقام پر آپ نے سفری تقاضوں کے تحت کچھ وقت کے لئے قیام فرمایا تھا۔ اس دوران بعض ضروری چیزوں کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ان شکایات کا بھی ازالہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یمن کے سفر میں ان کے ہمسفر حضرات کو پیدا ہوئی تھیں (ان شکایات کا سابقاً اجمالاً ذکر ہو چکا ہے)۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق شکایات کا ازالہ جن الفاظ سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں یہ جملہ مذکور ہے کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی جس شخص کے لئے میں محبوب اور دوست ہوں پس علی بن ابی طالب رضی اس کے محبوب اور دوست ہیں۔

اب اس اصول کا مرتبہ مضمون یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے ان شکایات کے سبب بدگمانی ذکر یہی علی بن ابی طالب سے بغض و عداوت کے قابل نہیں بلکہ یہ تو اپنی دیانت داری اور بلندی اخلاق و کردار کے اعتبار سے محبت و دوستی کے لائق ہے۔ یہاں "مسئلہ خلافت و نیابت" کا ذکر تک نہیں۔ نہ کسی جماعت کی طلب سے آپ کے سامنے خلافت کے مضمون کو زیر بحث لایا گیا! اور نہ ہی کسی شخص نے اس کے متعلق کوئی سوال پیش کیا جس کے جواب میں آپ نے یہ کلام فرمایا ہو۔ لہٰذا اس کلام کا یہی محل درست اور صحیح ہے جو پہلے ذکر کیا ہے مسئلہ خلافت کے ساتھ اس کا کچھ ارتباط نہیں ہے۔ بلکہ صفائی معاملات کے ضمن میں یہاں حضرت علی اور ان کے معترضین کے درمیان یہ ایک فیصلہ اور تنبیہانہ خطبہ تھا۔ حضرت علی سے بدگمانی اور سوء ظنی رفع کرنا مطلوب تھی جو اس وقت کر دی گئی ہے۔

پھر اس روایت کے آخری الفاظ میں جو خطبہ میں ان میں موالات اور معادات کو ایک دوسرے کے بالمقابل ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں "مولیٰ" کے لفظ میں "ولایت" بمقابلہ عداوت ہے۔ یعنی خلافت نہیں۔ روایت کے وہ الفاظ یہ ہیں۔

"اللّٰھم وال من والاہ و عاد من عاداہ"

"اے اللہ! اسے دوست رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے۔"

یہ ہے اصل واقعہ کا پس منظر جو سادہ الفاظ میں عرض کر دیا ہے۔ اور روایت ہذا کے متعلق جو ابہام پیدا ہو سکتا ہے جو ہم نے وضاحت سے پیش کر دیا۔

شیعہ کا خلافت بلافصل پر استدلال

شیعوں کے نزدیک روایت ہذا (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کے لئے نہایت ہی قوی حجت اور قوی تر دلیل ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ روایت ہذا میں "مولیٰ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی جس کا مولیٰ میں ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں، اور "مولیٰ" کے معنی خلیفہ اور حاکم کے ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے مولیٰ ہیں لہٰذا اس فرمان کی بنا پر حضرت علی بھی تمام امت کے

ہوتی ہیں ۔ اور یہ روایت صحیح بین الفریقین ہے اور متواترات میں اس کو شمار کیا جاتا ہے ۔ لہٰذا اس پر عقیدے کی بنیاد درست ہے ۔ نیز اس قرینہ کی روایت کسی دوسرے صحابی کے حق میں وارد نہیں ہوئی لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل کے لئے یہ نص صریح ہے اور آپ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت کے لئے خلیفہ و حاکم ہیں ۔

استدلال مذکور کے متعلق چند معروضات پیش کی جاتی ہیں جن سے اس کے استدلال کی حقیقت سامنے آجائے گی ۔ [1]

روایت ہذا کے متعلق فریق مقابل کا یہ دعویٰ کہ یہ روایت صحیح بین الفریقین متواتر روایات میں سے ہے قابل غور ہے ۔ یہ دعویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں ۔

وجہ یہ ہے کہ بعض اکابر محدثین نے اس روایت پر کلام کیا ہے ۔ امام بخاری رح نے تاریخ کبیر میں اس پر کلام کیا ہے اور اس روایت کو صحیح بخاری میں درج نہیں کیا ۔ ابن حزم نے اپنی مشہور کتاب الفصل فی الملل والنحل میں ۔ شیخ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں ۔ صاحب شرح المواقف نے شرح مواقف میں ۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ۔ اور صاحب کتاب المسامرہ نے المسایرہ میں ۔ وغیرہ وغیرہ اور دیگر متعدد علماء کبار نے اس پر کلام کیا ہے ۔ اس وجہ سے اس روایت کو متواترات میں سے شمار کرنا صحیح نہیں ۔ یہ روایت اخبار آحاد میں سے ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کی اسانید ضعف سے خالی نہیں ۔ لیکن اکابر علماء اسے روایۃً تسلیم نہیں کرتے ۔ تاہم بعض دیگر علماء اس روایت کی صحت کے قائل ہیں اور روایت کو اپنے مفہوم کے اعتبار سے قبول کرتے ہیں ۔

بنا بریں ہم بھی اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہیں ۔ لیکن اس جگہ بعد روایت ہذا کے معنی و مفہوم

---

[1] اس موضوع پر مسائل کی روایات کے تحت اپنی کتاب " حدیث ثقلین " ص ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۰ ۔ طبع ثانی میں بقدر ضرورت بحث کر دی ہے ۔ ہم یہاں بھی اس مقام کے مناسب چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں ۔

میں کلام جاری ہے اس پر توجہ فرمائیں ۔

نیز فریق مقابل کا یہ قول کرنا کہ یہ الفاظ دوسرے صحابی کے لئے استعمال نہیں ہوئے یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے حق میں بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا ۔

...... قال لزید انت اخونا و مولانا

ترجمہ : آپ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے دوست ہیں ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۹۳ بحوالہ بخاری و مسلم - باب بلوغ الصغیر الفصل الاوّل)

۲ : روایت ہذا میں لفظ " مولیٰ " وارد ہے اور " مولیٰ " کے معانی کتب لغت اور لغت عرب میں متعدد پائے جاتے ہیں ۔ ابن اثیر جزری (جو لغت حدیث میں مشہور مصنف ہے) نے " مولیٰ " کے سولہ[۱] عدد معانی ذکر کئے ہیں لیکن ان میں " خلیفہ بلا فصل اور حاکم " والا معنی کہیں نہیں ملتا یہ مخصوص ہے۔ بعض لغت حدیث والوں نے " مولیٰ " کا یہ معنی کہیں بھی بیان نہیں کیا ۔ باقی معانی انہوں نے لکھے ہیں ۔

اسی طرح " المنجد " میں " مولیٰ " کے اکیس معانی ذکر کئے گئے ہیں ۔ وہاں بھی " مولیٰ " کا معنی خلیفہ بلا فصل نہیں پایا گیا ۔ یہ تو کسی سنی کی تالیف نہیں بلکہ عیسائی کی علمی کاوش ہے ۔ بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ اس روایت میں " مولیٰ " کا لفظ خلیفہ اور حاکم کے معنی میں ہرگز وارد نہیں ۔

اسی طرح کتاب اللہ اور دیگر احادیث صحیحہ میں " مولیٰ " کا لفظ خلیفہ یا حاکم کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں۔ دیگر معانی میں وارد ہوا ہے اور مستعمل ہے ۔ اہل علم کے لئے یہ ظاہر ہے ۔ خلافت بلافصل ثابت کرنے کے لئے نص صریح درکار ہے ۔ لفظ " مولیٰ " جیسے مجمل الفاظ جو متعدد معانی کے حامل ہوں اور مشترک طور پر مستعمل ہوتے ہیں ، ان سے یہ دعویٰ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا ۔

مختصر یہ کہ خلافت بلافصل کا دعویٰ خاص ہے اور اس کے اثبات کے لئے جو دلیل پیش کی

---

۱ النہایہ فی غریب الحدیث ج ۵ ص ۲۲۸ تحت مولیٰ ۔

گئی ہے اس میں لفظ مولیٰ اگر معنی حاکم ہو تو بھی یہ لفظ عام ہے۔ دلیل عامہ معنی خاص کو ثابت نہیں کرتی۔ سو اس بنا پر بھی تقریب تام نہیں پائی گئی۔

۴ :- علی سبیل التنزل اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ خلافت بلا فصل کے لئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا تھا اور جناب علی المرتضیٰ رض بلا فصل خلیفہ نامزد تھے تو درج ذیل چیزوں پر نظر غائر فرمائیں اصل مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۱ :- نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے کچھ قبل حضرت عباس رض بن عبد المطلب نے حضرت علی المرتضیٰ رض کو ارشاد فرمایا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ شاید آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے اس بنا پر ہم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مسئلہ خلافت و امارت کے متعلق عرض کریں۔ اگر یہ امارت ہم میں ہوگی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر امارت و خلافت ہمارے سوا دوسروں میں ہوگی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق لوگوں کو وصیت فرما دیں گے۔

اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رض نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر ہم نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ خلافت و امارت کے متعلق سوال کیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرما دیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ کبھی ہمیں خلافت کا موقعہ نہیں دیں گے۔ اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں اس بات کا ہرگز سوال نہیں کروں گا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رح نے بحوالہ بخاری شریف ذکر کیا ہے کہ

فقال علی رض انا واللہ لئن سألنا ها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنعنا ها لا یعطینا ها الناس بعده وانی واللہ لا اسألها رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ؎

واقعہ ہذا سے واضح کر دیا ہے کہ غدیر خم کے موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کوئی فیصلہ خلافت نہیں ہوا تھا۔ ورنہ طے شدہ امر کے لئے

۱۔ اولاً تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ گفتگو ہی نہ فرماتے۔

۲۔ ثانیاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے کہ اس مسئلہ کا میرے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم میں فیصلہ فرما چکے ہیں فلہٰذا اس کی اب حاجت نہیں۔

۲:- آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حق میں اس نص صریح کو کیوں پیش نہیں فرمایا؟

۳:- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب کے موقعہ پر دیگر اکابر ہاشمی حضرات نے اس نص صریح کو کیوں پیش نہیں کیا؟ حالانکہ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے لئے اس نص صریح کی اشد ضرورت تھی۔ پھر انصار جو سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانے کی سوچ رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی تجویز سے معارضہ کیا تو پھر انصار نے اس نامزدگی کا سہارا کیوں نہ لیا کہ اے ابابکر رض حضور حضرت علی رض کو خلیفہ بنا چکے ہوئے ہیں۔

۴:- تمام مہاجرین و انصار صحابہ کرام رض جو غدیر خم کے موقعہ پر اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست سننے والے تھے۔ انھوں نے اس نص صریح کو یکسر کیسے فراموش کر دیا؟ اور اس سے کیوں روگردانی کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اعراض کر کے حضرت صدیق اکبر رض کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ان کا قبیلہ بنو تیم (شاخ قریش) بنو ہاشم سے جدا تھا تو نہ

؎ البدایہ لابن کثیر ج ۵ ص ۲۲۰ تحت حالات مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (بحوالہ بخاری شریف)

(۲) مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۲۵ طبع اول۔ تحت مسندات ابن عباس رض۔

(۳) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۰ ق ۲ - مقالۃ العباس لعلی رض تحت عنوان تمریض رسول اللہ صلعم)

اگر کوئی صاحب یہ کہنے کی جرأت کریں کہ ان حضرات کو حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے حق میں نصِ صریح معلوم تھی مگر انہوں نے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض دیگر مصالح کی بنا پر پسِ پشت ڈال دیا اور اس سے اعراض کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد نہیں کیا۔ تو یہ کہنا حقیقت کے برخلاف ہے۔ نہ شریعت کا مزاج اسے تسلیم کرتا ہے نہ عقل اسے ممکن مانتی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ فرمانِ نبوت کی اطاعت صحابۂ کرام رضہ کے لئے ایک اہم ترین مقصدِ حیات تھی جس پر ان کی تمام زندگی شاہد عادل ہے۔ لہٰذا یہ تمام حضرات فرمانِ نبوت کے خلاف کیسے مجتمع ہو سکتے تھے۔ (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ)

یہاں سے ہمارے اس دعوے کی پوری تائید ہوتی ہے کہ غدیر خم میں جو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوا تھا وہ مسئلۂ خلافت سے متعلق ہرگز نہیں تھا بلکہ اس کے سوا دیگر مقاصد کے لئے تھا جیسا کہ سابقاً عرض کر دیا ہے۔

۵۔ ۱۔ دورِ صدیقی رضہ کے اختتام پر حضرت صدیق اکبر رضہ نے اکابر صحابہ رضہ اور اکابر بنی ہاشم کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضہ کے حق میں خلافت کے متعلق کسی نے نصِ صریح پیش نہیں کی۔ حالانکہ یہ اثباتِ خلافتِ علوی کے لئے ایک اہم موقعہ تھا۔

۲۔ اسی طرح حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے موقعہ پر خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک مختصر کمیٹی مقرر کی تھی جس طرح کہ اہلِ سیرت و تاریخ کو معلوم ہے۔ پھر سیدنا حضرت فاروق رضہ کے وصال کے بعد ان حضرات کا باہمی مشورہ ہوا اور انتخاب کا مکمل اختیار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تھا پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضہ نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔

تو اس موقعہ پر بھی کسی ہاشمی یا غیر ہاشمی نے غدیر خم والی نصِ صریح کو پیش نہیں کیا۔

۱؎ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب لوگ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت علی المرتضیٰ رض نے لوگوں کے اصرار کے باوجود بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ اور بنی عمرو بن مبذول کے باغ میں جا کر الگ بیٹھ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رح نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ۔

وقد امتنع علی رض من اجابتہم الی قبول الامارۃ
حتی تکرر قولہم لہ وفر منہم الی حائط بنی عمرو
بن مبذول واغلق بابہ ۱؎

اور شیعہ علماء نے اس سلسلہ میں خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام ۲؎ نہج البلاغہ میں ذکر کیا ہے کہ جب قتل عثمان رض کے بعد لوگ بیعت کے ارادے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آنحضرت رض نے فرمایا کہ

دعونی والتمسوا غیری .... وان ترکتمونی
فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن
ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا۔

یعنی بیعت کے معاملہ میں مجھے تم چھوڑ دو اور میرے سوا کسی اور کو تلاش کر لو ـــــ اور اگر مجھے تم چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک فرد ہوں گا۔ اور جس شخص کو تم اپنے امر کا والی بناؤ گے امید ہے کہ میں اس کا تم سے زیادہ

۱؎ البدایہ، ص ۲۲۷، ج سابع: قبیل ذکر بیعت علی رض بالخلافۃ۔

۲؎ نہج البلاغۃ للسید الشریف الرضی، ص ۱۸۱، ۱۸۲، طبع مصر، تحت ومن خطبۃ لہ علیہ السلام لما ارید علی البیعۃ بعد قتل عثمان رض۔

تابعدار اور زیادہ مطیع ہوں گا اور میرا تمہارے لئے وزیر رہنا امیر بننے سے زیادہ بہتر ہے۔

مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہوا کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً انکار فرمایا۔ اگرچہ بعد میں دیگر اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اصرار پر بیعت لینا منظور فرمایا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ غدیر خم یا دیگر کسی مقام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل کے لئے کوئی نص صریح موجود نہیں تھی ورنہ "انا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا" جیسا کلام کیسے فرمایا ہوتا؟

۸۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ کے سامنے ان کے ایک غالی رافضی عقیدت مند نے کہا کہ

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں)"

تو اس کے جواب میں حضرت حسن مثنیٰ رح فرماتے ہیں کہ

"اما واللہ لو یعنی بذا الامرۃ والسلطان لافصح لہم بذالک کما افصح لہم بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان وحج البیت ویقال لہم ایہا الناس ہذا ولیکم من بعدی فان افصح الناس کان للناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" [1]

یعنی اگر اس جملے سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد "امارۃ" و "سلطنت"

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۲۲۵، تحت تذکرہ حسن بن حسن (المثنیٰ)۔

ہوتی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ، نماز ، زکوٰۃ ، روزہ رمضان ، اور حج بیت اللہ کی طرح واضح طور پر اس کا فرمان صادر فرماتے اور فرما دیتے کہ اے لوگو! علی رض میرے بعد تمہارے حاکم ہیں۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فصیح اور افصح الناس تھے۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا جملہ اکابر ہاشمی حضرات کے نزدیک بھی خلافت بلافصل کے لئے نص صریح نہیں۔

۹۔ واقعہ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکمین کی تحکیم کو قبول کر لینے کے متعلق کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ اگر علوی خلافت بلافصل کے متعلق کوئی نص صریح اور حجت قطعی موجود ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰ رض ہرگز تحکیم قبول نہ فرماتے اور حکمین پر رضامند نہ ہوتے اور پھر حکمین حضرت علی رض کو خلافت سے علیحدہ کرنے کی کوئی تجویز سامنے لاتے۔

مسند عمر بن الخطاب رض میں ہے کہ ایک صاحب کے ساتھ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی "خلافت کی وصیت" ہونے کے متعلق گفتگو ہوئی تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ۔

لو کانت الخلافة وصية من رسول الله صلى الله علیه وسلم ما رضی علی بالحکمین [1]

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خلافت کی وصیت ہوتی تو حضرت علی اللہ تعالیٰ عنہ حکمین کو قبول و منظور کرنے پر کبھی رضامند نہ ہوتے۔

---

[1] مسند عمر بن الخطاب ، ص ۹۹ ، طبع بیروت ، طبع اول ، تحت روایات الاوزاعی رح۔

مختصر یہ ہے کہ ۔

سند جو عنوان کے تحت جن چیزوں کو درج کیا گیا ہے ان تمام پر نظر غائر کر لینے کے بعد عیاں ہو گیا کہ غدیر خم کے موقعہ پر جو فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صادر ہوا تھا اس کا خلافت بلا فصل کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ ہی مسئلہ خلافت وہاں مطلوب و مقصود تھا ۔

بلکہ وقتی تقاضوں کے مطابق اس خطبہ میں دیگر مقاصد پیش نظر تھے جن کو وہاں پورا کر دیا گیا۔

شیعہ علماء کا اعتراف کہ اس حدیث ولایت میں خلافت کی تصریح نہیں

اکابر شیعہ علماء جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو منصوص مانتے ہیں اور اس حدیث سے خلافت پر غلط استدلال کرتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اس روایت میں خلافت کی صراحت ہرگز نہیں ہے ۔ بلکہ اس کو اشارتاً اور تعریضاً اس میں ذکر پایا جاتا ہے ۔

چنانچہ صاحب "احتجاج الطبرسی" نے اس چیز کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے ۔

...... و اثبت حجة الله تعريضا لا تصريحا بقوله في وصيته من كنت مولاه فهذا مولاه

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وصیت کے قول "من کنت مولاہ" میں اللہ تعالیٰ کی حجت کو اشارتاً ثابت کیا ہے صراحتاً نہیں کیا ۔

لہ کتاب احتجاج الطبرسی ص ۱۳۰ طبع قدیم ایران تحت احتجاجه علیه السلام علی زندیق جاء مستدلا علیه بآي من القرآن ۔

مرض الوفات کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات

۱ - واقعہ غدیر خم کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف واپس تشریف لے آئے۔ ذوالحجہ کے اواخر اور محرم الحرام مدینہ شریف میں اقامت فرمائی اور پھر اواخر ماہ صفر المظفر سنہ ۱۱ھ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کے بعض عوارض لاحق ہو گئے۔ اس دوران نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات مرض کا غلبہ ہو جاتا تھا۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں امامت صلوٰۃ کے لئے تشریف لے جایا کرتے۔ بعض دفعہ ضعف کی حالت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں تشریف لانے کے لئے دو آدمیوں کے سہارا دینے کی ضرورت ہوتی تو اس وقت سہارا دینے والوں میں ایک طرف حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہوتے تھے اور دوسری جانب بعض دفعہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سہارا دیتے ہوئے ہوتے تھے۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیماری کے دوران میں اس نوع کی اہم خدمات سر انجام دیں۔ ۱؎
چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسہ خفۃ فخرج بین الرجلین احدھما العباس ۔۲؎

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ دوران مرض میں اپنے وجود مبارک میں آرام محسوس فرماتے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے ان سہارا دینے والوں میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب

۱؎ البدایہ لابن کثیر، ص ۲۳۵، ج خامس، تحت حالات مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۲؎ مسلم شریف، ص ۱۷۷، ج اول: استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر الخ

ہوتے تھے ۔

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ روایت بالا میں دوسرے شخص سہارا دینے والے بعض دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضہ ہوتے تھے اور بعض اوقات فضل بن عباس رضہ یا اسامہ بن زید رضہ ہوتے تھے ۔

ان واقعات میں مسلمانوں کے لیے عملاً تعلیم و تلقین تھی کہ بحالت مرض بھی نماز و جماعت کا اہتمام اس قدر ضروری ہے ۔

— ۲ —

مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران خانہ نبوت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان وقتاً فوقتاً خدمات کی سرانجام دہی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس دوران ایک دفعہ خانہ اقدس سے حضرت علی المرتضیٰ رضہ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے ابوالحسن! نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اقدس کیسا ہے ؟ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بحمداللہ مزاج شریف بہتر ہے اور طبع مبارک خیریت سے ہے ۔

خرج علی بن ابی طالب من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجعہ الذی توفی فیہ فقال الناس یا اباالحسن! کیف اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اصبح بحمد اللہ بارئا ۔ [1]

---

[1] (۱) شرح مسلم شریف للنووی ج اول ص ۱۷۷ تحت استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر الخ

(۲) البدایہ ج خامس ص ۲۲۵ ۔ تحت حالات ابتداء مرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

یہاں سے اسلوب عبارت معلوم ہوا کہ مریض کے حق میں خیر کلمات کے ساتھ ہی عیادت کنندہ کو جواب دینا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

— ۳ —

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال سے کچھ قبل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایک طبق (کاغذ) لاؤں جس میں ایسی چیز تحریر کی جائے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جناب صلعم کی امت گمراہ نہ ہو جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا مجھے خدشہ تھا اسی بنا پر میں نے عرض کیا کہ آنجناب (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ارشاد فرمائیں میں اسے (تحریر کئے بغیر) محفوظ کر لوں گا اور نگاہ رکھوں گا۔ تو حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) نماز کے متعلق وصیت فرمائی اور (۲) زکوٰۃ کے متعلق اور (۳) غلاموں کے حق میں حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔

عن علی بن ابی طالب قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ واعی - قال اوصی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وما ملکت ایمانکم ہے

ـہ (حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) البدایہ لابن کثیر، ج خامس، ص ۲۲۴ - مرض وفات کے حالات (بحوالہ بخاری شریف)

(۲) سیرت لابن ہشام، ج ثانی، ص ۶۵۵، تحت خبر العباس وعلی فی مرض رسول صلعم اثر سعید بن عباس رضی اللہ عنہما

(۳) مسند امام احمد، ج اول، ص ۲۲۴، تحت مسندات ابن عباس رض۔

ـہ (۱) مسند امام احمد، ج اول، ص ۹۰، تحت مسندات علی المرتضیٰ رض۔

(۲) البدایہ لابن کثیر، ج خامس، ص ۲۳۸، تحت فصل فی کتب احتضارہ ووفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱ ۔ معلوم ہوا آخری ساعات تک جہاں ازواج مطہرات رضہ و دیگر صحابۂ کرام رضے اس موقع کی خدمات سرانجام دیں اسی طرح حضرت علی رضہ بھی امور تیمارداری و خدمت گزاری میں مکمل طور پر شریک و شامل رہے ۔ یہ امور ان حضرات کے حق میں باعث صد اعزاز و اکرام ہیں اور حصول سعادت دارین کا ذریعہ ہیں ۔

۲ ۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کے لئے یہ وصیت متعدد محدثین کرام اور اہل سیر حضرات نے نقل کی ہے (جیسا کہ حاشیہ میں حوالہ درج کیا ہے ۔

۳ ۔ اس موقع میں حافظ ابن کثیرؒ نے وصیت خلافت علوی کے متعلق بعض امور ذکر کئے ہیں جو نہایت قابل توجہ ہیں ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاہل شیعہ اور قصہ گو لوگ " خلافت علوی " کے متعلق جس وصیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں وہ خالص جھوٹ، بہتان اور افتراء عظیم ہے ۔ اس چیز سے صحابہ کرام علیہم الرضوان پر خیانت کا الزام، وصیت نبوی صلعم کے نفاذ کو ترک کرنے اور اسے غیر کی طرف پھیر دینے کی " خطائے عظیم " کا صدور لازم آتا ہے ۔ ہر مسلمان اس بات کا یقین کامل رکھتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان پر یہ افتراء ہے ۔ اور صریح باطل ہے ۔ کیونکہ نص قرآنی اور اجماع سلف و خلف کے ذریعہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام خیر الخلق بعد الانبیاء تھے اور اس امت میں سے خیر القرون تھے ۔ لہٰذا ان حضرات سے اس نوع کی خیانت اور عدم اطاعت نبوی صلعم پائے جانے کی کوئی صورت نہیں ۔

لکل مومن باللہ و رسولہ یتحقق ان دین الاسلام

(حاشیہ گزشتہ) (۳) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ثانی ص ۴۰ تحت ذکر کتاب الذی اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...الخ

هو الحق يتضمن بطلان هذا الافتراء لان الصحابة كانوا
خير الخلق بعد الانبياء وهم خير قرون هذه الامة
تلقى على التشريف الامة بنص القرآن واجماع السلف
والخلف في الدنيا والآخرة ولله الحمد۔ لہ

یہاں یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہے کہ " واقعۂ قرطاس " جو احادیث میں مذکور ہے وہ اس سے قبل پیش آیا تھا ۔ اور اس میں دوسرا مضمون تھا یعنی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایما کرنا مقصود تھا ۔ اس کے بعد وصایا بالا فرمائی گئیں ان کا " مسئلہ خلافت " کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا ۔

لہ البدایہ لابن کثیر ج ۷ طبع سابع، ص ۲۲۴ - ۲۲۵ - تحت خلافۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

دورِ سوم

عہدِ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک گزارش

اس مقام میں اس چیز کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ہر سہ خلفاءِ کرام رضوان اللہ علیہم کے ایامِ خلافت میں امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق واقعات ہم نے کتاب " رحماء بینہم " کے ہر سہ حصص میں اپنے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں۔

پھر اس مقام میں ان واقعات میں سے چند ایک کا اعادہ اس بنا پر کیا جا رہا ہے کہ

۱ :- ممکن ہے ناظرِ کتاب ہذا کی نظر " رحماء بینہم " کے ان ہر سہ حصص پر نہ ہو۔ وہ ان واقعات سے قبل ازیں مطلع نہ ہو۔ سو یہاں ان واقعات کا تسلسل کی خاطر اجمالاً ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

۲ :- علاوہ ازیں ناظرین کو اس بات پر بھی مطلع کرنا ہے کہ ان ہر سہ خلفاء رضا کے عہد کے متعلقات میں کئی اہم ابحاث اور ضروری حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے جو قارئین کرام کے لئے نہایت نفع مند ہو سکتے ہیں۔ اور یہ قبل ازیں درج نہیں ہو سکے۔ فلہذا بعض موارد کا تکرار قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

انتقالِ نبوی اور مسئلہ بیعت

وصالِ نبوی کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر ایک قسم کی دہشت اور حیرانی کا عالم طاری تھا۔ اور اس پریشانی اور اضطراب میں تمام حضرات متحیر اور سرگرداں تھے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے لئے طریقِ کار کیا ہوگا؟ اس پریشانی میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک خاص قسم کی راہ دکھائی، ان کے دلوں کو سنوارا اور ان کے قلوب میں القاء کیا کہ پہلے سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اور خلیفہ مقرر ہونا چاہئے۔

علماء فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں دینی امور کے لئے جو مشورے کئے گئے ان میں سب سے پہلا مشورہ خلافت پر تھا جس پر اکابر صحابہ کرام رض باہم سر جوڑ کر بیٹھے۔ قاضی قرطبی لکھتے ہیں۔

"اول ما تشاور فیہ الصحابۃ الخلافۃ"[1]

اس مقام میں اکابر مہاجرین اور اکابر انصار کے درمیان بحث و تمحیص کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کا اجتماعی فیصلہ ہوا۔ اور اکابر صحابہ کرام رض نے وہیں بیعت کر لی۔ اس موقع پر اگر کسی صاحب (مثلاً سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) کی رائے اس فیصلہ کے خلاف ہوئی تھی تو اس نے رجوع کر کے صدیقی بیعت کی تائید کی۔[2] اور ایسا تعدد اجماع میں کبھی مخل نہیں ہوتا۔ [illegible] النادر کالمعدوم یہاں مشکل پیش آتی ہے۔

اس مسئلہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقی اکابر صحابہ کرام رض کے فیصلہ کے ساتھ اتفاق کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔

جبر و اکراہ کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اجبار و اکراہ اور تقیہ وغیرہ اشیاء کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب کرنا ان کے کمال ایمان اور شان اخلاص کے خلاف ہے۔ فلہذا یہ چیزیں درست نہیں۔

اکابر محدثین نے اس واقعہ کو اپنی تصانیف میں بے شمار مواقع میں درج کیا ہے۔ تاہم

---

[1] تفسیر قرطبی ، ج ۱۶ ، ص ۳۷ ، تحت آیۃ و امرھم شوریٰ بینھم ۔

[2] (۱) تاریخ ابن جریر طبری ، ج ۳ ، ص ۲۰۲ ، تحت اخبار السقیفہ ۔

(۲) تاریخ ابن خلدون ، ص ۸۵۵ ، جلد ثانی ، تحت خبر السقیفہ ۔

(۳) سیرت حلبیہ ، ص ۳۹۶ ، جلد سوم ، تحت بعد از انتقال نبوی ۔

چند ایک آخر روایات اس مسئلہ کے لئے درج کی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کرام کو تشفیاً تسلی ہو جائے۔

ابو نضرہ اپنے شیخ حضرت ابو سعید الخدری رض سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جب صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجتماع اور اتفاق ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رض نے دریافت فرمایا کہ علی بن ابی طالب رض نظر نہیں آ رہے وہ کہاں ہیں؟ تو چند افراد انصار میں سے حضرت علی رض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض نے حضرت علی رض سے دریافت فرمایا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔ کیا آپ مسلمانوں کے اتفاق میں انشقاق پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ آپ عتاب اور سرزنش نہ کریں اپنا ہاتھ پھیلائیے۔ پس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور حضرت علی رض نے بیعت کی۔

قال: ابو سعيد الخدري رض: لما اجتمع الناس على ابي بكر رض فقال مالي لا ارى عليا رض فذهب رجال من الانصار فجاؤا به فقال له يا علي رض! قلت ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وختن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا تثريب يا خليفة رسول الله ابسط يدك فبسط يده فبايعه .... الخ (1)

---

(1) كتاب السنة لعبد الله بن احمد، ص [illegible]، طبع مكة مكرمة۔

(2) المستدرك للحاكم، ج ثالث، ص [illegible]، كتاب معرفة الصحابة۔

(3) السنن الكبرى للبيهقي، ج ثامن، ص [illegible]، باب قتال اهل البغي۔

(4) البداية لابن كثير، ج [illegible]، ص [illegible]، تحت ذكر [illegible] ..... بیعت خوره

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تعجیل بیعت کی روایات

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برضا و رغبت بیعت کرنے کا مسئلہ مندرجہ ذیل مقامات میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ لہ

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت اور حواشی میں درج شدہ حوالہ جات میں اس بات کی نہایت وضاحت آگئی ہے کہ علی بن ابی طالب رضہ نے اجبار و اکراہ کے بغیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس موقع پہ پہلے یا دوسرے دن بیعت کر لی تھی اور اس مسئلہ میں کوئی تنازع رونما نہیں ہوا تھا۔ اور یہ بیعت خلافت تھی۔

فائدہ جلیلہ —— حافظ ابن کثیر رحمہ نے "البدایہ" میں ایک فائدہ جلیلہ ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعجیلاً بیعت کر لینا برحق ہے اور بیعت میں تاخیر نہیں ہوئی تھی۔ اس پر قرائن موجود ہیں۔ مثلاً

۱ :- علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وقت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جدا نہیں ہوسکے تھے۔

۲ :- اور کسی وقت کی نماز صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جدا ہو کر ادا نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی ایک نماز کے وقت ان سے الگ رہے۔

۳ :- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اہل ردۃ کے قتال کے لئے تیغ برہنہ لے کر نکلے تھے تو حضرت علی رضہ آپ کے ہمراہ تھے۔

---

(۵) ضمیمہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- البدایہ لابن کثیر، ج سادس، ص ۳۰۲، تحت خلافت ابی بکر الصدیق رضہ

لہ (۱) طبقات ابن سعد، ج ثالث، ص ۱۳۰، تحت ذکر بیعت ابی بکر رضہ (طبع لیدن)

(۲) مستدرک حاکم، ج ثالث، ص ۷۶، تحت کتاب معرفۃ الصحابہ

(۳) المصنف لعبد الرزاق، ج خامس، ص ۴۵۰، تحت بیعت ابی بکر رضہ

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ، ج ۱۴، ص ۵۶۸، کتاب المغازی (طبع کراچی)

تاخیرِ بیعت کی روایت کا جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شش ماہ کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی۔ اس کے متعلق کبار علمائے فن نے ایک تحقیق درج کی ہے۔ اس پر نظر کرنے سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔

حقیقت میں بیعت کا یہ واقعہ سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہاں اصل روایت میں راوی کی طرف سے متعدد اضافے ہیں۔ ان اضافہ شدہ چیزوں میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی۔

فن حدیث کے علماء نے اس مسئلہ کی تمام روایات پر نظر کرنے کے بعد یہ تحقیق فرمائی ہے کہ "بیعت کرنے میں شش ماہی تاخیر" کے کلمات "ابن شہاب زہری" راوی کی جانب سے اندراج شدہ ہیں۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کلام نہیں ہے۔ راوی مذکور نے اس چیز کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والے قصے میں درج کر دیا ہے۔ یہ راوی کا اپنا ظن اور گمان اور حقیقت کے برخلاف ہے اور اس چیز پر قرائن موجود ہیں۔

1۔ ایک قرینہ تو یہ ہے کہ روایت ہذا کے دیگر ناقلین ان کلمات کو بالکل ذکر نہیں کرتے صرف ابن شہاب زہری یہ قول نقل کرتے ہیں۔ یہ ان کا منفرد قول ہے جو دوسروں پر حجت نہیں بن سکتا۔

2۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ شش ماہی تاخیر والی روایت ابن شہاب زہری نے عروہ بن زبیر سے نقل کی ہے اور عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کی ہے اور عروہ کے فرزند ہشام بن عروہ نے ابن شہاب زہری کے حق میں ایک عجیب انکشاف کرتے ہیں جس کے پیش نظر مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے۔

وہ یہ کہ ہشام کہتے ہیں کہ ابن شہاب زہری میرے والد سے جب کوئی مفصل اور طویل روایت نقل کرتے ہیں تو اس میں اپنی جانب سے بعض اوقات کمی بیشی کر دیا کرتے تھے ۔

عن هشام بن عروة قال ما حدث ابن شهاب عن ابی (عروة) بحديث فيه طول الا زاد فيه او نقص [1]

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ روایت ہٰذا میں کمی بیشی کی گئی ہے ۔ اور یہ تصرف یا اضافہ زہری کی طرف سے ہے ۔ اصل واقعہ جو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے اس میں یہ چیز مذکور نہیں ہے ۔

۳ ۔ سوم یہ کہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " الاعتقاد " میں یہی تحقیق درج کی ہے کہ "ستہ ماہ کی تاخیر " کا قول حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نہیں ہے بلکہ زہری کا قول ہے جسے راوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سمجھ لیا ہے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں مذکور ہے ۔ بیہقی رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں ۔

" والذی روی ان علیا رضی اللہ عنہ لم یبایع ابا بکر رضی اللہ عنہ ستة اشهر لیس من قول عائشة رضی اللہ عنها انما هو قول الزهری فادرجه بعض الرواة فی الحدیث عائشة رضی اللہ عنها فی قصة فاطمة رضی اللہ عنها وحفظه معمر بن راشد فرواه مفصلا و جعله من قول الزهری منقطعا من الحدیث وقد روینا فی الحدیث الموصول عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه ومن تابعه من اهل المغازی ان علیا

---

[1] کتاب الزهری ، ص ۱۵۱ ، طبع اول بیروت ، ماخوذ از تاریخ ابن عساکر ۔

رضی اللہ عنہ بایعہ فی بیعۃ العامۃ بعد البیعۃ التی

جرت فی السقیفۃ ۔ لہ

ان سابق علماء کے بیانات کی روشنی میں مسئلہ صاف ہو گیا ہے کہ بیعت میں کوئی تاخیر نہیں ہوئی تھی ایک دو روز کے اندر اندر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ تاخیر بیعت کا مسئلہ صحیح نہیں ہے۔ یہ راویوں کی طرف سے روایت میں اندراج ہے جو قابل قبول نہیں۔

شیعہ کتب میں بیعت کا ثبوت

شیعہ دوستوں نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیعت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ اپنی کتابوں میں بے شمار مقامات میں ذکر کی ہے۔ صرف اتنی چیز کا اپنی طرف سے اضافہ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت جبراً و قہراً لی گئی تھی اور حضرت علیؓ نے بطور تقیہ کے بیعت کی تھی۔ ذیل میں چند ایک حوالہ جات بطور نمونہ ذکر کئے جاتے ہیں۔ تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔

۱۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کرنے والے لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ حتیٰ کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے لائے تو انہوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بیعت کی تب ان لوگوں نے بھی بیعت کی۔

لہ الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی ص ۱۸۰ طبع مصر و ص ۲۰۳ طبع بیروت۔ باب اجتماع المسلمین علی بیعۃ ابی بکر الصدیق رض۔ علامہ بیہقی کی تائید میں مندرجہ ذیل علماء نے کی ہے۔ ملاحظہ ہوں۔ (۱) فتح الباری لابن حجرؒ ج سابع ص ۳۹۳۔ تحت غزوہ خیبر (۲) ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ششم ص ۳۵۵۔ تحت غزوہ خیبر

و یقولون بایع بایعوا حتی جاؤا بامیر المؤمنین علیه السلام مکرها فبایع ـه

۲۔ پھر امام محمد باقر رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ جب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالے عنہ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ شریف میں واپس آگئے اور دیکھا کہ بیعت کے لئے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ جمع ہو چکے ہیں تو اسامہ رض حضرت علی رض کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے ؟ تو حضرت علی رض نے فرمایا کہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہی ہے ۔ پھر اسامہ رض نے پوچھا کہ آپ نے ابوبکر رض سے بیعت کر لی ہے ؟ حضرت علی رض نے فرمایا کہ ہاں کر لی ہے ۔

فلما وردت الکتاب علی اسامة رضی الله تعالی عنه انصرف بمن معه حتی دخل المدینة فلما رأی اجتماع الخلق علی ابی بکر انطلق الی علی بن ابی طالب رضی الله تعالی عنه فقال ما هذا ؟ قال له علی هذا ما تری ۔ قال اسامة رض فهل بایعته ؟ فقال نعم ـه

بیعت میں تعجیل ہے تاخیر نہیں

احتجاج الطبرسی شیعوں میں مذکورہ بالا ذخیرہ امام محمد باقر رح سے اس طرح منقول ہے کہ

لہ (۱) فروع کافی ، ج ثالث ، ص ۱۵ ، کتاب الروضہ ، طبع نولکشور لکھنؤ ۔

(۲) کتاب الروضہ من الکافی ، ج ثامن ، ص ۲۹۵ ، طبع جدید تہران مع شرح فارسی ۔

(۳) رجال کشی ، ابو عمرو کشی ، ص ۴ ، مطبوعہ بمبئی ۔

" " " ص ۱۰ ، مطبوعہ تہران ، تذکرہ سلمان فارسی رض ۔

ته احتجاج طبرسی ، ص ۵۰ ، مطبوعہ مشہد عراق ۱۳۰۲ھ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت خلافت ایک دو روز کے اندر تجدید ہوئی تھی اس میں بیشتر ماہ کی تاخیر نہیں ہوئی تھی۔

وجہ یہ ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قتال کے لیے امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت روانہ ہونے لگے تو اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ شریف کے باہر ٹھہر گئے تھے اس دوران میں سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض کی کیفیت شدید ہو گئی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ تو وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع پہنچنے پر اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت واپس آگئے۔ اور حضرت علی رضہ کے پاس حاضر ہو کر بیعت صدیق رضہ کا معاملہ دریافت کیا۔ حضرت علی رضہ نے اثبات میں جواب دے کر واضح کر دیا کہ میں نے بیعت کر لی ہے آپ بھی ان سے بیعت کر لیں۔ یہ تمام واقعہ دو تین دن کے اندر کا ہے۔ اس میں کچھ مزید تاخیر نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اس روایت سے تعجیل بیعت کا مسئلہ کلیۃً حل ہو جاتا ہے۔

تنبیہ :- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کا مسئلہ ہم نے اپنی کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی کے باب دوم ص ۲۲۸ تا ص ۲۶۲ میں تفصیلاً درج کر دیا ہے۔ بقایا شیعی حوالہ جات کے لیے وہاں رجوع فرمالیں۔

○

بن خولی رضہ نے نداء دی کہ اے علی بن ابی طالب رضہ ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ اس فضیلت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ آپ ہمیں بھی اس سعادت میں شریک کریں۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی اور وہ شریکِ غسل ہوئے۔

غسل کی کیفیت اس طرح تھی کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص مبارک کو اتارا نہیں گیا اور عدم تجرد ثیاب کی کیفیت میں ہی غسل دیا گیا۔ اسامہ بن زیدؓ اور ابو صالح رضہ پانی ڈالتے اور حضرت علی المرتضیٰ رضہ غسل دیتے تھے۔ [1]

کفن — غسل نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فراغت کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو دو سفید اور ایک سرخ چادر میں کفن دیا گیا۔ اور خوشبو استعمال کی گئی۔ [2]

جنازہ — اس کے بعد جنازہ نبوی صلعم کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کے لئے کوئی امام نہیں ہوگا۔ ایک جماعت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہو کر تکبیر کہیں درود و صلوٰۃ کہیں اور دعا کے کلمات کہہ کر حجرۂ نبوی صلعم سے باہر آجائیں۔ پھر دوسری جماعت داخل ہو اور وہ بھی اسی طرح کلمات ادا کر کے حجرۂ مبارک سے باہر آجائیں۔ حتیٰ کہ تمام لوگ اسی کیفیت میں

---

[1] (۱) البدایہ، ج خامس، ص ۲۶۰۔ تحت غسلہ علیہ السلام۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام ج ثانی، ص ۶۶۲، تحت من تولی غسل الرسول صلعم۔

(۳) الاصابہ، ج ۱، ص ۹۹، تحت اوس بن خولی۔

[2] (۱) البدایہ، ج خامس، ص ۲۶۳، تحت صفۃ کفنہ علیہ السلام۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ج ثانی، ص ۶۶۳، تحت تکفین الرسول صلعم۔

جنازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ادا کیں۔ [1]

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ کی ہدایت کے مطابق پہلے مرد مہاجرین و انصار وغیرہم پھر عورتیں، پھر بچے اور پھر غلام سب نے بغیر امام صلوۃ جنازہ ادا کی۔ [2]

جنازہ نبوی صلعم کا یہ طریق خصوصیات نبوی میں سے ہے باقی امت کے لئے یہ حکم نہیں۔ یہاں یہ چیز قابل وضاحت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں مدینہ طیبہ میں جو صحابہ کرام رض، مہاجرین و انصار وغیرہ موجود تھے۔ ہاشمیوں سمیت وہ تمام حضرات جنازہ میں شامل و شریک ہوئے تھے۔ یہاں ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے، ہم عنقریب اس کا حل پیش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالے۔

دفن

ان مراحل کے بعد مسئلہ پیش آیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو کس مقام میں دفن کیا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ۔

" جس مقام میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے آپ وہیں مدفون ہوں گے " [3]

چنانچہ دفن نبوی صلعم کے سلسلہ میں اصحاب سیرت نے ذکر کیا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے لئے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالے عنہ قبر مبارک میں داخل ہوئے۔ اور فضل بن عباس، قثم بن عباس، شقران (غلام نبوی صلعم) رضی اللہ تعالے عنہم نے دفن نبوی میں ان کی معاونت کی۔ [4]

---

[1] شمائل ترمذی، ص ۲۸-۲۹، طبع مجتبائی دہلی، باب ما جاء فی وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر، ج خامس، ص ۲۶۵-۲۶۶، تحت کیفیۃ صلوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۲) سیرت لابن ہشام، ج ثانی، ص ۳۴۳ تحت دفن الرسول وصلوۃ علیہ۔

[3] شمائل ترمذی، ص ۲۸-۲۹، طبع مجتبائی دہلی، باب ما جاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حجرہ میں بنایا گیا جو تا قیامت اہل اسلام کے لئے مرجع زیارت اور منبع فیوض و برکات ہے۔

ایک اشتباہ

اس مقام میں مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ بعض روایات میں پایا گیا ہے کہ شیخین حضرات (سیدنا حضرت صدیق و سیدنا حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں حاضر نہیں ہوئے تھے (سقیفہ بنی ساعدہ، مرکز انصار میں چلے گئے تھے۔ ان کی واپسی سے قبل آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن ہو گیا تھا۔ گویا یہ لوگ غسل، جنازہ، کفن اور دفن میں شریک نہ ہوسکے)۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب امور سر انجام دیئے۔

اس چیز کو معترض لوگوں نے بڑی رنگ آمیزی کر کے نہایت آب و تاب کے ساتھ نشر کیا ہے اور امت کے سر برآوردہ حضرات کے حق میں بدظنی پھیلائی ہے۔

رفع اشتباہ

جس روایت سے یہ طعن اخذ کیا گیا ہے وہ کوئی صحاح کی روایت نہیں ہے بلکہ ایسی کتب کی روایت ہے جن میں ہر قسم کی روایات صحیح، سقیم، قوی اور ضعیف فراہم کی گئی ہیں۔

لہ (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) نہایہ لابن کثیر ج ۵ خامس ص ۲۷۰-۲۷۱ تحت صفۃ قبرہ علیہ السلام

(۲) سیرت لابن ہشام ج ثانی ص ۶۶۴ تحت من تولی دفن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) الاصابہ لابن حجر ج اول ص ۹۹ تحت (۳۴۳) اوس بن خولی رضی اللہ عنہ (الانصاری)۔

تاہم فنِ حدیث کے اعتبار سے اس روایت کا مرتبہ یہ ہے کہ یہ سنداً منقطع ہے اور متناً شاذ ہے۔ اس کی قدرے وضاحت پیش خدمت ہے۔

وجہ انقطاع

یہ روایت عروہ بن زبیر سے منقول ہے۔ اور عروہ بن زبیر اس واقعہ (انتقالِ نبوی ﷺ) میں موجود نہیں ہیں۔ ان کی ولادت اواخر خلافت فاروقی یا اوائل خلافت عثمانی یعنی اس واقعہ سے کم و بیش بارہ سال بعد ہوئی ہے[1]۔ لہٰذا ناقل واقعہ ہذا موقع پر موجود نہیں کسی دیگر شخص نے ان سے یہ روایت بیان کی ہے۔

وجہ شذوذ

اور وجہ شذوذ یہ ہے کہ باقی معروف روایات میں شیخین رضی اللہ عنہما سیدنا حضرت صدیق اکبر اور سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ان مواقع میں موجود ہونا یقینی طور پر مذکور ہے۔ غسل کے حالات ہوں یا جنازہ اور دفن کے ہوں ان تمام مواقع میں سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود رہے۔ بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی شمائل میں مضمون بالا بڑی وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق اور ہدایت کے موافق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا اور پھر اس کے بعد ان کی ہدایت کے مطابق صلوٰۃ جنازہ بنی ہاشم سمیت تمام اہل مدینہ نے ادا کی اور پھر حجرۂ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں دفن کا انتظام کیا گیا۔ اور یہ سب احوال سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کی بیعت صدیقی رضی اللہ عنہ کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ ان مسائل میں معروف روایات بے شمار اور کثیر ہیں۔ جو سنداً متصل اور متناً معروف ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان میں سے چند ایک کا حوالہ حاشیہ[3] میں دیا گیا ہے۔

---

[1] (۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی رح ج اول ص ۵۸ تحت عروہ بن زبیر۔
(۲) تہذیب التہذیب ص ۱۸۳ و ۱۸۲ ج سابع تحت عروہ بن زبیر۔

[3] (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تاکہ اہل علم رجوع فرما کر اطمینان حاصل کر لیں۔

ان معروف و متصل روایات کی روشنی میں یہ امر واضح ہو گیا کہ معترض کی پیش کردہ روایت شاذ روایت ہے۔ اور شاذ روایت کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ:

الشاذ اذا شذ لا تقبل مما شذ فیہ [1]

۲: نیز روایات مذکورہ بالا میں عروہ بن زبیر کا یہ قول ہے جس کی متابعت دیگر رواۃ (صحابہ کرام رض اور تابعین رح) کی طرف سے نہیں پائی گئی۔ اس بنا پر یہ قول غیر مقبول ہے۔
("ھذا قول لا یتابع علیہ")۔

الزامیات

پیش کردہ روایت کا جواب ہم نے قواعد کے مطابق اپنی کتابوں سے پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد ہم علی سبیل التنزل شیعہ کی معتبر کتب سے بھی ان اکابر حضرات (سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا ان مراسم میں شامل و شریک ہونا ذکر کرتے ہیں۔ اور جنازہ نبوی صلعم میں تمام مہاجرین و انصار حضرات کی شمولیت و شرکت پیش کی جاتی ہے۔ ان میں شیخین حضرات رض

---

[1] حدیث مذکور کے ماخذ: (۱) شمائل ترمذی ص ۲۸-۲۹ طبع مجتبائی دہلی، باب ما جاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص [illegible] تحت باب جہاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دفنہ

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۳، ص ۳۹۵، کتاب الجنائز باب من یکون اولیٰ بغسل المیت۔

(۴) البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۶۵، تحت کیفیۃ الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ۳۰، کتاب الجنائز یصلون علی الجنازۃ افرادا۔

(۶) التبصیر فی الدین لابی المظفر الاسفرائینی، ص ۲۵-۲۶، تحت الباب الاول، طبع مصر

(۷) السنن لابن ماجہ، ص ۱۱۸، طبع دہلی، باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] حاشیہ نمبر ۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۳، ص ۳۰۳، طبع ملتان، تحت روایت والوجہ تغیر

بعض درج ذیل ہیں ۔

۱۔ شیعہ کتب کے سب سے قدیم سلیم بن قیس ہلالی العامری الکوفی (یہ شیعہ کے نزدیک حضرت علی رض کے صحابی ہیں) اپنی کتاب "سلیم بن قیس" میں ذکر کرتے ہیں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر حضرت علی رض نے دس دس مہاجرین اور دس دس انصار کی جماعتوں کو صلوٰۃ جنازہ کے لئے داخل فرمایا ہوا حجرہ شریفہ میں، داخل ہو کر دعا کرتے تھے پھر خارج ہو جاتے تھے اس طرح جب موجود مہاجرین اور انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ ادا کی حتیٰ کہ ان میں سے ایک فرد بھی نہ رہا جس نے آنجناب پر صلوٰۃ جنازہ ادا نہ کی ہو ۔

ثم ادخل عشرة من المهاجرين وعشرة من الانصار فكانوا يدخلون ويدعون ويخرجون حتى لم يبق احد شهد من المهاجرين والانصار الا صلى عليه۔ [1]

۳۔ اصول کافی میں ہے ۔

عن ابی جعفر (محمد باقر) قال لما قبض النبی صلی الله علیه وسلم صلت علیه الملئکة والمهاجرون والانصار فوجا فوجا۔ [2]

یعنی امام محمد باقر رح فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقبوض ہوئے تو آپ پر تمام ملائکہ تمام مہاجرین اور تمام انصار نے فوج در فوج (جماعت بعد جماعت

---

[1] کتاب سلیم بن قیس ص ۱۱، طبع اوّل مطبوعہ نجف اشرف، تحت حالات انتقال نبوی صلعم ۔

[2] اصول کافی، ص ۲۰۰، طبع لکھنؤ، تحت ابواب التاریخ، باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ۔

صلوٰۃ جنازہ ادا کی۔

۳۔ "احتجاج" طبرسی میں ہے کہ۔

ثم ادخل عشرة من المهاجرين وعشرة من الانصار فيصلون ويخرجون حتى لم يبق من المهاجرين والانصار الا صلى عليه۔ له

یعنی حضرت علیؓ نے دس دس مہاجرینؓ اور دس دس انصارؓ کو حجرہ شریفہ میں داخل کیا جو نماز جنازہ ادا کر کے نکلتے اور حجرہ شریفہ سے باہر آ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ مہاجرین و انصار میں سے ایک بھی فرد باقی نہ رہا جس نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز ادا نہ کی ہو۔

۴۔ "حیات القلوب" میں ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ۔

"شیخ طبرسی از امام محمد باقرؑ روایت کردہ است کہ دہ دہ نفر داخل مے شوند و بغیر امام بر آں حضرت نماز مے کردند در روز دوشنبہ و شب سہ شنبہ تا صبح و روز سہ شنبہ تا شام۔ تا آنکہ خویش و بیگانہ مرد و زن از اہل مدینہ و اہل اطراف مدینہ ہمہ بر آنجناب ہمچنیں نماز کردند۔ ٢ه

یعنی امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جنازہ نبوی کی صورت یہ کی گئی کہ دس دس افراد نماز جنازہ کے لیے حجرہ میں داخل ہوں اور بغیر امام کے نماز ادا کریں۔ سوموار کے روز اور منگل کی شب صبح تک اور منگل تمام روز شام تک یہ

له "احتجاج" طبرسی، ص [illegible]، طبع تہران، تحت بحث وفات نبوی بروایت سلیم بن قیس الہلالی۔

٢ه حیات القلوب: از ملا باقر مجلسی، ج دوم، ص ۶۹۹، باب شصت و ہفتم، طبع لکھنؤ۔

سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بڑے مرد و عورت اہل مدینہ و اہل اطرافِ مدینہ تمام لوگوں نے آپ کی اسی طرح نمازِ جنازہ ادا کی"

مسئلہ ہذا کے لئے حوالہ جات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ ان میں سے چند روایات نقل کی گئی ہیں جو شیعوں کے نزدیک ان کے اکابر کرام کی معتبر روایات ہیں۔ ان میں واضح طور پر مسئلہ آ گیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ جنازہ تمام مہاجرین اور تمام انصار نے جماعت بعد جماعت بغیر امام ادا کی اور اسی طرح تمام اہل مدینہ و اطرافِ مدینہ نے بھی نمازِ جنازہ کا فریضہ ادا کیا۔

ان مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور اہل مدینہ میں داخل ہیں۔ لہٰذا ان حضرات میں سے کوئی ایک فرد بھی شمولِ صلوٰۃ جنازہ سے باقی نہیں رہا۔ بلکہ یہ سب حضرات شامل ہوئے۔

معترض دوستوں نے جو روایت عدم شمولیتِ جنازہ و دفنِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ پیش کی ہے وہ شیعہ سنی ہر دو فریق کی مرویات کے خلاف ہے۔ اور فنی لحاظ سے غلط ہے اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ الشقۃ اذا شذ وبقیل ما شذ فیہ[1] یعنی فن حدیث کا قاعدہ ہے کہ شاذ روایت معروف مرویات کی موجودگی میں قابلِ عمل نہ ہوگی۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف . . . . تحت مرہبت تا طرفت قمیں ا طبع ملتان۔

ابی بکر رضہ لہ

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے تیاری فرمائی اور مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر صدیق رضہ کے پیچھے نماز ادا کی۔

اس مسئلہ میں کثیر حوالہ جات موجود ہیں جن میں سے بعض ہم نے " رحماء بینہم " حصہ صدیقی باب دوم ، ص ۲۹۳ تا ص ۲۶۹ ذکر کئے ہیں ۔ ناظرین حسب ضرورت ادھر رجوع فرما سکتے ہیں ۔

مرکز اسلام کی نگرانی اور حضرت علی رضہ کا کردار

عہد خلافت صدیقی کے ابتدائی دور میں مختلف نو مسلم قبائل اسلام سے برگشتہ ہو گئے ۔ چنانچہ ، بنو حنیفہ ، مسیلمہ کذاب کی طرف رجوع کرنے لگے اور طلیحہ اسدی کی متابعت میں ، بنو اسد ، اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اس کے علاوہ اطراف مدینہ کے متعدد جدید الاسلام قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے ۔ اس طرح حالات نے شدت اختیار کر لی اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ باطل قوتیں مرکز اسلام پر یورش نہ کر دیں ۔

ان مراحل میں حضرت علی رضہ نے خلیفہ اسلام کے ساتھ دست تعاون دراز رکھا ۔ جب خلیفہ اول نے مرکز اسلام " مدینہ طیبہ " کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کیں اور مدینہ طیبہ کے اہم مقامات اور گزرگاہوں پر نگران دستے مقرر کئے جو شب و روز نگرانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے تو ان حفاظتی دستوں کے امیر اور والی حضرت علی المرتضیٰ رضہ ، زبیر بن عوام ، طلحہ بن عبید اللہ رضہ ، سعد بن ابی وقاص رضہ ، عبد الرحمن بن عوف رضہ ، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ، جیسے اکابر صحابہ کرام رضہ کو مقرر فرمایا ۔ اور یہ حضرات حالات کے معمولی

لہ احتجاج طبرسی ، ص ۵۳ طبع نجف ، بحث احتجاج امیر المومنین علی ابی بکر ۔ مع ترجمہ ۔

پر آنے تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

فجمع الصدیق علی انقاب المدینۃ حرساً یبیتون بالجیوش حولہا فمن امراء الحرس علی بن ابی طالب والزبیر بن العوام وطلحۃ بن عبید اللہ وسعد بن ابی وقاص وعبد الرحمٰن بن عوف وعبد اللہ بن مسعودؓ (رضی اللہ عنہم)۔

یہی مضمون کو شیعہ علماء نے بھی اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

۲ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید الشیعی ج ۴ طبع ۱ ص ۲۲۸ طبع تبریز۔

وادی ذی القصہ کی طرف اقدام اور خلیفۂ اول سے حضرت علیؓ کا تعاون

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اعراب یعنی جنگلی قبائل کے ساتھ قتال کی ضرورت پیش آئی اور حالات نے بتلایا کہ ان اعراب کے ساتھ اس وقت قتال کرنا ضروری ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ صحابہ کرام کے ساتھ بنفس نفیس اپنی ناقہ پر سوار ہو کر تیغ برہنہ لئے ہوئے مدینہ شریف سے نکل پڑے یہ وادی ذوالقصہ کی طرف ایک اہم اقدام تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی سواری کی باگ تھام لی اور کہنے لگے اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو وہی بات یاد دلاتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن فرمائی تھی۔ آپ اپنی تلوار کو نیام میں کریں اور اپنی ذات کے متعلق ہمیں کسی پریشانی میں نہ ڈالیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہمیں آپ

۱ (۱) البدایہ لابن کثیر ج ۶ ص ۳۱۵۔ فصل فی تصدی الصدیق لقتال اہل الردۃ۔

(۲) تاریخ ابن خلدون جلد ثانی ص ۸۶۵۔ تحت عنوان الخبر عن الردۃ ... طبع بیروت۔

کی ذات کے متعلق کوئی مصیبت پہنچی تو آپ کے بعد اسلام کے کوئی صحیح نظم قائم نہیں رہ سکے گا۔

حضرت علیؓ کی اس گزارش پر حضرت صدیق اکبرؓ واپس ہوئے اور دیگر لشکر کو جو آپ کے ہمراہ تھا ذوالقصہ کی طرف روانہ فرما دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی معیت میں ان مواقع میں اپنی طرف سے پورا پورا تعاون کیا اور خلیفہ اوّل کے ساتھ نظم و نسق میں مکمل طور پر شریک کار رہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس مضمون کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔

عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رض قالت خرج ابي شاهرا سيفه راكبا على راحلته الى وادي القصة فجاء علي بن ابي طالب رض فاخذ بزمام راحلته فقال الى اين يا خليفة رسول الله اقول لك ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم احد لم سيفك ولا تفجعنا بنفسك فوالله لئن اصبنا بك لا يكون للاسلام بعدك نظام ابدا۔ فرجع وامضى الجيش۔ [1]

انہی واقعات کی تائید شیعہ علماء نے بھی معتبر تصانیف میں کر دی ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا قول مذکور ہے۔

فنهضت في تلك الاحداث حتى زاح الباطل و زهق واطمان الدين و تنهنه ۔ [2]

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ج سادس ص ۳۱۵، فصل تصدی الصدیق لقتال اہل الردۃ۔

[2] نہج البلاغہ ج ۲، ص ۱۱۹ ۔ تحت من کتاب له علیہ السلام الی اہل مصر مع مالک الاشتر، طبع مصر

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ یہ فتنے ختم ہو گئے اور دین اسلام آرام کرنے لگا۔

خلیفہ اول کے ساتھ روابط

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دینی و معاشرتی معاملات بہترین طریقے سے قائم تھے۔ اس سلسلہ میں بے شمار واقعات تاریخ اسلامی میں مذکور ہیں۔ یہاں ان کی تفصیلات مقصود نہیں صرف چند ایک چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔

تقسیم اموال خمس میں حضرت علی رض کی تولیت

ہاشمی حضرات کو غنائم سے اپنا حصہ خلیفہ اسلام کی طرف سے ادا کیا جاتا تھا تو تقسیم خمس کی تولیت حضرت علی رض کے سپرد تھی۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رض نے حضرت علی المرتضیٰ رض کی تولیت کو طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق قائم رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت علی رض دورِ صدیقی میں حضرت صدیق اکبر رض کے حکم سے اموال خمس کی تقسیم کے متولی تھے۔

فولّانیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقسمتہ فی حیاتہ ثم ولّانیہ ابو بکر فقسمتہ فی حیاتہ ..... الخ [1]

---

[1] (۱) کتاب الخراج للامام ابو یوسف ص ۲۰ طبع مصر، باب فی قسمۃ الغنائم۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۷۰ طبع کراچی۔ کتاب الجہاد تحت ما قالوا فی الفئ لمن ہو۔

(۳) ابوداؤد شریف کتاب الخراج ج ۲ ص ۹ باب بیان مواضع قسم الخمس۔

(۴) (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ اول کے ساتھ ان معاملات میں شریک کار تھے اور خلیفہ اول کی ہدایت کے تحت اپنے اہل خمس کی تقسیم کے متولی تھے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جائز اور برحق خلیفۂ اسلام تسلیم کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر انہیں کسی قسم کا اعتراض نہیں تھا۔ یہ چیز انہوں نے اپنے عملی روابط کے ذریعے واضح کر دی ہے۔

دینی مسائل میں مشاورت

علمائے تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ صدیقی خلافت میں ایک مشاورتی مجلس قائم تھی جس میں سربرآوردہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شامل کیا ہوا تھا۔

خلیفۂ اول کے پاس جب کوئی اہم دینی معاملہ پیش آتا تھا تو آپ اہل الرائے اور اہل علم حضرات کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان میں مہاجرین میں سے حضرت عثمان غنی، حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو۔ اور انصار میں سے حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدعو کرتے تھے۔ یہ حضرات صدیقی خلافت میں دینی مسائل میں فتویٰ دینے والے شمار کئے جاتے تھے۔ اور صدیقی دور میں اور بعد میں بھی یہی طریق کار قائم رہا۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

"...... کان هؤلاء یفتون فی خلافة ابی بکر رض
انما تصیر فتوی الناس الی هؤلاء فمضی ابو بکر..."

---

(۲) بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: مسند امام احمد: مرویات جلد اول تحت مسندات علی بن ابی طالب: طبع مصر۔

علی ذٰلک۔ لہ ۔ شد

شیعی مؤرخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں انہی مذکورہ بالا حضرات کا صاحب افتاء ہونا لکھا ہے۔ مزید ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت یہ تمام حضرات عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں دینی معاملات میں جانے رجوع تھے اور مسائل میں ان پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

وکان من یؤخذ عنہ الفقہ فی ایام ابی بکر رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و عمر بن الخطاب و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت و عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم) ۔ لہ

انتظامی امور میں مشاورت

عہد صدیقی میں جب غزوۂ روم پیش آیا تو سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً بدریین کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ ان اکابر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

مشورہ کے دوران حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا۔ تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں آپ اقدام کریں میں نے سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ جو بھی اس دین کی مخالفت کرے گا یہ دین اس پر غالب آکر

لہ طبقات ابن سعد ج ثانی ص ۱۰۹ قسم ثانی تحت باب اہل العلم و الفتویٰ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ طبع لیڈن۔

لہ تاریخ یعقوبی ج ثانی ص ۱۳۸ طبع بیروت۔ (آخر ایام ابی بکر رضی اللہ عنہ)۔

رہے گا تاوقتیکہ اہل دین کو فوقیت حاصل ہو جائے۔ تو صدیق اکبر رضی نے فرمایا کہ آپ نے بڑا اچھا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔ [1]

غزوہ روم کے متعلق شیعہ علماء نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی کے ساتھ مشورہ ہونا کو بڑے عمدہ طریقہ سے نقل کیا ہے۔

اراد ابوبکر ان یغزو الروم فشاور جماعة من
اصحاب رسول الله فقدموا و اخروا فاستشار
علی بن ابی طالب فاشار ان یفعل فقال ان
فعلت ظفرت فقال بشرت بخیر۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی نے غزوۂ روم کا قصد کیا تو صحابہ رضی کی جماعت سے اس میں مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق تقدیم و تاخیر کا ذکر کیا۔ ابوبکر صدیق رضی نے علی المرتضیٰ رضی سے رائے طلب کی تو انہوں نے اس مہم کو سرانجام دینے کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ اگر آپ اس کا ذکر سرانجام دیں گے تو کامیاب ہوں گے۔ تو صدیق اکبر رضی نے فرمایا کہ آپ نے بڑی بہتر خوشخبری دی ہے۔

اس واقعہ کو شیعی مورخ لسان الملک نے ناسخ التواریخ میں حسب ذیل ذکر کیا ہے۔

" ابوبکر رضی رو بعلی رضی کرد و گفت یا ابا الحسن! تو چہ فرمائی؟ علی فرمود

---

[1] (۱) کنز العمال، ج ۳، ص ۱۴۳، ۱۴۴۔ کتاب الخلافۃ مع الامارت ر ابحث ..., طبع قدیم۔
(۲) تاریخ خمیس، ج ثانی، ص ۲۴۳۔ تحت ذکر الغزو فی الشام۔

[2] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۳۲، طبع جدید بیروت۔ تحت ایام ابی بکر رضی۔

چه تو نزد خود بگیری و چه بسپاری بجای ظفر تراست۔ ابوبکر گفت بشرک الله یا ابوالحسن از کجا گوئی فرمود از رسول خدا۔ ابوبکر گفت بدین حدیث مرا شاد کردی۔ ؎

مطلب یہ ہے کہ غزوۂ روم میں حضرت علی المرتضیٰ رضہ نے حضرت صدیق اکبر رضہ کو اس معاملہ میں اقدام کرنے کا مشورہ دیا اور ساتھ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فرمائی کہ اہل اسلام کو اس میں ظفر اور کامیابی ہوگی۔ حضرت ابوبکر رضہ نے آپ سے کہا اے ابوالحسن! اللہ آپ کو بشارت اور خوشخبری دے آپ نے یہ حدیث سنا کر مجھے خوش کر دیا ہے۔

چنانچہ مشورہ ہذا کے بعد اہل اسلام نے غزوۂ روم کی طرف اقدام کیا۔ اور فتحیاب ہوئے۔ گویا اس قسم کے اتفاقی امور مشورہ کے ساتھ طے ہوتے تھے اور ان پر عمل درآمد کیا جاتا تھا اور حضرت علی رضہ اس میں شامل ہوتے تھے۔ ایسی مہمات میں حضرت علی رضہ کا حضرت صدیق اکبر رضہ کے ساتھ تعاون رہا کرتا تھا۔ اور آپ نے دست تعاون دراز رکھتے تھے۔

تدوین قرآن کا کارنامہ

جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے کا مسئلہ پیش آیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے کبار حفاظ اور قراء یوم یمامہ (مسیلمہ کذاب سے جنگ) میں شہید ہوئے اس وقت اکابر صحابہ کرام رضہ کو

؎ ناسخ التواریخ از مرزا محمد تقی لسان الملک، ج دوم، ص ۱۵۸، کتاب دوم، تحت عنوان تصمیم عزم ابی بکر بتسخیر ممالک شام، طبع تہران۔

اس بات کی فکر ہوئی کہ قرآن مجید کو دو دستیوں کے درمیان مدوّن کرنا ضروری ہے قرآن مجید کے متعدد قرّاء اور حفاظ مرتع بر تع شہید ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے قرآن مجید کے مختلف اجزاء جو متفرق لکھے رکھے تھے ان کو یکجا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور اس کام کو بڑی اہمیت دی۔ اور جلد تر اس کی تکمیل کرائی۔ تاکہ کلام اللہ ایک جلد میں مدوّن و محفوظ ہو جائے۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ

" وكان القرآن مكتوبا في الصحف ولكن كانت مفرقة فجمعها ابوبكر في مكان واحد الخ "[1]

اس مقام میں ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اس عظیم کام میں حضرت علی المرتضیٰ رض خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ من وعن متفق اور رضا مند تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رض نے اپنی متعدد روایات میں خود یہ اظہار کیا ہے کہ اوّل اوّل قرآن مجید کو مدوّن کرنے والے ابوبکر صدیق رض ہیں۔ حضرت علی رض ساتھ ساتھ ابوبکر صدیق رض کو دعائیں دیتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کا یہ اہم کارنامہ سرانجام دیا اور جمع مصاحف کے سلسلہ میں اجر عظیم کے مستحق ہوئے۔

محدث ابن ابی شیبہ رح نے " المصنف " میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان اس طرح ذکر کیا ہے۔

عن عبد خير قال سمعت عليا يقول رحمة الله على ابي بكر كان اول من جمع بين اللوحين "[2]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری، ج ۹، ص ۱۰، باب جمع القرآن۔

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ، ج ۱۲، ص ۲۶، کتاب الاوائل، طبع کراچی۔

(۲) بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔

یعنی عبد خیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ ابوبکر صدیق رض کی ذات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھیج رہے تھے۔ کہتے تھے کہ دو دفتیوں کے درمیان قرآن مجید کو سب سے پہلے پہلے جمع کرنے والے ابوبکر صدیق رض ہیں ۔"

اور ابن ابی داؤد نے اپنی تالیف "کتاب المصاحف" میں حضرت علی رض کے بہت سے فرامین باسند ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے۔

"عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول اعظم الناس اجرا فی المصاحف ابوبکر رحمة اللہ علی ابی بکر هو اول من جمع بین اللوحین" له

یعنی عبد خیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رض سے سنا وہ فرما رہے تھے جمع مصحف کے مسئلہ میں تمام لوگوں میں سے عظیم اجر کے مستحق ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ سب سے پہلے یہ قرآن مجید کو دو تختیوں کے درمیان مدون کرنے والے ہیں۔"

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا کتابی شکل میں مدون ہونا صدیقی عہد کا عمل ہے اور اکابر صحابہ کرام رض بشمول حضرت علی المرتضیٰ رض اس معاملہ کو اہم اور ضروری سمجھتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۲) المصنف لابن ابی شیبہ، جلد عاشر ص ۵۴۴، ۵۴۵، کتاب فضائل القرآن طبع کراچی

له (۱) کتاب المصاحف، ص ۵-۶ باب جمع القرآن، طبع مصر للحافظ ابی بکر عبد اللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۳۱۶ھ)۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۹ باب جمع القرآن تحت حدیث زید بن ثابت رض۔

پیش نظر ہے کہ اس اجتماعی کام پر کوئی اختلاف نہیں ہوا تھا۔ سب یہی وہ اصل کتاب ہے جو منزل من اللہ کتاب ہے۔ جس کو ہم مسلمانوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا ہوا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان (ہاشمی یا غیر ہاشمی حضرات) کے پاس کوئی بھی قرآن نہیں تھا (اصل یا غیر اصل قرآن کے نظریات بعد میں مخالفین قرآن کے پیدا کردہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہی قرآن مجید تھا (جو صدیقی دور میں مدون ہوا) ان کے اپنے دور حکومت و خلافت میں بھی یہی قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا اور اسی پر عمل درآمد جاری تھا۔ اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھی یہی قرآن (صدیقی دور کا جمع شدہ) تھا کوئی دوسرا قرآن مجید نہ تھا۔

لہٰذا اصل قرآن اور غیر اصل قرآن کا تصور پیدا کرنا سراسر غلط ہے۔

تنبیہ

تدوین قرآن مجید کے مسئلہ میں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کو یہاں بیان کر دینا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول دستیاب ہوتا ہے کہ جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو میں نے حلف اٹھائی کہ جب تک میں قرآن کو جمع نہ کروں اپنے اوپر نماز کے بغیر چادر نہ اوڑھوں گا (اس حالت میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کیا)۔

یعنی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً قرآن مجید جمع نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا۔ یہ سابقاً پیش کردہ روایات اس کے خلاف ہیں۔

اس استثناء کو اس فن کے کبار علماء نے کلیۃً رفع کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں۔

...... فاسنادہ ضعیف لانقطاعہ .... والذی وقع فی بعض طرقہ حتی جمعتہ بین اللوحین وھم من رویہ (قلت) وما تقدم من روایۃ عبدخیر عن علی اصح فھو المعتمد [1]

یعنی یہ روایت (چادر اوڑھنے والی) روایت منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ اور حضرت علی رض کا قول کہ دو تختیوں کے درمیان میں نے قرآن جمع کر دیا یہ وہم راوی ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ حضرت علی رض سے عبد خیر والی سابقہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور اسی پر اعتماد ہے۔ (یعنی دیگر روایات قابل اعتماد نہیں)۔

مختصر یہ کہ تدوین قرآن مجید کے سلسلہ میں حضرت صدیق اکبر رض کے حق میں جو حضرت علی رض کے فرمودات درج کیے گئے ہیں وہ درست اور راجح ہیں۔ مذکورہ خلاف اٹھانے والی روایت مرجوح ہے۔ فلہٰذا صدیق اکبر رض نے ہی اوّلاً قرآن مجید جمع کرایا تھا۔ باقی حضرات نے اس کی توثیق کی تھی۔ [2]

اور یہ مسئلہ قبل ازیں «رحماء بینہم» حصہ اوّل صدیقی باب دوم فصل اوّل کے آخر میں اپنی ضروری تشریح کے ساتھ درج ہو چکا ہے۔

حضرت علیؓ کیلئے کنیزیں

«صدیقی عہد خلافت» میں مرتد قبائل سے قتال ہوا۔ اور فتح مندی کے بعد جس طرح دیگر

---

[1] فتح الباری شرح بخاری، ص ۹ ...، جلد نہم باب جمع القرآن۔

[2] رحماء بینہم، حصہ اوّل باب دوم، ص ۲۱۴ تا ۲۱۸، از مؤلف تالیف ہذا۔

اموالِ غنائم اس دور میں اہلِ اسلام کو حاصل ہوئے اسی طرح آمار کنیزیں بھی ان کو میسر آئیں۔ ان اموالِ غنائم سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بعض کنیزیں عنایت کی گئیں۔

۱۔ قبائل بنی تغلب کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کی جانب سے خالد بن ولید نے قتال کیا تو ان قبائل سے غنائم میں کنیزیں آئیں۔ "خلیفہ اوّل" نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خادمہ عنایت فرمائی جس کا نام ام حبیب بنت ربیعہ تھا۔ اور وہ "الصہباء" کے نام سے مشہور تھی۔ اس خادمہ "الصہباء" سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد بھی ہوئی۔ ایک فرزند عمر بن علی رضی اللہ عنہ اور ایک دختر رقیہ بنت علی رضی اللہ عنہا ہوئے۔ یہ دونوں توام تھے ایک بطن سے متولد ہوئے تھے۔ کتاب نسب قریش میں ہے۔

"وعمر بن علی بن ابی طالب ورقیہ وھما توأم امہما الصہباء یقال "الصہباء" ام حبیب بنت ربیعۃ من سبی تغلب من سبی خالد بن ولید"۔ [1]

اور شیعہ علماء نے بھی "الصہباء" کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا جانا اور اس سے اولاد کا متولد ہونا ذکر کیا ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں۔

(۱) شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید شیعی ج ۲ ص ۷۱۸ طبع بیروت تحت تفصیل اولاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(۲) عمدۃ الطالب لابن عنبہ: ص ۳۶۱ طبع نجف اشرف۔ تحت العقب ابی الحسن۔

---

[1] (۱) کتاب نسب قریش ص ۴۵ تحت اولاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ طبع مصر۔

(۲) طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۸۶ تذکرہ عمر بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

ان مقامات میں شیعہ علماء نے "الصہبا" کا مذکورہ بالا تذکرہ کیا ہے اور اس سے جو حضرت علی رضہ کی اولاد ہوئی وہ بھی ذکر کی ہے۔ رجوع فرما کر تسلی کی جا سکتی ہے۔

۲:- حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کے صاحبزادے جو حسنین رضہ کے بعد سب سے زیادہ معروف ہیں ان کا اسم گرامی محمد بن حنفیہ ہے ان کی والدہ قبیلہ "بنی حنیفہ" کے مغلوب ہونے کے بعد قبیلہ بنو حنیفہ سے قید ہو کر آئی تھیں۔ ان کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس ہے۔ یہ حضرت صدیق رضہ خلیفہ اول کی طرف سے حضرت علی رضہ کو عطا کی گئی تھیں پھر انھوں نے ان کو ام ولد قرار دیا۔ اس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے تھے۔ ابن کثیر رح فرماتے ہیں کہ۔

"وأما ابنه محمد الأكبر فهو ابن الحنفية وهي خولة بنت جعفر بن قيس ...... سبيه خالد أيام الردة من بني حنيفة فصارت لعلي بن أبي طالب فولدت له محمدا هذا" (۱)

اور شیعہ علماء نے بھی یہ مسئلہ اس طرح درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱:- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ جمال الدین ابن عنبہ۔ ص ۳۵۲، ۳۵۳ الفصل الثالث۔

۲:- حق الیقین: از ملا باقر مجلسی، باب مطاعن ابی بکر تحت طعن ششم۔ ملا باقر مجلسی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ج سابع، ص ۳۳۱، تحت اولاد علی رضہ۔

(۲) تاریخ ابن خلکان، ج اول، ص ۴۴۹، تحت تذکرہ محمد بن حنفیہ، طبع قدیم۔

"در روایات شیعہ وارد شدہ است کہ چوں اسیراں را بنزد ابی بکر آوردند مادر محمد بن حنفیہ درمیان آنہا بود" [1]

یعنی شیعہ روایات میں آیا ہے کہ جب ابوبکر کے پاس قیدیوں کو لائے تو ان میں محمد بن حنفیہ کی اماں جان بھی تھیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان تمام مراحل میں متعاون رہتے تھے۔ [2]

عہدِ صدیقی سیدنا علیؓ کی نظروں میں

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد "صدیقی عہد" اسلام میں سب سے اہم دور ہے۔ اس وقت احیائے دین اور انقلابِ ملت کے استحکام کی شدید ضرورت

---

[2] مخصوص عنائم اور انتظامی امور کے کئی دیگر واقعات بھی تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن کی بقدرِ ضرورت توضیح ہم نے اپنی کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی باب سوم میں ذکر کی ہے۔ اگر ضرورت سمجھیں تو ان واقعات کی وہاں بقدرِ کفایت وضاحت مل سکے گی۔

تنبیہ ۱۔ انتقالِ نبوی کے بعد کے واقعات میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارتحال کا واقعہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ امامہ بنت ابی العاص کے نکاح کا ذکر، ان دونوں امور کو یہاں ذکر نہیں کیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس چیز کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ازواج و اولاد کے تذکرہ میں بقدرِ ضرورت بیان کیا جائے گا۔

(بعونہ تعالیٰ)

تھی۔ ان اہم مراحل میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بھی گراں قدر خدمات پائی گئیں۔ ان میں سے یہاں ہم نے یہ چند اشیاء ذکر کر دی ہیں۔ مثلاً

۱۔ مرکزِ اسلام مدینہ طیبہ کی نگرانی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار۔

۲۔ مقام ذوالقصہ کی طرف خلیفہ اوّل کا اقدام اور علوی تعاون۔

۳۔ خلیفہ کے ساتھ علوی روابط۔

۴۔ تقسیم اموالِ غنائم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تولیت۔

۵۔ اہم دینی مسائل میں آپ سے مشاورت۔

۶۔ دیگر انتظامی امور میں مشاورت۔

۷۔ تدوینِ قرآن کے کارنامے کی تائید و توثیق۔

۸۔ اموالِ غنائم کا حصول اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کنیزوں کو قبول کرنا۔

ان امور کی تمہید سے تفصیل آچکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیقی دور میں اسلام کے تمام اہم امور میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رضامندی سے پوری طرح متفق رہے اور ان کے کارناموں میں ان کے ساتھ متحد و متعاون رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دینی و ملی زندگی عہدِ صدیقی میں واضح طور پر شہادت دیتی ہے کہ اس دور کے تمام دینی و انتظامی مسائل بالکل درست تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ کاملاً اتفاق تھا۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کے نزدیک باطل نہیں تھی برحق تھی۔ جو حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال و افعال کو تقیہ پر محمول کر لیتے ہیں اور مجبوری و مصلحت بینی کی زندگی قرار دیتے ہیں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارفع مقام کو اور ان کے عالی اخلاق و کردار کو کئی گونہ اعتراضات کے ساتھ داغدار کر دیا ہے۔

خلافتِ فاروقی اور سیدنا علیؓ

عہدِ فاروقی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے کردار اور تعاون کے متعلق چند ایک امور یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیلات مؤلف کی کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی میں پیش کی جا چکی ہیں تاہم بعض کا اختصاراً اعادہ کرنا یہاں بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا اور حضرت علیؓ کی عملی زندگی کو اجاگر کرنے کے لئے ان چیزوں کو دہرانا بھی سودمند ہے۔ سیدنا علیؓ کا خلیفہ ثانی کے ساتھ عملاً تعاون توافق کرنا اہلِ انصاف کے لئے اتحادِ ملت و اتفاقِ امت کے مسئلہ کو خوب واضح کرتا ہے۔

فاروقی انتخاب پر حضرت علیؓ کی رضامندی اور بیعتِ خلافت

_____ جب صدیق اکبرؓ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے خلیفہ کے بارے میں ایک عہد حضرت عثمانؓ کے ذریعہ تحریر کرایا تھا اور فرمایا کہ اے لوگو! کیا تم اس عہد پر رضامند ہوتے ہو؟

لوگ آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم اس پر رضامند ہیں۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا اگر یہ انتخاب عمر بن الخطابؓ کے حق میں ہے تو ہمیں منظور ہے اور وہ عہد حضرت عمرؓ کے حق میں ہی تھا ....

فقال یا ایہا الناس! انی قد عہدت عہداً أفترضون بہ؟

فقام الناس فقالوا: قد رضینا [illegible] عمر

رالا ان یکون عمر بن الخطاب فکان عمر ملہ

اس نامزدگی کے بعد جہاں دیگر صحابہ کرام ؓ نے حضرت عمر فاروق ؓ کی بیعت کی تھی حضرت علی مرتضیٰ نے بھی اسی علی اتحاد کے اصول کے تحت حضرت عمر فاروق ؓ کی اسی وقت بیعت کر لی تھی۔ یہ بیعت خلافت تھی اس موقعہ پر خلیفہ ثانی کی بیعت کے متعلق صحابہ کرام میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا اور اس فاروقی انتخاب پر امت کا اجتماعی فیصلہ ہوا تھا اس میں کسی کی حق تلفی یا کسی شخصیت پر زیادتی کا کوئی شائبہ تک متصور نہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا اپنا بیان اس معاملہ کے متعلق محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ایک مفصل روایت میں حضرت علی ؓ اس طرح فرماتے ہیں۔

...... فاشار بعمرؓ ولم یال فبایعہ المسلمون

وبایعتہ معھم وکنت اغزو اذا اغزانی واخذ

اذا اعطانی ...... الخ ملہ

یعنی ابوبکرؓ نے آخری اوقات میں حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے متعلق اشارہ کیا اور اس معاملہ میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پس مسلمانوں نے عمر بن الخطاب

ملہ (۱) [المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۳ ج ۱ طبع کراچی
تحت کتاب الفضائل رما ذکر فی فضل عمر بن الخطاب]

(۲) طبقات ابن سعد ص ۱۴۲ ج ۳ تحت تذکرہ ابی بکر

(۳) اسد الغابہ ص ۶۲ ج ۳ تحت تذکرہ عمر بن الخطاب

ملہ (۱) کنز العمال ص ۳۳ ج ۲ بحوالہ حدیث ابن راہویہ طبع اول دکن

(۲) فضائل ابی طالب العشاری ص ... کتب سلیمہ ملتان بعد دیگر رسائل حدیث ابن عوانہ ..

ت ہوئی تو میں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ عمر بن الخطاب کی بیعت کی۔ جب وہ مجھے غزوات میں طلب کرتے تو میں ان کا شریک کار ہوتا تھا اور جب وہ مجھے عطیات و غنائم وغیرہ عنایت فرماتے تو میں ان کو قبول کرتا تھا۔۔۔ الخ

نیز حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کی بیعت کو شیعہ اکابر علماء نے بھی درست تسلیم کیا ہے اور اسے اپنی معتبر کتب میں درج کیا ہے۔ ان کے شیخ طوسی حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں۔

...... فقال رضی اللہ عنہ ...... فبایعت عمر کما بایعتموہ

...... فوفیت له ببیعته ...... عنه

یعنی ...... پھر جس طرح تم نے حضرت عمرؓ کی بیعت کی میں نے بھی اسی طرح حضرت عمرؓ کی بیعت کی ...... اور اس کی بیعت کے حقوق کو میں نے پورا کیا"

...... حضرت علیؓ کے اس کلام کا موقع محل اس طرح ہے کہ جنگ جمل کے بعد شکست خوردہ جماعت حضرت علیؓ کے ہاں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگی تو اس وقت حضرت علیؓ نے ان کے متکلم کو اس کے بیان سے روک کر اپنا بیان شروع فرمایا۔ اس میں مذکورہ بالا کلمات ذکر فرمائے جو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں کسی تشریح توجیہ کے محتاج نہیں۔ ایسے واضح علوی بیانات کو حالات کی مجبوری یا وقتی مصالح پر محمول کرنا حضرت علیؓ کے رفیع مقام کو گرانے کے مترادف ہے

شوریٰ کی رکنیت

جس طرح صدیقی عہد میں ملکی انتظامات کے لئے اکابر صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس شوریٰ تھی اسی طرح فاروقی دور خلافت میں بھی امور مملکت کے لئے ایک مشاورتی کونسل قائم تھی جس میں ملکی معاملات کے اہم معاملات کے لئے حسب ضرورت مشورہ ہوتا تھا۔ اس کونسل کا انعقاد مسجد نبوی

لہ امالی شیخ ابو جعفر طوسی صفحہ ۱۲۱ جلد ۲ طبع نجف اشرف (عراق)

میں (منبر رسول اور قبر شریف کے درمیان) ہوتا تھا اور اس کے ارکین امت مسلمہ کے سربرآوردہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔

..... عہد فاروقی میں جب کوئی اہم ملکی معاملہ آفاق و اطراف سے پیش آتا تو حضرت عمر فاروقؓ ان حضرات سے مشورہ کرتے اور حسب موقع اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا۔

.... فجاء عمر الی مجلس المهاجرین بین القبر والمنبر وکان المهاجرون یجلسون ثم علی وعبد الرحمٰن بن عوف والزبیر وعثمان وطلحه وسعد فاذا کان الشئ یاتی عمر الامر من الآفاق ویقضی فیه .... الخ

یعنی ..... مہاجرین کی مجلس جو قبر شریف اور منبر نبوی کے درمیان قائم ہوتی تھی اور وہاں حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ و عثمان بن عفانؓ حضرات تشریف فرما ہوتے، جب حضرت عمرؓ کے پاس آفاق عالم سے کوئی معاملہ آتا تھا تو اس مجلس میں فیصلہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ اس مشاورتی کونسل کے رکن رکین تھے اور ملکی انتظامات اور اہم واقعات کی مشاورت میں ان کا اہم مقام تھا۔ خلیفہ ثانی کے ساتھ ان کے عملی تعاون کا یہ وہ طریق کار ہے جسے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

حاشیہ کتاب السنن لسعید بن منصور الخراسانی المکی ص ۲۴۳ ج ۳ قسم اول طبع مجلس علمی کراچی
تحت باب ما استئذان المرأة اذا ارادت حجة وجهادا

فاروقی دور میں افتاء اور قضاء کا منصب

حضرت فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں منصب قضاء و

افتاء پر کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فائز تھے مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت وغیرہم (رضی اللہ عنہم) اور مسائل شرعی میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنی خداداد صلاحیت اور علمی قابلیت کے اعتبار سے فاروقی عہدِ خلافت میں اس اہم منصب پر فائز تھے اور افتاء و قضاء کے مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

...... وکل ھؤلاء یفتی فی خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ تصیر فتوی الناس الی ھؤلاء فمضی ابوبکر علی ذلک ثم ولی عمر فکان یدعو ھؤلاء النفر...... [1]

..... نیز حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ جلد ہفتم میں لکھا ہے کہ

.... فولی قضاء المدینۃ علی بن ابی طالب ....

.... الخ [2]

یعنی ۱۳ھ (جمادی الاخریٰ) میں سے آٹھ یوم باقی تھے۔ منگل کے دن حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے اور اس وقت حضرت فاروقؓ نے مدینہ طیبہ کا قاضی حضرت علی المرتضیٰؓ کو مقرر فرمایا۔"

یہ چیز ان حضرات کے دوستانہ تعلقات اور مخلصانہ روابط کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ کسی غلط خلافت اور ناجائز خلیفہ کی جانب سے افتاء و قضاء کا

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲ ج ۲ قسم ثانی باب اہل علم والفتویٰ من اصحاب النبی صلعم (لیدن)

[2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۸ ج ۷ تحت سنہ ۱۳ھ۔

منصب قبول کرنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان دیانت و اخلاص کے برخلاف ہے۔ بالخصوص جبکہ ان کے بارے میں یہ غلط کہانی وضع کر لی گئی ہو کہ بنص نبوی مسلّم خلیفہ وہ خود تھے ، جو (بزعم شیعہ) (معاذ اللہ غاصب) خلیفہ کے ماتحت مدینہ کے قاضی بنے بیٹھے ہیں۔ (استغفر اللہ)

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے قدیم مورخین نے اس مسئلہ کو بڑے عمدہ انداز میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ :-

حضرت عمرؓ کے ایام میں جن حضرات سے علمی مسائل حاصل کئے جاتے تھے اور جو فقہاء کے درجہ میں شمار ہوتے تھے ، وہ مندرجہ ذیل حضرات تھے :-
علی بن ابی طالبؓ ، عبد اللہ بن مسعودؓ ، ابی بن کعبؓ ، معاذ بن جبلؓ ، زید بن ثابتؓ ابو موسیٰ اشعریؓ ، ابو درداءؓ ، ابو سعید الخدریؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ ۔

یعقوبی میں ہے :-

...... وکان الفقہاء فی ایامہ الذین یوخذ عنہم العلم علی بن ابی طالب وعبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب ...... الخ

...... حاصل یہ ہے کہ عہد فاروقی میں منصب قضاء و افتاء پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فائز ہونا بین الفریقین مسلّمات میں سے ہے اور یہ خلیفہ ثانیؓ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کے عملی تعاون کا بہترین مظاہرہ ہے۔

مختلف امور میں مشورے

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مرکزی مشاورتی کونسل کے رکن رکین تھے۔ اسی بناء پر جہاں دیگر حضرات سے ملکی معاملات میں مشورہ ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت

ص تاریخ یعقوبی ج۲ تحت عنوان صفۃ عمر بن الخطاب ، طبع بیروت

علی کو بھی ان مشوروں میں شامل رکھا جاتا تھا۔ مختلف مسائل پیش آتے تھے۔
اکابر حضرات ان میں اپنی اپنی رائے پیش کرتے۔ بعد از مشاورت جو معاملہ طے
ہوتا تھا اس پر عملدرآمد کیا جاتا تھا۔

اس سلسلہ کی تفصیلات مؤلف کی کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی
باب دوم فصل ثانی و فصل ثالث میں بیان کر دی گئی ہیں۔

اجمالی طور پر یہاں چند ایسے امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے مضمون مربوط
رہے یہ درست ہے کہ عہد فاروقی میں حضرت علیؓ کے مخلصانہ مشوروں کو
ہمیشہ اہمیت دی گئی اور بیشتر ان کی رائے کی موافقت میں فیصلے کئے گئے مثلاً

۱۔ حاصل شدہ اموال فیٔ وقتی طور پر صدقہ ادا کرنے سے متعلق مشورہ۔
۲۔ قتل کے خون بہا (دیت) میں مشورہ
۳۔ بدفعلی کی سزا میں احراق کا مشورہ (شیعہ کتب سے)
۴۔ شراب خوری کی سزا میں اضافے کا مشورہ
۵۔ سہ بارہ سرقہ کی سزا میں مشورہ
۶۔ فاروق اعظمؓ کے لئے مشاہرہ اور وظیفہ کے تعین میں مشورہ
۷۔ سن ہجری کے اجراء کے بارے میں مشورہ یہ مسئلہ ربیع الاول ۱۶ھ
میں پیش آیا تھا۔
۸۔ علاقہ نہاوند کی طرف اقدام کرنے میں خلیفہ کے خروج کے بارے میں
مشورہ (یہ موضوع ۲۱ھ میں پیش آیا تھا)
۹۔ غزوہ روم میں خلیفہ ثانی کے بذات خود تشریف لے جانے کے
متعلق مشورہ۔
۱۰۔ مال غنائم کی تقسیم کے بعد بقایا مال کو پس انداز کرنے کا مشورہ۔

مذکورہ بالا امور کے حوالہ جات کے لیئے مؤلف کی کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی کے باب دوم کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضرت علیؓ اور نیابت فاروقی

حضرت علی المرتضیٰؓ کا مقام خلیفہ ثانیؓ کی نظروں میں اتنا قابل اعتماد تھا کہ اگر آپ مدینہ طیبہ سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تو مرکز اسلام (مدینہ طیبہ) میں حضرت علیؓ کو اپنا قائمقام خلیفہ مقرر فرماتے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ کی نیابت میں تمام امور حضرت علیؓ کو تفویض کر دیئے جاتے تھے۔ یہ طریق کار باہمی اعتماد، باہمی اخلاص اور باہمی تعاون کا متقضی ہے جہاں ایک دوسرے کے ساتھ کینہ اور عداوت ہو یا کسی نے کسی کا حق دبایا ہوا ہو تو وہاں اس نوع کی کلیدی منصب کی ذمہ داری اس طرح پیش نہیں کی جاتی اور نہ ہی دوسرا فریق کبھی اسے قبول کرنے پر رضامند ہوتا ہے۔

اس نیابت کے چند واقعات ہم اختصاراً ملاحظہ فرمائیں۔ مثلاً:۔

۱۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو یکم محرم ۱۴ھ کو مدینہ طیبہ سے باہر پانی کے ایک چشمہ جس کو صرار کہتے تھے کی طرف جانے کا تقاضا ہوا تو اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے مدینہ طیبہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا قائمقام بنایا اور آپ خود دیگر صحابہ کرامؓ کی معیت میں تشریف لے گئے۔

۲۔ ۱۶ھ میں بیت المقدس پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے محاصرہ کر کے محصورین کو تنگ کر دیا تو اس وقت فریق مخالف نے شرط لگائی کہ خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں تو ان کے ساتھ صلح کی گفتگو ہو سکتی ہے اس موقع پر حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور مرکز اسلام مدینہ طیبہ میں اپنا قائمقام علی بن ابی طالبؓ کو قائمقام چھوڑ گئے اور

خلافت کے تمام کاروبار ان کے ہاتھ میں دے گئے۔

۳۔ اسی طرح ۱۷ھ میں خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم ؓ کو ایلیہ ؓ کے مقام کی طرف تشریف لے جانے کے لئے حالات متقاضی ہوئے۔ اس وقت بھی مرکز اسلام میں آپ نے اپنا قائم مقام حضرت علی ؓ کو بنایا اور خود سفر میں تشریف لے گئے۔

کتاب "رحماء بینھم" حصہ فاروقی باب دوم فصل ثالث میں مذکورہ بالا واقعات مفصل اور باحوالہ درج کر دیئے ہیں وہاں رجوع فرمائیں۔

حضرت فاروق ؓ کے ساتھ حضرت علی ؓ کی رشتہ داری

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے

حضرت فاروق اعظم ؓ کے ساتھ باہمی تعاون کے واقعات مختصراً سابقاً ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات کا اتحاد و یگانگت کا آخری منزلہ یہ تھا کہ باہمی رشتہ داری اور مصاہرت کی صورت میں قائم ہوا۔ اس کا اجمالاً ذکر کر دینا مناسب ہے۔

وہ یہ ہے کہ جناب علی بن ابی طالب کی صاحبزادی ام کلثوم ؓ جن کی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کا رشتہ نکاح حضرت فاروق اعظم ؓ کے ساتھ جناب علی المرتضیٰ ؓ نے کر دیا تھا۔ اور یہ نکاح ذوالقعدہ ۱۷ھ میں منعقد ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم ؓ بنت علی ؓ سے حضرت عمر فاروق ؓ کی اولاد بھی ہوئی ایک فرزند ہوا جس کا نام زید بن عمر ؓ تھا اور ایک لڑکی ہوئی جس کا نام رقیہ بنت عمر ؓ تھا۔

یہ رشتہ داری ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعاون اور تعلق کی بے نظیر مثال ہے جس سے مورخین اور اہل انساب کو ہرگز انکار نہیں۔ اہل سنت اور شیعہ

کے درمیان یہ رشتہ مسلمات میں سے ہے یہ کوئی مختلف فیہ امر نہیں۔
...... یہاں صرف شیعہ کتب سے چند اہم حوالہ جات نو عدد ذکر کئے جاتے ہیں رجوع فرما کر تسلی کرلیں۔

شیعہ کے اصول اربعہ کی بحث روایات چار عدد فروع کافی سے اور دو عدد "الاستبصار" سے اور تین عدد تہذیب الاحکام سے نقل کی جاتی ہیں۔ حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

---

(۱) (ا) فروع کافی جلد ثانی کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم
(ب) فروع کافی جلد ثانی کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم روایت دیگر
(ج) فروع کافی جلد ثانی باب المتوفی عنہا زوجہا
(د) فروع کافی جلد ثانی باب المتوفی عنہا زوجہا المدخول بہا این تعتد۔
(۲) (ا) الاستبصار جلد ثالث ابواب العدۃ
(ب) الاستبصار جلد ثالث ابواب العدۃ روایت دیگر
(۳) (ا) تہذیب الاحکام کتاب الطلاق باب عدۃ النساء
(ب) تہذیب الاحکام کتاب الطلاق باب عدۃ النساء روایت دیگر
(ج) [تہذیب الاحکام آخری جلد کتاب المیراث
باب میراث الغرقیٰ والمھدوم علیہم فی وقت واحد]

یہ اصول اربعہ کی نو عدد صحیح روایات ہیں جو ان کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں وہ یہاں درج کی ہیں ان مقامات میں ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کا نکاح اور شادی کا ذکر صریح ..... طور پر موجود ہے۔ اس کے ماسوا شیعہ کے آئمہ مجتہدین کی متعدد کتابوں سے یہ رشتہ ہم سابقاً ثابت کر چکے ہیں۔ اس نسبی تعلق کی بنا پر

مطاعن فاروقی کے جوابات کی حاجت نہیں رہتی اور اعتراضات خود بخود ....
ختم ہو جاتے ہیں ۔" رحماء بینہم" حصہ فاروقی کے باب سوم فصل دوم میں مستقل
عنوان کے تحت اس کی تفصیلات گذر چکی ہیں اس کی طرف رجوع فرمالیں۔

شوریٰ میں حضرت علیؓ کا انتخاب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقت وصال قریب ہوا تو انہوں نے خلافت اسلامیہ کے تحفظ و بقاء کے بارہ میں ایک مجلس شوریٰ منتخب کی جس میں درج ذیل حضرات کا تعین فرمایا اور ساتھ یہ ذکر کیا کہ میں ان افراد کو منتخب کر رہا ہوں جن سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے راضی ہو کر رخصت ہوئے ہیں :-

حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت زبیرؓ ، حضرت طلحہؓ ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

عشرہ مبشرہ میں سے اس وقت سات حضرات ہی رہ گئے تھے جن میں سے چھ یہ تھے۔ ساتویں حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید تھے حضرت عمرؓ نے انہیں اس کمیٹی میں نہ رکھا تھا ۔ حضرت عمرؓ کی ہدایت تھی کہ ان حضرات میں سے کسی ایک کو خلیفہ اسلام منتخب کر لیں۔

جس پر اتفاق ہو جائے ان حضرات میں حضرت علیؓ شامل تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں حضرات حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو ایک دوسرے پر پورا اعتماد تھا اور یہ ان اکابر کی دانشمندی کا ایک اعلیٰ ثبوت ہے۔

مسند حمیدی اور صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ :-

—— انی قد جعلت ھذا الامر بعدی الی ھؤلاء

ستۃ الذین قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وهو عنهم راض فسمی عثمان وعلی والزبیر وطلحة

وعبد الرحمان بن عوف وسعد بن ابی وقاص . فمن

استخلف فهو الخلیفة بعدہ

یعنی خلافت کا معاملہ میں نے اپنے بعد ان شش افراد کے سپرد کر دیا ہے

جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے راضی ہو کر رخصت ہوئے تھے۔

ان کے اسماء یہ ہیں۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے جس کو خلیفہ منتخب کر لیں وہی خلیفہ ہو گا۔

شیعہ کی طرف سے تائید

مذکورہ مجلس شوریٰ کے انعقاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شمول کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء مجتہدین نے تسلیم کیا ہے کہ واقعۃً منتخب شوریٰ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شامل کیا گیا تھا اور ان پر پختہ اعتماد کیا گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔ ذلک ان عمر حین دنا له استخلف عمر بن

الخطاب جعلها شوری بین علی بن ابی طالب وعثمان بن

عفان وطلحة والزبیر وسعد بن ابی وقاص وعبد الرحمن

ملے (۱) مسند حمیدی ص۲۱ تحت احادیث عمر طبع کراچی
ج اول

(۲) بخاری شریف ص۵۲۳ باب مناقب عثمان و قصۃ البیعۃ طبع نور محمدی دہلی
ج اول

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ ص۴۴۶ طبع کراچی کتاب المغازی باب ما جاء فی خلیفۃ عمر بن الخطاب
ج ۲

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۵۲ طبع کراچی۔
ج ۱۲

(۵) مسند امام احمد ص۴۶ تحت مسانید عمر بن الخطاب۔
ج اول

بن عوف رضی اللہ عنہم اور عبداللہ بن عمر تیمن بشارت

ولا یولی " منہ

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو انہوں نے چھ افراد کی ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی جس میں حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف شامل تھے اور اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمان دیا کہ ان کو مشورہ میں تو لیا جائے لیکن والی اور حاکم نہ بنایا جائے۔

مجلس ہذا کا انتخاب حضرت عمرؓ کی طرف سے ملت اسلامیہ کی حفاظت اور بقاء کے لئے تھا اور اس معاملہ میں دوسرے اکابرین کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب پر پورے وثوق کے ساتھ اعتماد کیا گیا تھا اور خلافت میں منتخب ہونے کے لئے آپ کو بھی یہ موقعہ فراہم کیا گیا۔ یہ ان حضرات کے باہمی تعاون کی دلیل ہے۔ اور اپنے فرزند کے متعلق والی بنانے کی نفی کرنا حضرت عمرؓ کے کمال اخلاص اور اعلیٰ دیانت کا واضح ثبوت اور ایک کھلا برہان ہے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا مناسب ہے کہ حضرت فاروقؓ کا اپنے فرزند کے حق میں مذکورہ وصیت کرنے کا مسئلہ شیخ الطوسی شیعی نے امالی میں صراحۃً درج کیا ہے۔

حاشیہ (۱) الامالی للشیخ طوسی شیعی ص۱۹۸-۱۹۹ طبع نجف اشرف

(۲) علل الشرائع الصدوق شیعی ص۱۷۱ باب ۱۳۳ طبع نجف اشرف

(۳) تاریخ یعقوبی شیعی ص۱۶۰ ج۲ تحت حالات وفات عمرؓ طبع بیروت

(۴) مروج الذہب للمسعودی الشیعی ص۳۱۲ ج۲ تحت ذکر خلافت عمر بن الخطاب۔

سیدنا علیؓ کو سیدنا عمرؓ کا اراضی عطا کرنا

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جناب علی المرتضیٰؓ کو خصوصی رعایات کے تحت حضرت عمرؓ کی طرف سے ایک قطعہ اراضی "ینبع" کے مقام پر عنایت کیا گیا تھا اور یہ مقام حسن اتفاق سے زرخیز تھا اور پھر اس میں قدرتی طور پر پانی کا ایک چشمہ بھی جاری ہو گیا جس کی وجہ سے اس قطعہ اراضی کی آمدنی حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے معقول ذریعہ معاش بن گئی۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہما نے ذکر کیا ہے۔

...... عن جعفر عن ابیہ ان عمرؓ قطع علیاً ینبع واضاف الیہا غیرہا۔ [1]

اس کی تفصیلات کے لیے کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی آخر باب دوم ص ۱۰۰-۱۰۱ ملاحظہ فرماویں۔

---

[1] المصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۵۵ ج ۱۲ کتاب الجہاد (طبع کراچی)

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا

حضرت مرتضیٰؓ کا فاروقی اعمالنامے پر اظہار رشک

جب انتقال ہوا تو تمام صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل اسلام کے لیے یہ ایک عظیم سانحہ تھا اور صحابہ کرامؓ اپنی اپنی جگہ پر کمال تاسف اور غم والم کا اظہار کرتے تھے ۔

اس دوران حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے کمال عقیدت کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ سے فرمایا :

امام محمد باقرؒ سے منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور حضرت فاروقؓ پر وفات کے بعد چادر ڈالی ہوئی تھی اس وقت فرمانے لگے کہ اس کفن پوش سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی شخص نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوں جیسا کہ ان کا اعمالنامہ ہے میرا اعمالنامہ بھی اسی کے مشابہ ہو ۔

—— عن ابی جعفر محمد بن علی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ قال لعمر وھو مسجّٰی ما من احد احب الی ان القی اللہ تعالیٰ بصحیفتہ من ھذا المسجّٰی ۔ ؎

(بقیہ حاشیہ) (۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۲۳ ج ۳ (طبع دکن) تحت التطوع الوتر

(۳) وفاء الوفاء للسمہودی ص ۱۲۲ ج ۲ فصل ثانی تحت نقطہ بقیع ۔

(۴) معجم البلدان یاقوت حموی ص ۳۱۵ ج ۴ تحت ۔ بقیع ۔ طبع بیروت

۱؎ کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ ص ۲۱۶ روایت ۹۵۳ طبع مصر

(۲) کتاب الآثار امام محمدؒ ص ۲۰۹ باب فضائل الصحابہ طبع لکھنؤ قدیم

(۳) مسند امام احمدؒ ص ۱۱۰ ج ۱ تحت مسندات علی بن ابی طالب

(۴) طبقات ابن سعد ص ۲۶۹-۲۷۰ ج ۳ تحت حالات عمر بن الخطاب

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت علیؓ کی طرف سے اظہار محبت کے مزکورہ کلمات جو حضرت فاروق اعظمؓ کے حق میں ذکر ہوئے ہیں اس سے ان دونوں اکابر کے روابط اور باہمی احساسات خوب واضح ہوتے ہیں۔

یہ کلمات شیعہ علماء نے بھی اپنی روایات میں درج کیے ہیں اور حضرت علیؓ نے انکو بطور رشک اور غبطت کے اظہار فرمایا ہے۔

شیخ صدوق شیعی نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں یہ کلام مرتضوی باسند نقل کیا ہے:

ـــــ فنظر الی المثاقد رحمہ مسجی بثوبہ ما احد

احب الیّ ان القی اللہ بصحیفۃ من ہذا المسجی .... الخ [1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد باقرؒ نقل کرتے ہیں کہ جب عمر بن الخطاب کو غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو اس وقت حضرت علیؓ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ ان پر اللہ کی رحمت اور صلوات ہوں۔ روئے زمین پر کوئی شخص میرے نزدیک تم میں سے اس کفن پوش سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب نہیں کہ اس جیسے اعمالنامہ کے ساتھ میں اللہ سے جا کر ملوں۔

قارئین کرام پر واضح رہنا چاہیے کہ حوالہ جات کی تمام بلفظہ عبارتیں پیش کرنے سے تطویل ہوتی ہے اس بنا پر جو مختصر عبارت ہوتی ہے وہ ذکر کر دی جاتی ہے اس مقام کی مفصل عبارت الشافی مع تلخیص کی ہے اس کی طرف رجوع فرما کر تسلی کریں۔ [2]

بقیہ حاشیہ ص: المصنف ابن ابی شیبہ ص۲۸-۲۹ ج۱۲ کتاب الفضائل (طبع کراچی)۔

[1] (۱) کتاب معانی الاخبار شیخ الصدوق ص۱۱۷ طبع قدیم ایران باب ۲۲۵ ۔

[2] (۲) کتاب الشافی للسید مرتضیٰ علم الہدیٰ ص۱۷۱ طبع قدیم مع تلخیص شافی ص۴۲۸ ۔

دفن فاروقی میں حضرت علیؓ کا تعاون

حضرت فاروق اعظم خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا اور غسل اور کفن پوشی کے بعد دفن کا مرحلہ پیش آیا اور حضرت فاروق اعظمؓ کا دفن روضہ اقدس نبوی میں تجویز ہوا اس وقت دفن کرنے کے انتظامات کا بیشتر حصہ کرامؓ نے سرانجام دیے جو حضرات خاص طور پر دفن کرنے کے لیے حضرت فاروقؓ کی قبر میں اترنے والے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ، علی المرتضیٰ، حضرت عثمان اور حضرت زبیر وغیرہم۔ حضرت فاروقؓ کو دفن کرنے اور قبر میں اتارنے میں پیش پیش اہل شوریٰ شریک و شامل تھے صرف حضرت طلحہؓ اس وقت اتفاقاً موجود نہ تھے اور مدینہ طیبہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔

اس آخری مرحلہ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا شریک ہونا اور شامل رہنا ان کے عملی تعاون کا بیّن ثبوت ہے اور باہمی مودت و رفاقت کا پتہ دیتا ہے۔

...... ونزل فی قبرہ مع ابنہ عبداللہ اھل الشوریٰ سوی طلحۃ فانہ کان غائباً [۱]

خلافت فاروقی کے بارہ میں حضرت علیؓ کا فیصلہ

مندرجات بالا کے آخر میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک فرمان نقل کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دور خلافت میں فرمایا کرتے تھے کہ عمر بن الخطابؓ امور خلافت کے معاملہ میں بہترین توفیق دیے گئے تھے اور ان مسائل میں صحیح اور درست فیصلہ کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! ان امور میں ہرگز

۱؎ المحبر لمحمد بن حبیب ص۱۵ طبع دکن مصر ج

(۲) الکامل لابن اثیر ص۲۸ ج۳ باب قصۃ الشوریٰ

(۳) تاریخ ابن جریر طبری ص۳۰ ج۵ تحت قصۃ الشوریٰ (سنہ ۲۳ھ)

تغیر نہیں کروں گا جن کو حضرت عمرؓ نے سرانجام دے دیا ہے۔

سمع رجل خبر: علیاً یقول ان عمرؓ کان موفقاً رشیداً فی الامور وانه ما غیر شیئاً صنعه عمرؓ۔

مضمون بالا کو درج ذیل علماء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

۱۔ تاریخ کبیر امام بخاریؒ ص۱۴۵ ج ۴ قسم ثانی

۲۔ کتاب السنۃ از امام احمدؒ ص۱۹۹ طبع مکہ مکرمہ

۳۔ کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص۲۳-۲۴ طبع مصر

۴۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۳ ج ۱۲ کتاب الفضائل روایت ۱۲۰۴۲ تحت ما ذکر فی فضل عمر بن الخطابؓ۔ طبع کراچی۔

۵۔ کتاب الاموال لابی عبید ص۲۳ طبع مصر

عہد فاروقی پر ایک نظر

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں بڑے اہم مناصب پر فائز رہے ہیں وزارت کا حکومت اسلامیہ میں بڑا بلند مقام تھا۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔

اور قضاء و افتاء کے مرتبہ میں بحیثیت قاضی اور مفتی اعظم تھے۔

اور مجلس مشاورت میں ان کے مشورے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔

بعض اوقات حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ کی نیابت مدینہ منورہ پر حاصل ہوتی تھی۔

عہد فاروقی میں ان کو غنائم اور ہدایا برابر ملتے رہے اور آپ انہیں قبول کرتے رہے جس طرح کہ سابقہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

مزید برآں ان کا خلیفہ ثانی سے رشتہ داری کا تعلق ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم کے نکاح میں ہونا

مسلمات میں سے ہے ۔

یہ تمام چیزیں حضرت علی المرتضیٰ کے خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ کے ساتھ عملی تعلقات کی بہترین نظیریں ہیں ۔

اور شیعہ علماء و مجتہدین نے حضرت علیؓ کے اس تعاون اور تعامل کو عبارت ذیل کی شکل میں تسلیم کیا ہے ۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ لکھتے ہیں کہ :

...... حتی بایعہم القوم و حضر مجالسہم و دخل فی آرائہم و صلی مقتدیاً بہم و اخذ اعطیتہم ۱

۱۔ یعنی حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی ۔

۲۔ اور ان کی مجالس میں شامل ہوتے رہے ۔

۳۔ اور ان کے مشوروں اور آراء میں داخل اور شریک رہے ۔

۴۔ اور ان کی اقتداء میں دائماً نمازیں ادا کرتے رہے ۔

۵۔ اور ان کے عطیات اور اموال حاصل کرتے رہے ۔ ۱

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عملی زندگی کا یہ ایک مختصر نمونہ ہے جو پیش خدمت کر دیا گیا ۔ جس سے فاروقی دور میں حضرت علیؓ کا کردار آشکارا ہوتا ہے اور خلیفہ ثانی کے ساتھ آپ کا تعاون واضح ہوتا ہے ۔

○

---

۱ کتاب تنزیہ الانبیاء و الائمہ ص ۱۳۲ طبع ایران ۔ از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تحت ان علیاً لم ینازع المتقدمین ۔

خلافتِ عثمانی اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

فاروقی دور کے بعد عہد عثمانی شروع ہوتا ہے۔ حضرت ذوالنورینؓ کے متعلق اس دور کی چند چیزیں ذکر کرنی مقصود ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاندانی تعلق اختصاراً پیش کر دیا جائے تاکہ ہر دو خاندانوں کی باہمی قرابت داری یک نظر ناظرین کے سامنے آجائے۔

اس چیز کے بیان کرنے سے قبلی تعصبات اور خاندانی منافرت کے پروپیگنڈے کا جواب ہو سکے گا اور ان دونوں خاندانوں کا باہمی قرب بھی واضح ہو جائے گا۔

نسبی تعلق

(۱) آپ (حضرت عثمانؓ) حضرت علی المرتضیٰؓ کی سگی پھوپھی کے نواسے ہیں۔ ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب کی دختر اروی بنت کریز کے فرزند ہیں۔ یعنی حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں۔

حضرت عثمان کی والدہ اروی بنت کریز مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ان کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ اور ان کو ہجرت مدینہ کا شرف بھی نصیب ہوا۔ اروی نے اپنے فرزند حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[1]

(۲) سیدنا حضرت حسین ابن علیؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت سکینہ بنت حسینؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے کیا[2] اور دوسری صاحبزادی حضرت

سنی ۱۔ طبقات ابن سعد ص ۳۵ ج ۸ تحت اروی بنت کریز۔ طبع لیدن

۲۔ کتاب المحبر لابن حبیب۔ طبع دکن

شیعہ ۱۔ منتہی الآمال للشیخ عباس القمی جلد اول تحت ذکر باب ہفتم در بیان [illegible]

سنی ۲۔ طبقات ابن سعد ص ۳۴۹ ج ۸ تحت سکینہ بنت حسینؓ۔ طبع لیدن

۳۔ کتاب نسب قریش مصعب الزبیری ص ۱۱۴ طبع مصر

فاطمہ بنت حسین کا نکاح بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کے دوسرے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے ہوا ہے۔[1]

مذکورہ بالا چند رشتہ داریاں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاندانوں کی مختصراً پیش خدمت ہیں۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیلات راقم نے کتاب "رحماء بینہم" جلد سوم حصہ عثمانی کے باب اول میں ذکر کر دی ہیں۔ اس مقام میں اس خاندان کے بقایا نسبی روابط بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ قارئین رجوع فرما کر مستفید ہوں۔

مذکورہ نسبی روابط کے ذریعے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ ان ہر دو خاندانوں کے درمیان قبائلی تعصب یا خاندانی رقابت ہرگز نہیں تھی۔ یہ حضرات آپس میں متفق اور متحد تھے اور قبائلی عصبیت پر دلالت کرنے والی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں۔

خلیفہ ثالث کے ساتھ بیعت

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے انتقال کے قریب چھ اکابر صحابہ کرام کی مسئلہ خلافت کے لیے مجلس شوریٰ قائم فرما دی تھی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں "شوریٰ کے انتخاب میں حضرت علیؓ کا شمول" کے عنوان کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ مجلس شوریٰ میں شریک اور شامل تھے۔ مجلس شوریٰ نے طریق کار اس طرح اختیار کیا کہ حضرت زبیرؓ نے اپنی رائے کا اختیار حضرت علیؓ کے حق میں دے دیا۔ حضرت طلحہؓ نے اپنی رائے کا اختیار حضرت عثمانؓ کے حق میں دے دیا اور حضرت سعدؓ نے اپنا حق اختیار حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کے سپرد کر دیا۔ اس طرح

۱۔ (۱) طبقات ابن سعد ص [illegible] ج ۸ تحت فاطمہ بنت حسینؓ

(۲) کتاب نسب قریش ص [illegible] طبع مصر

(۳) مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی ص [illegible] طبع ایران تحت [illegible] محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان [illegible]

ان منتخب شدہ ہر تین حضرات میں سے حضرت عبدالرحمان بن عوف نے فرمایا کہ میں خود خلیفہ نہیں بننا چاہتا۔ آپ دونوں حضرات اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیں پھر تم میں سے جس کو منتخب کروں اس پر دوسرا فریق راضی ہو جائے اور اس کی اطاعت قبول کرے۔

اس پر دونوں حضرات (حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عثمانؓ) رضامند ہو گئے اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے ضروری جستجو اور غور و فکر اور ان دونوں بزرگوں سے گفت و شنید کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں پہلے ایک موثر تقریر کی اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر پہلے خود بیعت کی اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسی مجلس میں حضرت عثمان غنیؓ کی بیعت کی۔ بعدہٗ باقی لوگوں نے بیعت کی۔

...... أول من بايع عثمان عبد الرحمان بن عوف

ثم علي بن أبي طالبؓ۔

مسئلہ ہذا مندرجہ ذیل مقامات میں اپنی تفصیلات کے ساتھ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

(۱) طبقات ابن سعد ص ۴۲-۴۳ ج ۳ قسم اول تحت ذکر بیعت عثمانؓ

(۲) بخاری شریف ص ۵۲۵ ج اول باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفانؓ۔

(۳) طبقات ابن سعد ص ۲۴۵ جلد ۳ تحت ذکر استخلاف عمرؓ۔

(۴) مصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۸۴ ج ۱۴ کتاب المغازی تحت ما جاء فی خلافۃ عمرؓ طبع کراچی۔

(۵) الاصابہ لابن حجر ص ۵۰۸ ج ۲ تحت تذکرہ علی بن ابی طالبؓ

(۶) (شیعہ) الامالی لشیخ طوسی الشیعی ص ۱۲۱ ج ۲ طبع نجف اشرف

(۷) (شیعہ) ناسخ التواریخ از لسان الملک مرزا محمد تقی جلد دوم کتاب دوم ص ۲۲۹ تحت بیعت با عثمان بن عفان۔ (طبع قدیم ایران)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلیفہ منتخب ہونے پر علماء نے لکھا ہے کہ اس دور کے تمام صحابہ کرامؓ اور دیگر حضرات نے اتفاق کیا تھا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ کی جانب سے بھی کسی قسم کی نااتفاقی کا مظاہرہ ہرگز نہیں پایا گیا تھا۔[1]

اس کی تفصیلات راقم کی کتاب " رحماء بینہم " جلد سوم حصہ عثمانی باب دوم تحت مسئلہ بیعت ذکر ہو چکی ہیں۔

اہم امور میں تعاون

خلافت عثمانی کے ایام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ اہم معاملات میں بیشتر تعاون قائم رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں چند ایک چیزیں مختصر درج کی جاتی ہیں:

قضایا میں مشاورت

جس طرح خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کے ادوار میں حضرت علی المرتضیٰؓ فیصلہ و قضاء کے معاملات میں تعاون کرتے تھے اسی طرح خلافت عثمانی میں بھی حضرت علی المرتضیٰؓ ان مسائل کے حل کرنے میں شریک و شامل رہتے تھے۔

چنانچہ شیعہ علماء نے اس مسئلہ کو اپنی اپنی سند کے ساتھ امام جعفر صادقؒ سے ذکر کیا ہے:

...... ان ابا بکر و عمر و عثمان کانوا یرفعون الحدود

الی علی بن ابی طالب ...... الحدیث۔[2]

---

[1] منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۲۴۲-۲۴۳ جلد ۳ تحت الخلاف الثامن فی امر الشوریٰ۔ طبع جدید لاہور۔

[2] جعفریات مع قرب الاسناد ص ۱۳۲ طبع تہران ا باب دفعۃ [illegible] ہاشمیۃ وغیرہا۔

یعنی امام جعفر صادق اپنے آبا سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ حدود کے مقدمات کو علیؓ بن ابی طالب کے سپرد کر دیتے تھے۔

یہ اشتراکِ عمل ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ امورِ خلافت میں تعاون ہے اس لیے کہ خلیفۃ المسلمین کے لیے بیک وقت تمام امور کو بذاتِ خود سرانجام دینا بہت مشکل ہے بنا بریں تقسیم کار کے طور پر بعض دفعہ اس نوع کے مقدمات حضرت علی المرتضیٰؓ کے ذمہ لگا دیے جاتے تھے اور وہ اپنی خداداد صلاحیت کی بنا پر یہ مسائل اچھے طریقے سے سرانجام دیتے تھے۔

شیعہ کے اس حوالہ کے بعد اہل سنت کی اپنی کتب سے ذکر کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عثمان غنیؓ تنازعات کے فیصلہ کے لیے تشریف فرما ہوتے اور ان کی خدمت میں مدعی اور مدعا علیہ پیش ہوتے تو آپ ایک فریق کو فرماتے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو جا کر بلا لائیں اور دوسرے فریق کو فرمان دیتے کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور دیگر جماعت صحابہؓ کو بلا لائیں۔ اس کے بعد فریقین کے بیانات سماعت فرماتے پھر ان حضرات کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے کہ آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ اگر ان حضرات کی رائے اور حضرت عثمانؓ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں ایک جیسی ہوتی تو اسی وقت حکم نافذ فرما دیتے اور اگر رائے میں کچھ اختلاف ہوتا تو باہمی غور و فکر کے بعد فیصلہ دیتے۔ چنانچہ علامہ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

...... كان عثمان اذا جلس على المقاعد جاءه الخصمان فقال لاحدهما اذهب ادع عليا وقال للآخر اذهب فادع طلحة والزبير ونفرا من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ثم يقول لهما تكلما ثم يقبل على القوم فيقول ما تقولون؟ فان قالوا ما يوافق رأيه امضاه

وارث نظریہ بعد ۔ سے

یہاں سے حضرت علی المرتضیٰ کا خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ سے امورِ خلافت میں تعاون و تعامل روزِ روشن کی طرح واضح ہے ۔

اجرائے حدود اجرائے حدود کے متعدد واقعات عثمانی دور میں ملتے ہیں جن کو سیدنا عثمانؓ نے فیصلہ کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے سپرد کیا ۔

(۱) خلافتِ عثمانی میں ایک شخص اور اس کی بیوی صفیہ مالِ غنیمت میں بطور خمس تقسیم ہو کر آئے تھے ۔ صفیہ نے ایک قیدی سے زنا کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا یہ مسئلہ حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؓ نے اسے فیصلہ کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد کر دیا ۔ حضرت علیؓ نے فرمانِ نبوی کے مطابق زنا کے بچے کو خاوند کے سپرد کیا اور صفیہ کو زانی اور صفیہ کو زانیہ کو پچاس پچاس دُرّے لگوائے ۔

. . . . فقضى علیؓ لعثمانؓ اقضى فیہما بقضاء رسول الله

صلی الله علیہ وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر

وجلدهما خمسين خمسين ۔ لہ

(۲) حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے دوسرے شخص کے ساتھ بدفعلی کی یہ واقعہ عدالتِ عثمانی میں پیش ہوا ۔ حضرت علیؓ مجلسِ قضا میں موجود تھے حضرت عثمانؓ نے دریافت فرمایا کہ یہ شخص شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ ؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس شخص کا نکاح ہو چکا ہے مگر رخصتی نہیں ہوئی ۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا اگر یہ شخص شادی شدہ ہوتا اور رخصتی ہو چکی ہوتی تو اس پر رجم واجب تھا

لہ السنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۳۱ جلد ۷ باب من یشاور ۔ کتاب آداب القاضی ۔

کہ مسند امام احمد ص۔۔ جلد اول تحت مسندات علیؓ (طبع اول) مع منتخب الکنز ۔

یعنی اس کو سنگسار کیا جاتا لیکن اب اس صورت میں صرف درّے لگائے جائیں گے۔
اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اس فیصلے کے اجراء کا حکم صادر فرمایا۔ اور بدکار شخص کو کچھ درّے لگائے گئے۔

...... فقال علی لعثمان لو دخل بها لحل علیه الرجم

فاما اذا لم یدخل بها فاجلده الحد ......

فامر به عثمان فجلد مائة [1]

فیصلہ عثمانی میں حضرت علیؓ کا تعاون

ایک ہاشمیہ (ہند بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب) اور ایک انصاریہ دونوں ایک شخص حبان بن منقذ کے نکاح میں تھیں حبان نے انصاریہ کو طلاق دے دی اور بعد فوت ہو گیا۔ انصاریہ مرضعہ تھی اور ابھی اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی نیز اسے طلاق کے بعد ایک سال تک حیض نہ آیا تو انصاریہ نے حضرت عثمانؓ کے ہاں حبان کی میراث میں حصہ کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد انصاریہ کو میراث سے حصہ دلوا دیا۔ اس پر ہاشمیہ برافروختہ ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا کہ یہ فیصلہ میں نے تمہارے چچازاد بھائی علیؓ کی رائے سے کیا ہے۔[2]

...... فتکلمت الهاشمية عثمان فقال هذا عمل

ابن عمك هو اشار علینا بهذا یعنی علی بن ابی طالب [2]

---

[1] (1) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۲۷۲ ج ۶ باب ما جاء فی اللواط۔

(2) کنز العمال ص ۹۴ ج ۳ بحوالہ طب طبع اول قدیم

(3) ازالۃ الخفاء (مکمل فارسی) ص ... تحت آیت ... طبع اول قدیم۔

[2] (1) موطا امام مالکؒ ص ۲۱۵ باب طلاق المریض (مطبوعہ مجتبائی دہلی)

(2) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۸۰ ج ۵ باب ما قالوا فی الرجل یطلق امرأتہ ... الخ (ر کی)

اسی طرح عدالتی امور میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ معاون رہتے تھے۔

اس مضمون کی مزید تفصیلات رحماء بینہم حصہ سوم عثمانی باب چہارم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

عہد عثمانی میں جمع قرآن کے مسئلہ میں حضرت علیؓ کا تعاون

سنہ ۲۵ھ میں ملک شام کے علاقہ آرمینیا اور عراق کے علاقہ آذربائیجان میں اہل اسلام کفار کے خلاف برسرپیکار تھے مسلمانوں کی افواج میں عرب کے مختلف قبائل جمع تھے ان لوگوں میں اپنے اپنے قبائل کی لغت کے لحاظ سے قرآن مجید میں قراءۃ کا اختلاف پیدا ہوا صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے قبائل میں باہمی قراءت کے اختلاف کو شدت سے محسوس کیا اور معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر فوراً مرکز اسلام مدینہ شریف میں پہنچے۔ حضرت حذیفہ نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کی خدمت میں پہنچ کر اپنی پریشانی کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا:

"۔۔۔۔ یا امیر المؤمنین! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى" لہ

(بقیہ حاشیہ) (۳) کتاب سنن سعید بن منصور ص۳۳۰ جلد ۳ قسم اول (مجلس علمی ڈابھیل)

(۴) المؤطا امام محمد ص۲۲۹ طبع مصطفائی قدیم باب المرأة يطلقها زوجها طلاقاً ....الخ

لہ مشکوٰۃ شریف ص۱۹۳ تحت فضائل القرآن۔ الفصل الثالث، طبع دہلی۔

واضح رہے کہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری شریف روایت ہذا کا ایک حصہ منقول ہے اس کا بقایا حصہ دیگر کتب حدیث [illegible] مثلاً المصاحف لابن ابی داؤد السجستانی و فتح الباری، والبدایہ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی اے امیر المومنین ! اس امت کو پیشتر اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگیں سنبھال لیجئے ایسا نہ ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنی اپنی آسمانی کتب میں اختلاف کر چکے ہیں۔

آسمانی کتابوں میں ان کا یہ اختلاف ان کے مذاہب میں باعث فساد و افتراق ہوا تھا۔ کہیں اہل اسلام میں بھی اس نوع کا انتشار قائم نہ ہو جائے۔

تنبیہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے ہاں اختلاف قرأت اختلاف فی القرآن نہ سمجھا جاتا تھا ورنہ سوال اس انداز میں نہ ہوتا حضرت حذیفہ کو جو فکر تھی وہ صرف یہ کہ اختلاف قرأت کہیں اختلاف فی القرآن کا ذریعہ نہ بن جائے۔

ان حالات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ کرام کے مشورہ سے مندرجہ ذیل صورت اختیار فرمائی۔

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کے دور کا مدون شدہ قرآن مجید کا اصل نسخہ جو ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ کے پاس تھا ان سے عاریتاً منگوا کر اس کے متعدد نسخے رسم قریش پر تحریر اور مرتب کروائے اور ممالک اسلامیہ کی طرف ایک ایک نسخہ قرآن مجید کا ارسال فرما دیا[1] اور اس کے ماسوا دیگر صفحات میں لکھے ہوئے نسخوں کو

(بقیہ حاشیہ) : اور خصوصاً البدایہ جلد سابع صفحہ ۲۱۷ فصل فی مناقب عثمان کی ابتدا میں جمع مصحف کے اس مسئلہ کو نہایت عمدہ طریق سے بیان کیا ہے۔

[1] رشید رضا کی "تاریخ معقول شیعی صفحہ ۱۳۴ تحت ایام عثمانؓ" میں یوں تفصیل منقول ہے کہ پانچ (۵) عدد لکھے تھے اور کوفہ، بصرہ، مدینہ، مکہ، شام، بحرین، من الجزیرہ کی طرف ارسال کیے گئے تھے۔ یہ شیعہ مؤرخین کے بیان کے مطابق درج کیا ہے۔

نیز اہل السنۃ علماء کے بیان کے موافق ہفت عدد نسخے تیار کرائے گئے تھے ۔۔۔ فکتب لاہل الشام مصحفاً، ولاہل مصر آخر، وبعث الی البصرۃ مصحفاً، والی الکوفۃ بآخر وارسل الی مکۃ مصحفاً ۔ وا لی

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

تلف کرا دیا۔ اور یہ تمام کارگزاری (یعنی صحیح نسخوں کا مدوّن کرنا اور قرآن کے ماسوا کا تلف کرنا وغیرہ) اکابر صحابہ کرامؓ کی رائے اور مشورہ سے ہوا تھا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسئلہ ہذا کی مجلس مشاورت میں بذات خود موجود تھے اور مشورہ دینے والے تھے یہ حضرت عثمان کا کوئی تفرد نہ تھا۔

چنانچہ اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کے صحیح اقوال جو صحیح سند کے ساتھ اکابر مفسرین ومحدثین اور مؤرخین نے نقل کیے ہیں ان میں سے ہم چند ایک پیش کرتے ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمادیں۔

(۱) حضرت سوید بن غفلہ ؒ جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے براہ راست شاگرد ہیں، بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

...... یا ایها الناس! لا تغلوا فی عثمان ولا تقولوا له الا خیرا فی المصاحف واحراق المصاحف فوالله ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملاء منا جمیعا۔ الخ

(بقیہ حاشیہ) ایمن شکر۔ دار المدینۃ منورۃ:

(۱) البدایہ ص۲۱۲ ج۷ فصل فی کتب عثمان الخ

(۲) فتح الباری شرح بخاری شریف ص۱۵ ج۹ تحت باب جمع القرآن۔

(۵) کتاب المصاحف ص۲۲ للحافظ ابی بکر عبد اللہ بن ابی داؤد السجستانی تحت عنوان اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف۔

(۳) فتح الباری شرح بخاری شریف ص۱۵ ج۹ باب جمع القرآن

(۴) تفسیر اتقان للسیوطی ص۵۹ تحت النوع الثامن عشر فی جمعه وترتیبه۔

(۶) البدایہ لابن کثیر ص۲۱۸ تحت فصل من مناقبه عثمان انکار رضی اللہ عنه المتفرقة الخ

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں اے لوگو! عثمانؓ کے حق میں اس معاملہ میں غلو مت کرو اور ان کے حق میں کلمات خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ اللہ کی قسم! جناب عثمانؓ نے مصاحف کے بارے میں اور ان کے تلف کرنے میں جو معاملہ کیا وہ ہماری جماعت کی رائے اور مشورہ کے موافق کیا ہے یعنی ہماری منشاء کے خلاف ہرگز نہیں کیا لہٰذا ان کے حق میں کوئی غلط رائے قائم نہ کی جائے۔

(۲) نیز حضرت سیدنا علیؓ کے شاگرد سوید بن غفلہؒ کا ہی بیان ہے کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے سنا آپؓ فرماتے تھے:

۔۔۔۔ یقول رحم اللہ عثمان لو ولیتہ لفعلت ما فعل فی المصاحف۔ [1]

یعنی حضرت علیؓ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر رحم فرمائے اگر میں والی اور حاکم ہوتا تو مصاحف کے بارہ میں وہی معاملہ کرتا جو عثمانؓ نے کیا ہے۔

(۳) اسی طرح اس مقام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک تیسرا فرمان بھی علماء کرام نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ فرمودات زیادہ تر سیدنا علیؓ کے اپنے عہد خلافت کے ہیں آپ کے باعتماد شاگرد سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ

۔۔۔۔ قال (سوید بن غفلہ) قال علیؓ فی المصاحف لو لم یصنعہ عثمان لصنعتہ۔ [2]

---

[1] کتاب المصاحف ص۲۲ تحت اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف لابن ابی داؤد۔

۲۔ تفسیر البرہان فی علوم القرآن ص۲۴۰ ج اول طبع اول للامام بدر الدین زرکشی۔

[2] (۱) کتاب المصاحف ص۱۲ تحت عنوان اتفاق الناس مع عثمان علی جمع المصاحف طبع اول مصر۔

(۲) البدایہ لابن کثیر ص۲۱۸ ج ۷ فصل فی مناقب عثمان طبع اول مصر۔

(۳) کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان محمد بن یحییٰ اندلسی ص۔۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا: مختلط تحریرات کو ختم کرنے کا کام اگر بالفرض حضرت عثمانؓ ذکر تے تو میں کر دیتا۔"

مطلب یہ ہے کہ امت کی عظیم مصلحت اور قرآنی حفاظت کی خاطر یہ ایسا اہم کام تھا اور بنیادی حیثیت رکھتا تھا کہ اگر بالفرض حضرت عثمانؓ ایسا نہ کر پاتے تو میں اسی طرح ضرور کرتا اور اسے مکمل کر دیتا۔"

(۴) نیز شہادت عثمانی سے قبل معترضین کے اعتراضات کے جوابات حضرت علی المرتضیٰؓ نے بڑے عمدہ طریقے سے پیش کئے تھے۔ ان میں سے "احراق مصاحف" کا جو طعن حضرت عثمانؓ پر معترضین نے کیا تھا اس کا جواب بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے دیا تھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

...... وأما المصاحف فإنما حرق ما وقع فيه خلاف وابقى لهم المتفق عليه كما ثبت في العرضة الأخيرة۔[2]

"مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے نسخوں میں جو (قرأت یا لغت کے اعتبار سے) اختلاف واقع ہوا تھا اس کو تلف کیا گیا تھا اور متفق علیہ چیز کو مصاحف میں بحال رکھا۔"

(بقیہ حاشیہ) تحت ذکر حدیث المصاحف وتحریقها۔

(۲) تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی ص۲۳ جلد اول بحث اقوال العلماء فی جمع المصحف۔

على قوله العرضة الأخيرة ... التي عارضها جبرائيل على رسول الله صلى الله عليه وسلم في العرضة ...

... ابن بطال عن كثير ... ثم ... شيء ... الخ

عظیم کارنامہ

—— کبار علماء نے اس مقام میں سیدنا عثمانؓ کی اس خدمت کو قابل قدر الفاظ کے ساتھ تحریر کیا ہے اور اسے عظیم کارنامہ قرار دیا ہے۔

—— علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ:

"...... وبفعلہ وفق لامر عظیم ورفع الاختلاف وجمع الکلمۃ واراح الامۃ"[1]

یعنی حضرت عثمانؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سے امت کا یہ اختلاف رفع ہو گیا۔ مسلمانوں کا کلمہ مجتمع رہا۔ اہل اسلام کو انتشار کی مصیبت سے راحت ملی اور یکسوئی نصیب ہوئی۔"

---

[1] تفسیر البرہان فی علوم القرآن لبدر الدین الزرکشی ص ۲۳۹ جزء اول تحت نوع ۱۳ طبع اول۔

رفع اشتباہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جمع قرآن اور حفاظت قرآن کی مساعی جمیلہ کے سلسلہ میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں ان میں "ان یحرق" وغیرہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اس چیز سے مخالفین حضرت عثمانؓ آنحضرت پر قرآن مجید کے جلانے کا طعن تجویز کرتے ہیں اور گویا اس طرح آنجناب کے "جمع قرآن" اور "حفاظت قرآن" کے اس اہم اور بے نظیر کارنامے کو باطل کرنے میں سعی نا حاصل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان روایات کے محامل اور معانی جو اکابر علماء نے ذکر کیے ہیں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو طعن مذکور زائل ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

چنانچہ ہم ان روایات کے معانی اور محامل کو متعدد صورتوں میں پیش کرتے ہیں۔

اوّل

پہلی صورت یہ ہے کہ اکثر روایات میں یہ لفظ "یخرق" (بالخاء المعجمۃ) کے ساتھ مذکور ہے؛ اور اکابر علماء نے اس امر کی تصریح کر دی ہے چنانچہ شیخ بدر الدین العینی اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری وغیرہم علماء نے یہ مسئلہ اس طرح درج کیا ہے:

۔۔۔۔۔۔ قوله "ان يخرق" بالخاء المعجمة رواية الأكثرين وبالمهملة رواية المروزي وبالمعجمتين رواية المستملي وبالمعجمة أثبت عنه

لہ : عمدۃ القاری لبدر الدین العینی ص [illegible] تحت کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

یعنی بیشتر روایات کے اعتبار سے "ان یخرق" کا کلمہ "خا" معجمہ منقوطہ کے ساتھ منقول ہے اور شیخ مروزی کی روایت میں یہ لفظ یحرق حاء مہملہ غیر منقوطہ کے ساتھ مذکور ہے اور المستملی کی روایت دونوں طریق (معجمہ و مہملہ) کی صورت میں پائی جاتی ہے لیکن معجمہ منقوطہ کے ساتھ زیادہ ثابت اور مضبوط ہے۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ نقل روایت میں اختلاف موجود ہے تاہم اکثر روایات کے لحاظ سے خرق بالخاء المعجمۃ منقوطہ صحیح ہے "خرق" کے معنی نقض اور قطع کے ہیں یعنی توڑ پھوڑ دینا اور چیز کو قطع کر دینا چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ:

---- وقد یروی بالمعجمۃ ای ینقض و یقطع.... الخ حنه

فلہذا ان مصاحف کو اس موقعہ پر توڑ پھوڑ دیا گیا اور قطع کر دیا گیا۔

دوم

دوسری صورت یہ ہے کہ روایت (یحرق) حاء المہملۃ غیر منقوطہ کی شکل میں مروی ہے۔

"حرق اور احراق" کے ایک معنی جلنے اور جلانے کے ہیں اور اس کے دیگر معانی میں لغت عرب میں "چھیلنے اور رگڑ دینے" کے معنی ہیں چنانچہ اس پر کبار اہل لغت کے حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

(۱) امام راغب الاصفہانی نے مفردات القرآن میں ذکر کیا ہے کہ:

بقیہ حاشیہ

(۲) فتح الباری شرح بخاری ص ۱۱ جلد ۹ تحت باب جمع القرآن۔

(۳) اللمعات شرح مشکوٰۃ ص ۲۱۰ ج ۵ تحت فصل الثالث من باب۔

لعمرمعات المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۹ ج ۵ ملا علی القاری۔ طبع ملتان۔

حرق ۔۔۔۔ وحرق الشیئ اذا بردہ بالمبرد وعنہ

استعیر حرق الناب [1]

یعنی حرق الشیئ کا معنی یہ ہے کہ "اس نے کسی چیز کو ریتی سے رگڑا اور چھیلا اور اسی سے ہے کہ اس نے دانت پیسے رگڑے اور کرچے"

(۲) زمخشری نے لغت حدیث کی کتاب الفائق میں تحریر کیا ہے کہ:

۔۔۔۔ ویجوز ان یکون من (حرق) الشیئ اذا بردہ بالمبرد"[2]

یعنی حرق کے معانی میں سے یہ معنی بھی ہے کہ "اس نے ریتی کے ساتھ رگڑا اور چھیلا"

(۳) ابن اثیر نے لغت حدیث "النہایہ" میں اور شیخ طاہر الفتنی نے "مجمع البحار" میں "حرق" کا معنی مذکور ذکر کرنے کے بعد حدیث سے اس کی مزید تائید ذکر کی ہے:

(ومنہ الحدیث) یحرقون انیابھم غیظا وحنقا ای یحکون بعضہا علی بعض"[3]

یعنی وہ (دوزخی لوگ) غیظ و غضب اور گھٹن کی وجہ سے اپنے دانت پیستے اور رگڑتے ہوں گے۔

(۴) صاحب قاموس نے اپنی مشہور لغت میں "حرق" کے مادہ کے تحت جہاں دیگر معانی لکھے ہیں وہاں مندرجہ ذیل معنی بھی لکھا ہے:

---

[1] مفردات القرآن للراغب الاصفہانی ص۱۱۲ تحت حرق۔ طبع مصر۔

[2] کتاب الفائق از زمخشری ص۲۶۳ ج۱ جلد اول تحت من حرق انیابہ۔

[3] (۱) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر لابن اثیر الجزری ص۲۱۹ ج اول تحت "حرق"

(۲) مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی ص۲۵۴ ج۱ تحت حرق۔ طبع نولکشور۔

[illegible] حرقه برده وحك بعضه ببعض والناب حرقاً وتحريقاً
وحرق حك بعضها ببعض حتى سمع له صريف[1]

یعنی اس کو چھیلا اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ رگڑ دیا اور دانتوں کو پیسا کہ اس کی آواز سنائی دی ۔

مقصد یہ ہے کہ "حرق" کے معنی چھیلنے کھرچنے اور رگڑنے کے بھی لغت عرب میں موجود و مستعمل ہیں جیسا کہ ہم نے اس جگہ پر مندرجہ بالا ترجمہ جات درج کر دیئے ہیں تو اب ان "حرق" کے مقام فرمایا المصاحف کے ساتھ جو روایات مذکور ہیں ان کا مفہوم اس طرح بیان کر دیا جائے کہ مصاحف میں قرآن مجید کے ماسوی چیزوں کو کاٹ دیا گیا یا رگڑ کر انہیں صاف کر دیا گیا یعنی ماسوی القرآن کو تلف کر دیا گیا ۔

بعض اکابر حضرات نے جو ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن مجید کے سلسلہ میں مختلف مصاحف کو جلا دیا تھا وہ روایت صحیح نہیں ہے[2]

حالانکہ یہ روایت باعتبار سند کے صحیح ہے ان اقوال اور روایات کے مابین توفیق و تطبیق کی بہتر صورت یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ کے حکم سے وہ تفسیری نوٹ اور اپنی یادداشتوں کے طور پر جو الفاظ اور عبارات ماسوی القرآن تھیں ان کو کھرچ اور رگڑ کر صاف کر دیا گیا اور مصاحف کو جلایا نہیں گیا ۔ اس طریقہ سے روایت "تحرق" کی صحت بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور جلائے مصاحف کا اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا ۔

سوم

تیسری صورت یہ ہے کہ ان مصاحف کو جن سے ایک صحیح نسخہ مرتب کیا گیا تھا

لے (۱) القاموس لمجد الدین فیروز آبادی ص۱۱۱ تحت مادہ حرق ، طبع قدیم ۔

(۲) مختار الصحاح از رازی ص۱۳۹ تحت حرق ؛ طبع مصر ۔

پہلے دھو ڈالا گیا اور پھر ان کو مبالغۃً جلا دیا گیا۔

اس چیز کو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے قاضی عیاض کے حوالہ سے اس مسئلہ کو پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ ذکر کیا ہے:

...... جزم عیاض بانھم غسلوھا بالماء ثم احرقوھا

مبالغۃ فی اذھابھا ؎

یعنی قاضی عیاضؒ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان مصاحف مختلفہ کو پہلے پانی سے دھو ڈالا گیا تھا اور پھر اس کے بعد مبالغۃً ان کو جلا دیا گیا تھا۔

اس طریقہ سے مسئلہ ہذا میں اختلاف اور انتشار کی صورت باقی نہیں رہتی جو موجب اعتراض بنتی ہے۔

اور یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں جہاں احراق مصحف کی روایات ہیں وہاں ان میں پہلے ان مصاحف مختلفہ کو دھو ڈالنے کا عمل کیا گیا اس کے بعد ان کو مبالغۃً جلا دیا گیا۔

چہارم

اس موقعہ پر شیعہ کے قدیم علماء نے مسئلہ ہذا کو بیان کرتے ہوئے اگرچہ تفصیل کے ساتھ احراق مصاحف کا ذکر نہیں لکھا ہے تاہم اجمالی بیان میں بالفاظ ذیل یہ درج کیا ہے کہ:

...... سلقها بالماء والخل ...... ؎۲

یعنی ان مصاحف کو گرم پانی اور سرکہ میں ڈال کر ابالا اور جوش دیا گیا اس طریقہ سے ان مصاحف کو تلف کرنے کی تدبیر کی گئی۔

؎ فتح الباری شرح بخاری ص ۱۴ ج ۹ تحت باب جمع القرآن

؎۲ تاریخ یعقوبی الشیعی ص ۱۷۰ ج ۲ تحت بحث ہذا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں معترضین کا اعتراض زائل ہے اور اس میں کوئی وزن نہیں۔

۱۔ حاصل یہ ہے کہ تحفظ کتاب اللہ عہد عثمانی کا اہم کارنامہ ہے۔ اس میں اکابر صحابہ کرام کے مشورہ کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔ جن میں حضرت علی المرتضیٰ بھی شریک وشامل تھے۔

۲۔ کتاب اللہ کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کے سامان ان حضرات کے ذریعے پورے فرما دیئے۔[سه]

۳۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے دور میں اور اس سے قبل بھی اس واقعہ کی بڑی اہمیت بیان فرمائی۔ اور معترضین عثمان کو تسلی بخش جواب دیتے ہوئے ان کی طرف سے پورا پورا دفاع کیا۔

۴۔ ان واقعات سے عثمانی دور میں حضرت علی المرتضیٰ کا تعاون واضح ہے۔ اس کو تقیہ شریف پر محمول کرنے کا یہاں کوئی جواز نہیں ملتا۔

سه قولہ : ان حضرات کے ذریعے ...... الخ

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تمام کدوکاوش قرآن مجید کو غیر قرآنی الفاظ وعبارات کے اختلاط والتباس سے محفوظ رکھنے کے لیے تھی۔ اور یہ ساعی جمیلہ قرآن مجید کے تحفظ کی خاطر تھیں۔

اکابر صحابہ کرام اس مسئلہ میں امیر المومنین عثمان غنی کے ساتھ تعاون کئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کے سابق اقوال مندرجہ سے واضح ہے۔

البتہ بعض روایات میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے متعلق بعض چیزیں ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے آنجناب کا امیر المومنین سے مسئلہ جمع مصاحف میں اختلاف رائے پایا جانا مذکور ہے۔ یعنی اس معاملہ میں ابن مسعود کی رائے دوسری تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے پہلے اس مسئلہ میں خلاف رائے

کا اظہار فرمایا۔

لیکن جب حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ نے دیگر صحابہ کرامؓ کی رائے سے اتفاق کرنے کی آپؓ کو دعوت دی تو آپؓ نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس مسئلہ میں اپنے اختلاف کو ختم کر کے ان کے ہمنوا ہو گئے اور پھر کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس چیز کو "البدایۃ" میں عبارت ذیل نقل کیا ہے:

...... فکتب الیہ عثمانؓ رضی اللہ عنہ یدعوہ الی اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذالک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب و اجاب الی المتابعۃ و ترک المخالفۃ رضی اللہ عنہم اجمعین"۔[1]

یعنی ابن مسعودؓ کی طرف حضرت عثمانؓ نے مراسلہ بھیجا اس میں مصلحت دینی میں اتفاق رکھنے اور کلمۂ اسلام پر اجتماع کرنے اور اختلاف ختم کرنے کی انہیں دعوت دی۔ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے اتباع کرنے کی ترغیب دلائی۔

پس ابن مسعودؓ نے اس دعوت اتحاد پر لبیک کہا اور مخالفانہ رائے کو چھوڑ دیا اور اپنے موقف سے رجوع فرمالیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

اس کے بعد عبد اللہ بن مسعودؓ نے جمع قرآن و حفاظت قرآن کے مسئلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ اتفاق کر لیا تھا اور اختلاف ختم کر دیا۔ پھر لوگوں کو مسئلہ ہذا کے متعلق مندرجہ ذیل طریقہ سے ہدایات فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ج ۷ ص ۲۱۸ تحت فصل ومن مناقبہ الکبار الحسنۃ العظیمۃ.....

(۱) ...... عن ابی الزعراء قال ابن مسعود جردوا القرآن

یقول لا تلبسوا به ما لیس منه۔ ۱ے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو تلقین فرماتے تھے کہ قرآن مجید کو غیر قرآنی الفاظ و عبارات سے الگ اور علیحدہ رکھو۔ اور فرماتے کہ جو (چیز) قرآن مجید میں سے نہیں ہے اس کا قرآن مجید کے ساتھ اختلاط نہ کرو۔

(۲) ...... عن عبد اللہ انه رأی خطاً فی مصحف فحکه وقال

لا تخلطوا به غیره۔ ۲ے

(۳) عن ابن مسعود قال عبد اللہ جردوا القرآن ولا تلبسوا

به ما لیس منه۔ ۳ے

یعنی ابن مسعودؓ نے بعض مصاحف کے ساتھ کچھ تحریر لکھی ہوئی دیکھی جو قرآن مجید میں سے نہیں تھی، تو آپؓ نے اسے کھرچ کر صاف کر دیا اور فرمایا کہ قرآن مجید میں ماسوی القرآن کو نہ ملاؤ اور اس کا کسی دوسری چیز کے ساتھ التباس و اختلاط نہ ہونے دو۔

خلافت عثمانی میں حضرت علیؓ کا تراویح پڑھانا

جس طرح فاروقی دور میں تراویح کی جماعت باقاعدگی سے مساجد میں ہوتی تھی اسی طرح خلافت عثمانی کے دوران بھی ہوتا رہا۔ اور بعض اوقات خود حضرت علی المرتضیٰؓ باجماعت کراتے تھے۔ چنانچہ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ:

۱ے المصنف لعبد الرزاق ص۳۲۲ ج۴ باب ما یکره ان یکتب فی المصاحف اختتام السور ونحو ذلک

۲ے المصنف لابن ابی شیبة ص۵۵۰ ج۲ کتاب الصلوات تحت فی التعشیر فی المصحف۔ طبع کراچی۔

۳ے المصنف لابن ابی شیبة ص۵۵۰ ج۲ کتاب الصلوات تحت فی التعشیر فی المصحف۔ طبع کراچی۔

——— عن محسنؒ امنا علي بن ابي طالب في زمن عثمان عشرين ليلة ثم احتبس فقال بعضهم قد تفرغ لنفسه ثم تقدم ابو حليمة معاذ القاري ..... الخ[1]

یعنی حسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران حضرت علیؓ بن ابی طالب نے بیس شب (تراویح کی) امامت کرائی (اور نماز پڑھائی) پھر بعض راتوں میں آپ نے اپنے آپ کو روک لیا (تشریف نہ لاسکے) اور بعض لوگ کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے اپنے لیے وقت نکال لیا ہے (یعنی آپ نجی عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں) پھر ابو حلیمہ معاذ القاری نے ان لوگوں کی امامت کرائی ...... الخ

معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا تعاون اس دور میں نماز تک کے مسائل تک وسیع تھا۔ حتیٰ کہ نوافل کی امامت بھی بعض دفعہ آپ کراتے تھے۔

حضرت علیؓ کا مالی عطیات اور وظائف کو قبول کرنا

عہد عثمانی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیثیت ایک مرکزی وزیر اور مشیر کی تھی۔ مرکز میں جو اہم مسائل خلیفہ کے لیے پیش آتے تھے ان کے فیصلہ میں حضرت علیؓ ایک اہم رکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

حضرت سیدنا عثمانؓ کے دور میں مختلف ممالک میں غزوات پیش آئے چنانچہ ۲۶، ۲۷ھ میں طرابلس اور افریقہ کے غزوات پیش آئے ان میں حضرت علیؓ کی اولاد شریف حسنین شریفینؓ اور حضرت علیؓ کے برادر زادے عبداللہ بن جعفر طیار شریک

---

[1] کتاب قیام اللیل وقیام رمضان والوتر ص ۹۱ باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ لیلۃ تطوعاً فی شہر رمضان۔ از محمد بن نصر المروزی۔

قتال رہے ہیں[1]

اسی طرح خراسان، طبرستان، اور جرجان وغیرہ علاقوں میں ۳۰ھ میں غزوات پیش آئے تو اس وقت بھی حسنین شریفینؓ اور حضرت علی کے چچا زاد برادر عبداللہ بن عباس وغیرہ ان غزوات میں شریک رہے تھے[2]

اس طریقہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے تعاون ان مواقع میں ہمیشہ قائم رہا ہے اسی سلسلہ میں جو "مالی عطیات" اور "ہدایا" جو مفتوحہ ممالک سے پہنچتے تھے انہیں حضرت علی المرتضیٰؓ قبول فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ ۳۱ھ میں جب خراسان کے علاقے آمل اور مرو وغیرہ مقامات مفتوحہ سے عبداللہ بن عامر واپس مع اموال غنائم مدینہ شریف پہنچے ہیں تو اہل مدینہ کو انہیں نے عطیات دیئے اور حضرت علیؓ کو ان میں سے تین ہزار درہم بھجوائے جب حضرت عثمان کو یہ چیز معلوم ہوئی تو حضرت عثمان غنیؓ ابن عامر سے ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ اتنی قلیل رقم کیوں ارسال کی؟ پھر عبداللہ بن عامر نے حضرت عثمانؓ کی رضامندی سے بیس ہزار درہم مزید بھجوائے اور کچھ دیگر اشیاء بھی ساتھ ارسال کیں ...... حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ اموال مرسلہ قبول فرمائے اور ابن عامر کے حق میں تعریف کے کلمات بیان کیے[3]

اس نوع کے واقعات مزید مطلوب ہوں تو رحماء بینہم حصہ عثمانی باب چہارم کی طرف مراجعت درکار ہے۔

---

[1] (۱) تاریخ ابن خلدون ص ۱۲۸ جلد ثانی تحت ولایت عبداللہ بن ابی سرح علی مصر و فتح افریقہ۔

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۴ جلد اول تحت سنہ ۲۷ھ۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۱۵۴ جلد ۷ تحت سنہ ۳۰ھ۔

(۲) تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۱۸ جلد ثانی تحت عنوان غزوہ طبرستان۔ طبع بیروت۔

[3] (۱) طبقات ابن سعد ص ۳۳ جلد ۵ تحت تذکرہ عبداللہ بن عامر (طبع لیدن)

عہد عثمانی اور سیدنا علی المرتضیٰؓ

ایک نظر میں

- حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا باہم نسبی تعلق اور خاندانی قرب باقی خلفاء سے زیادہ ہے۔
- اور بخوشی و رضا حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا مسلّم ہے۔ اہم امور خلافت میں مشورے دینا۔
- فتاوی و قضاء کے مناصب قبول کرنا۔
- دیگر امور ملکی انتظامات میں شامل و شریک ہونا۔
- جمع مصاحف جیسے اہم مسائل میں ساتھ ہونا۔
- اس دور کی قومی و ملی جنگوں میں اولاد بنی طالب کا شریک ہونا اور غنائم و عطایا مال حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ

یہ تمام امور حضرت علیؓ کے عملی کردار و اخلاق کو واضح کرتے ہیں اور مسئلہ تعاون کو خوب آشکارا کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو وقتی مصلحت بینی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اور تقیہ کی غلط تاویل کے ساتھ محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ تاویل روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔

اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی شانِ دیانت اور شانِ اخلاص سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی۔

عثمانیؓ خلافت کے آخری ایام
اور
مرتضویؓ خلافت کا ابتدائی دور

گزشتہ سطور میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال و کردار جو خلفاء ثلاثہ کے دور میں پیش آئے مختصراً مذکور ہوئے۔ اور ان کے عمل اقربات کا اجمالاً بیان ہوا اب سیدنا عثمانؓ بن عفان کی شہادت اور اس کے متعلقات کو پہلے ذکر کرنا مناسب ہے اور اس کے بعد سیدنا علیؓ کی اپنی خلافت کا ابتدائی دور شروع ہوگا۔ اس میں ان کے انتخاب کا مسئلہ اور بیعت خلافت کے مراحل اور اس کے بعد کے واقعات حتی المقدور ایک ترتیب سے ذکر کرنے کا قصد ہے (بعونہ تعالیٰ)

شہادت عثمانیؓ

شہادت عثمانیؓ کے متعلق اگرچہ قبل ازیں کتاب ”رحماء بینھم“ حصہ عثمانی کے باب پنجم کے عنوانات میں اور جدید کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ کی بحث خامس میں بیان مراحل کے تحت بہت چیزیں بقدر ضرورت بیان ہو چکی ہیں تاہم اس موقعہ پر بھی اس مسئلہ کو تسلسل مضمون کی ضرورت کے تحت بالاختصار بیان کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے نیز ان واقعات کے ذکر کرنے کے بغیر مضمون مربوط نہیں رہ سکتا۔ اور اس دور کے حالات کا باہم ارتباط قائم نہیں ہو سکتا اس وجہ سے بعض اشیاء کا بیان اعادہ کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔

شہادت عثمانیؓ کے وقوع کے دواعی اور اسباب کیا تھے؟ اس کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام کا جب اقوام عالم پر غلبہ ہو گیا اور بے شمار قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہو کر

اسلامی اقتدار کے تحت آگئیں اور ان میں اس کے رد کفر کی امید اور ہمت ختم ہو گئی تو اس وقت بعض اقوام جو اسلام کے ساتھ خاص عداوت و کینہ رکھتی تھیں انہوں نے اسلام کا شیرازہ بکھیرنے اور کلمۂ واحدہ میں افتراق پیدا کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اہل اسلام میں داخل ہو گئے ان کا پروگرام یہ تھا کہ افتراق و اختلاف پیدا کیا جائے اس کے بغیر غلبۂ اسلام کو روکا نہیں جا سکتا تھا اور اسلام اور اہل اسلام کے مضبوط اقتدار کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ان مخالفین اسلام نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق خلیفۂ اسلام کے خلاف شورش اٹھائی اور انہیں ظلماً شہید کر ڈالا۔

شہادت عثمانی کی وجہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بعض اہم عہدوں پر اپنے رشتہ داروں کو مسلط کر دیا تھا اور انہوں نے احکام اسلامی کے خلاف اقدامات کیے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر عوام خلیفۂ اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ یہ نظریہ ایک عام تاریخی روایات کے تحت سطحی طور پر تجویز کیا گیا ہے حقیقت واقعہ دوسری چیز ہے جس کو خود حضرت علی المرتضیٰ نے واضح فرمایا آپ سے آپ کے دورِ خلافت میں لوگوں نے سوال کیا کہ قتل عثمانؓ پر لوگوں کو کس چیز نے برانگیختہ کیا تو اس کے جواب میں جناب علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا کہ حسد اور عناد کی بنا پر لوگوں نے یہ فعل کیا۔

(ان قیل لعلی بن ابی طالبؓ ما حملهم علی قتل عثمانؓ؟ قال:

الحسد)[1]

نیز حضرت علی المرتضیٰ نے واقعہ جمل سے قبل ذی قار کے مقام میں ایک خطبہ دیا تھا جس میں آپ نے جاہلیت کے دور کا ذکر فرمایا پھر اسلام کے اقتدار کا ذکر فرمایا پھر ان لوگوں کا ذکر

---

[1] کتاب السنۃ امام احمدؒ ص ۱۹۱ طبع مکہ مکرمہ

ہی جنہوں نے یہ حوادث اور مصائب اس امت پر لا کھڑے کیے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ قوم دنیا کی طالب ہیں انہوں نے ان انعام اور فضیلت پر حسد کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت پر فرمائی ہے اور انہوں نے اسلام اور اس کے (فضل و کمال) کی چیزوں کو از راہ حسد پس پشت ڈال دینے کا قصد کر رکھا۔

۲۔ ... [illegible] ... الذی جرّء علی هذه الامة
قوم طلبوا هذه الدنیا وحسدوا من افاء الله علیهم وعلی
الفضیلة ... [illegible] ... وارادوا رد الاسلام والاشیاء
علی ادبارها ... [illegible] ... الخ

فلہٰذا اس دور کے اکابر علمائے کرام[۳] کی تصریح کے مطابق حضرت عثمانؓ کی شہادت مفسدین نے بعض اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ عناد اور حسد کی بنا پر کی تھی اور مسلمانوں کے درمیان افتراق ڈالنے کے لیے کی تھی۔

قاتلین کیسے لوگ تھے؟

علماء نے اس کی وضاحت فرما دی ہے چنانچہ امام نووی نے مسئلہ ہذا کے متعلق شرح مسلم شریف میں فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ مظلوماً قتل کیے گئے تھے اور ان کے قتل کرنے والے فسادی اور فاسق لوگ تھے۔

وجہ یہ ہے کہ اسلام میں قتل کرنے کے اسباب منضبط ہیں۔ یعنی جس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زانی شادی شدہ ہو یا دین سے مرتد ہو گیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر مسلمان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اور ان اسباب میں سے کوئی ایک

۱۔ تاریخ طبری ج۵ ص۱۱۲ تحت سنہ ۳۵ھ تحت عنوان نزول المصریین ذا خشب
۲۔ البدایہ لابن کثیر ص۱۸۴ ج۷ تحت واقعات ۳۵ھ
۳۔ العقد الفرید ... ص۲۸۲ ... [illegible] ...

بھی یہاں نہیں پایا جاتا تھا اور نہ ہی حضرت عثمانؓ سے ان چیزوں میں سے کوئی بات صادر ہوئی تھی۔

یہ چیز بھی طرح عیاں ہے کہ قتل عثمانؓ میں صحابہ کرامؓ شامل نہ تھے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے والے ناکارہ افراد کمینے اور ذلیل طبقہ کے لوگ تھے اور یہ سب فسادی عنصر تھا۔ ان لوگوں نے خلیفۂ اسلام کے خلاف ایک جماعت قائم کی اور مصر وغیرہ سے (فاسد ارادوں کے تحت) یہاں مدینہ شریف پہنچے اور اس وقت جو صحابہ کرامؓ موجود تھے وہ ان فسادیوں کی مدافعت سے عاجز آگئے پھر کچھ ایام ان لوگوں نے دار خلافت کا محاصرہ جاری رکھا اور آخر موقع پا کر حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا۔

(۱) ——— وقتل مظلوما وقتلته فسقة لان موجبات القتل مضبوطة ولم يجر منه رضي الله عنه ما يقتضيه ولم يشارك في قتله احد من الصحابة وانما قتله همج ورعاع من غوغاء القبائل وسفلة الاطراف والارذال، تحزبوا وقصدوه من مصر فعجزت الصحابة الحاضرون عن دفعهم فحصروه حتى قتلوه رضي الله عنه۔[1]

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرۃ العینین میں واقعہ ہذا کو مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے۔

(۲) قومے از مصریان کہ نہ از صحابہ بودند و نہ از تابعین بہم باحسان بلکہ بقلت تدین موصوف و بہ بد نہادی معروف بسبب چند امرے چند

---

[1] نووی شرح مسلم شریف صفحہ ۲۷۲ طبع نور محمد دہلی تحت کتاب الفضائل الصحابہ

[2] ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۳۳ طبع اول مصری۔

بمدینہ شریفہ آمدند، و بر ذو النورین تضییق نمودند۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ مصر وغیرہ سے ایک گروہ مدینہ شریف میں آیا یہ لوگ نہ صحابہؓ میں سے تھے اور نہ ان کے اچھے تابعین میں سے تھے۔ بلکہ ان لوگوں میں دینداری کم تھی اور بد نہادی میں معروف تھے اور کینہ ور تھے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر دائرہ حیات تنگ کر دیا۔

مسئلہ ہذا کی تائید قتل عثمانؓ میں صحابہ کرامؓ بالکل شامل نہ تھے اس کی مسئلہ کی مزید تائید مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل حوالہ جات کی طرف رجوع کرنے سے اطمینان ہو سکے گا۔

(۱) ابو الشکور السالمی نے اپنی تصنیف کتاب التمہید ص ۱۴۳ تحت القول الرابع فی خلافۃ عثمان (طبع لاہور) میں لکھا ہے کہ

...... بعض الناس من مصر ولم یکن معهم من الصحابة احد فغضبوا علیه وخرجوا علیه فقتلوه مظلوماً الخ

یعنی زمانہ قتل کے موقع پر مصری لوگ تھے ان کے ساتھ صحابہ میں سے کوئی ایک نہ تھا۔ پھر وہ ناراض ہوئے اور عثمان کو ظلماً قتل کر دیا۔

(۲) اسی طرح قاضی ابوبکر ابن العربی نے العواصم من القواصم ص ۱۳۲ (تحت مسئلہ قتل عثمان) طبع لاہور میں ذکر کیا ہے کہ

ان احداً من الصحابة لم یسع علیه ولا قعد عنه الخ

یعنی صحابہ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف مساعی میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی ان سے روگرداں ہوئے۔

---

[1] قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۷۲ (طبع مجتبائی دہلی) تحت ذکر علی رضی اللہ عنہ

[2] منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۱۸۶ جزء ثالث طبع لاہور

(۳) اور ابن کثیرؒ نے البدایہ میں تحت قتل عثمانؓ لکھا ہے کہ:

...... فتسوروا عليه من الدار واحرقوا الباب ودخلوا عليه وليس فيهم احد من الصحابة الخ۔

یعنی حملہ آور لوگ دیواروں پر چڑھ کر گئے اور دروازہ کو جلا دیا اور ان میں صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک بھی شریک قتل نہ تھا۔

بعض مورخین نے قتل عثمانؓ میں بعض صحابہ کا نام (عمرو بن الحمق وغیرہ) ذکر کیا ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مشاہیر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی صاحب بھی قتل ہذا میں شریک نہ تھا۔ مورخین کا یہ قول مجروح اور متروک ہے۔

وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ تو مورخین عمرو بن الحمق کو قاتلین حضرت عثمانؓ میں شامل قرار دیتے ہیں اور بعض دوسرے مقامات میں اسی شخص کو قاتلین سے خارج گردانتے ہیں اس طرح مسئلہ ہذا میں متضاد اقوال پائے جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام نووی، ابن تیمیہ، ابو الشکور السالمی، ابن العربی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہم جیسے اکابر علماء کی تصریحات کے بالمقابل کسی غیر معروف راوی کا قول قابل تسلیم اور لائق التفات نہیں ہے بلکہ کسی مورخ کے بے سند قول کی بنا پر ان حضرات کے فیصلے کو رد کر دینا انصاف کے خلاف ہے۔

لہذا اس مسئلہ میں صحیح پوزیشن یہی ہے کہ کسی معروف صحابیؓ نے قتل عثمانؓ میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کوئی صحابیؓ اس قتل میں شریک ہوا۔

مطالبات قاتلین عثمانؓ

علماء فرماتے ہیں کہ بعض فسادی گروہ مصر وغیرہ سے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بظاہر مطالبات ذیل سامنے رکھے ہوئے تھے:

مثلاً ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کے امراء جو ملک کے اطراف میں موجود ہیں ان کا عزل و نصب
ہماری مرضی کے مطابق کر دیا جائے۔

اگر آپ مذکورہ بالا مطالبات پورے نہ کریں گے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔

مطالبۂ ایشان آنکہ یکے از سہ کار قبول نماید خلع خلافت کند یا عزل و نصب امراء
امصار بطوع ما گزارد یا او را بکشیم[1]

اور محاصرہ کے دوران باوجودیکہ حضرت عثمان غنیؓ نے مدافعت کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ اور اہل مدینہ کو
سختی سے منع کر دیا تھا۔ اور محاصرہ کے دوران تاہم بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کی مدافعت
میں حتی المقدور سعی کی تھی اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی اس موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی حفاظتی
تدابیر میں پوری کوشش کی اور اپنی اولاد کے ذریعے بھی مدافعانہ کوششوں میں برابر شریک
رہے۔ قبل ازیں یہ مسئلہ مع حوالہ جات حصہ عثمانی باب ششم میں درج کیا گیا۔

اور شیعہ علماء نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عثمانؓ کی طرف
سے ہاتھ سے اور زبان سے مدافعت کی پوری پوری مدافعت کی لیکن کارگر نہ ہو سکی

انه نصره بنفسه و ناضل عنه ... ان دافع عنه طويلا[2]
بيده و لسانه فلم يمكنه الدفع[3]

اس صورت میں حضرت ذوالنورینؓ نے ان کے خلافت سے دست برداری کے مطالبہ
کو نہیں تسلیم کیا۔

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۳۲ مقصد دوم فصل ۳ تحت بحث آثار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

[2] شرح نہج البلاغۃ لابن میثم بحرانی الشیعی ص۴۰۳ طبع طہران تحت عبارت
بامعاویۃ من نصرتہ تخاذل دون حوالہ ۲

[3] شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید شیعی ص ... تحت متن انہ یعنی
عثمان ... عنی ... ۲

دیگر وجوہ کے علاوہ حضرت موصوف کے سامنے وہ وصیت بھی تھی جو جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمائی تھی جس کو حضرت عائشہؓ نے نقل کیا ہے۔

"لعل الله يقمصك قميصا فان ارادوك على خلعه فلا تخلعه لهم" (مشکوٰۃ شریف ص۵۶۲ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ باب مناقب عثمانؓ الفصل الثانی)

"یعنی اے عثمانؓ! عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو قمیص (خلافت) پہنائیں گے اگر لوگ آپ سے اس قمیص کے اتارنے کا قصد کریں تو ان کے لیے قمیص (خلافت) کو نہ اتارنا۔"

خدا کی تقدیر بندوں کی تدبیر پر غالب ہوتی ہے۔ آخر کار انہوں نے حضرت عثمانؓ خلیفہ برحق کو اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ ظلماً شہید کر ڈالا۔ اور آپ وہ سعادت پا گئے جو جمعہ کے دن سفر آخرت پر جانے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اور یہ لوگ اپنے مذموم مقصد یعنی مرکز اسلام (خلیفہ برحق) کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ لوگ اشرار و مفسدین تھے۔ اور عبداللہ بن سبا یہودی (جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا) کی سرکردگی میں انہوں نے یہ انقلابی تحریک شروع کی ہوئی تھی خود فساد فی الاسلام اور افتراق بین المسلمین ان کے مقاصد تھے۔ زبان سے جو مطالبات ظاہر کرتے تھے وہ سراسر دھوکہ دہی تھی اور وہ غلط پروپیگنڈا کے درجہ میں تھے حقیقت سے بعید اور واقعات سے دور تر تھے۔ ان کا اصل مدعا وہی تھا جو سابقاً ذکر ہوا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ سانحہ عظیم تھا۔ جو صحابہ کرامؓ کے علم و منشا کے خلاف رونما ہوا تھا۔ اکابر حضرات اس وجہ سے ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور قلق و اضطراب میں مبتلا ہوئے۔

حاشیہ

قولہ: قتل شہید کروا ڈالا۔

لے بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت عثمانؓ میں اکابر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہاتھ تھا اور ان کے ایماء پر شہادت عثمانی واقع ہوئی کہا جاتا ہے ان اکابر حضرات نے اطراف میں خطوط ارسال کر کے حضرت عثمانؓ کے خلاف انقلاب برپا کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کو قتل کر ڈالنے پر لوگوں کو آمادہ کیا۔

اس نوع کی روایات کی بنا پر بعض لوگ مندرجہ بالا حضرات کے خلاف سب کشائی کرتے ہیں۔

ان شبہات کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے ان کا ازالہ ہو جائے گا۔

پہلے جعلی خطوط کے متعلق حوالہ جات درج کیے ہیں اس کے بعد قتل عثمانؓ سے برأت کا بیان مختصراً تحریر کیا ہے۔

جعلی خطوط سے برأت

اکابر مصنفین نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ مفسدین مدینہ طیبہ سے واپس اپنے گھروں کو روانہ ہوئے کچھ دور جا کر پھر لوٹ کر آ گئے اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ نے بد عہدی کرتے ہوئے ہمارے قتل کا حکم صادر کیا ہے۔ اب آپ ہمارے ساتھ چلیے اور حضرت عثمان سے اس معاملہ میں ہمارے لیے گفتگو کیجئے اس پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

۔۔۔ لا واللہ لا اقوم معکم۔ قالوا فلم کتبت الینا

قال: لا، والله ما كتبت إليكم كتاباً قط. قال: فنظر بعضهم إلى بعض ثم قال بعضهم لبعض: ألهذا تقاتلون أو لهذا تغضبون؟ [1]

نہیں! اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں چلوں گا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں کیوں خطوط لکھے؟ اور خطوط کے ذریعے کیوں بلوایا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں۔ اللہ کی قسم میں نے تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا اس پر وہ ایک دوسرے کی طرف تعجب و حیرانی سے دیکھنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم اسی کی خاطر قتال کرتے ہو؟ یا اسی کی طرفداری کے لیے غضبناک ہوتے ہو؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی جانب سے کئی فرضی خطوط لوگوں کو لکھے اور ایک سازش سے وہ لوگوں کو مخالفت عثمانی پر اکساتے تھے لہٰذا یہ کارکردگی یقیناً ان لوگوں کی طرف سے ایک خطرناک سازش تھی۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ کے متعدد مقامات میں تحریر کیا ہے کہ جو صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ مدینہ شریف میں موجود تھے ان کی جانب سے جعلی خطوط آفاق مدینہ کی طرف لکھے گئے اور ان خطوط میں الغاء پر حضرت عثمانؓ کے عمال کی بے اعتدالیوں کی فرضی داستان ذکر کر کے حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر لوگوں کو برانگیختہ کیا گیا اور قتال عثمانی پر آمادہ کیا گیا تھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۳ ج ۱۵ کتاب الفتن، تحت ما ذکر فی عثمان

(۲) تاریخ طبری ص ... ج ۵ تحت ۳۵ھ ذکر واقعات شہادت عثمان

(۳) تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۶۸ ج ۱ تحت ۳۵ھ

(۴) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۲۲۹ ج ۷ جلد سابع کتاب الفتن

وزوّرت کتب علی لسان الصحابة الذین بالمدینة، وعلی لسان علیؓ وطلحة والزبیرؓ یدعون الناس الی قتال عثمانؓ ونصر الدین، وانه اکبر الجهاد الیوم [1] ؏

اور دوسرے مقام میں بحوالہ ابن جریر الطبری ذکر کرتے ہیں کہ:

ان الصحابة کتبوا الی الآفاق من المدینة یامرون الناس بالقدوم علی عثمانؓ لیقاتلوه۔ وهذا کذب علی الصحابة، وانما کتبت کتب مزورة علیهم کما کتبوا من جهة علیؓ وطلحةؓ والزبیرؓ الی الخوارج کتباً مزورة علیهم انکروها [2]

ان کا مفہوم یہ ہے کہ جو صحابہ کرامؓ مدینہ طیبہ میں موجود تھے ان کی طرف سے خصوصاً حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کی جانب سے آفاق مدینہ میں لوگوں کو جعلی مکتوبات ارسال کیے گئے۔ قتال عثمانؓ اور دین کی نصرت کی خاطر ان خطوط میں دعوت دی گئی تھی، اور کہا گیا تھا کہ یہ بڑا جہاد ہے اس میں شریک ہوں۔

یہ سب خطوط جعلی تھے جو ان اکابر حضرات کی طرف منسوب کر کے ملک میں پھیلائے گئے اور جب ان حضرات سے اس بارے میں رجوع کیا جاتا تو وہ متحیر ہو جاتے تھے اور انکار کرتے اور اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے۔ ان حضرات کی صداقت و دیانت امت میں مسلم ہے اس بنا پر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مزورہ خطوط بالکل جعلی اور غلط تھے۔

اسی طرح وہ خط جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے حاکم مصر کی جانب لکھا گیا تھا [illegible]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] ج [illegible] تحت ذکر مجیٔ الاحزاب الی عثمانؓ للمرۃ الثانیۃ من مصر۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] ج [illegible] تحت ذکر مجیٔ الاحزاب الی عثمانؓ الخ

خطوط نے وزیوں کو پیچھے ہی قتل کر دیا جائے) وہ بھی مسلمہ جعلی خطوط تھے اور قتل عثمانؓ کے جواز پیدا کرنے کے لیے مرتب کیا گیا تھا اور اس میں ذرہ برابر بھی صداقت نہ تھی ۔

حضرت صدیقہؓ کی طرف سے برأت

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بھی اسی طرح کے فرضی خطوط منسوب کیے گئے تھے جو حقیقت میں ان مفسدین نے اس فتنہ کو مشتہر کرنے کے لیے اطراف میں لوگوں کی طرف لکھے تھے ۔

اور ان کے جعلی ہونے کا ثبوت اس طرح پایا گیا کہ جب عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں قتل عثمانؓ کی خبر پہنچی تو قاتلین کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ تم نے حضرت عثمانؓ سے اپنے مطالبات تسلیم کرا لینے کے بعد ان کو قتل کر ڈالا ۔

مسروق ایک مشہور تابعی ہیں انہوں نے اس موقع پر عرض کیا کہ (ام المؤمنین) یہ سارا کام آپ نے کرایا تھا ۔

اور آپ نے لوگوں کی طرف خطوط لکھے اور ان کو عثمانؓ کے خلاف خروج کرنے کا حکم دیا ۔ اس چیز کے جواب میں حضرت صدیقہؓ نے اس فعل سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

والذی آمن به المؤمنون وکفر به الکافرون ما کتبت الیهم سوداء فی بیضاء حتی جلست مجلسی هذا ۔

یعنی یہ بات نہیں ۔ اس ذات تعالیٰ کی قسم ! جس ذات پر مومن ایمان لائے اور

۱؎ تاریخ خلیفہ ابن خیاط صفحہ ۱۲۷ جلد اول تحت ۳۵ھ

۲؎ البدایہ لابن کثیر ص ۱۹۵ ج ۷ طبع مصر تحت فصل فی ذکر ... والردة وارد ... ذالک ۔

۳؎ العواصم من القواصم ص ۱۳۲ طبع مصر للقاضی ابی بکر بن العربی ۔

کو فرضی سے منسلک ہو گئے ہیں نیز ان کی طرف اس مجلس کی نشست تک کوئی چٹھی نہیں لکھی تھی:

اس چیز میں اس بات پر واضح دلالت پائی جاتی ہے کہ ان خارجی لوگوں (یعنی مفسدوں) نے صحابہ کرام کی جانب سے جعلی خطوط لکھے تھے اور اطراف و آفاق کے لوگوں کو حضرت عثمان کے حق میں بدظن کیا اور ان کے خلاف برانگیختہ کر کے لائے تھے۔

اسی طرح ایک یہ چیز بھی ذکر کیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے پہلے قتل عثمانؓ پر لوگوں کو ورغلایا اور کہا کہ اس نعثل یہودی کو قتل کر ڈالو اور جب وہ قتل کیے گئے اور لوگوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کر لی تو ام المومنین حضرت علیؓ کی عناد کی بنا پر مخالفت کرنے لگیں۔ اور دم عثمان کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس نوع کی روایات کے حق میں کبار علماء نے تجزیہ کر دیا ہے۔ اور فیصلہ فرما دیا ہے کہ:

مکذوب علیها رضی الله عنها ومن هو مثل ابن قتیبة وابن اعثم الکوفی والشمشاطی وکانوا مشهورین بالکذب والاختلاق۔

تفسیر روح المعانی للآلوسی جلد ۲۲ پارہ بائیس تحت آیت وقرن فی بیوتکن بیان براءة عائشة من مخالفة علی رضی الله عنه۔

یعنی یہ روایات بالکل دروغ ہیں ان کا کوئی اصل نہیں یہ چیزیں ابن قتیبہ اور ابن اعثم کوفی و سمیساطی جیسے لوگوں کی افترا پردازیوں میں سے ہیں یہ لوگ دروغ گوئی میں مشہور تھے اور جھوٹ تیار کرنے میں شہرت پا چکے تھے۔

قتل عثمانؓ سے حضرت علیؓ کی براءت کا ذکر

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا دخل تھا اور ان کے اشارے سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ اس قسم کی بے اصل روایات کی بنا پر کئی لوگ حضرت علیؓ کے خلاف بدظنی میں مبتلا ہو گئے۔

بدگمانی حقیقت کے برخلاف ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا کوئی عمل دخل نہ تھا نہ ہی ان کی طرف سے حضرت عثمان کے خلاف کسی قسم کی تحریض و انگیخت پائی گئی تھی۔ اس پر ہم ذیل میں چند مختصر سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ کے اپنے اقوال میں اور ان کے احباب کے متعدد بیانات ہیں۔ اور ان کی جماعت کے واضح فرمودات ہیں۔ ان بیانات کے ملاحظہ کر لینے سے امید ہے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے گا۔ ناظرین کرام اس مسئلہ کے حوالہ جات پر نظر غائر فرما دیں۔

(۱) ۔۔۔۔۔۔ یقول (ابن عباس) سمعت علیاً یقول واللہ ما قتلت عثمان ولا امرت بقتلہ ولکن غلبت۔

(۱) المصنف لعبد الرزاق ص ۴۴۷ ج ۱۱ باب مقتل عثمانؓ روایت ۲۰۹۶۲

از مطبوعات مجلس علمی

(۲) البدایۃ لابن کثیر ص ۱۹۳ ج ۷ تحت مسئلہ ہذا

(۳) ۔۔۔۔۔۔ عن لیث عن طاؤس عن ابن عباسؓ قال سمعت علیاً یقول حین قتل عثمانؓ واللہ ما قتلت ولا امرت ولکن غلبت یقول ذالک ثلاث مرات۔

(طبقات ابن سعد ص ۵۵ ج ۳ تحت تذکرہ عثمان بن عفان)

(۴) ۔۔۔۔۔ عن ابن عباسؓ قال قال علیؓ: ما قتلت یعنی عثمان ولا امرت۔ ثلاثا ولکن غلبت۔

المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۰۹ ج ۱۵ کتاب الفتن (طبع کراچی)

(۴) ۔۔۔۔۔ عن عبد الکریم عن ابن عباسؓ قال نشہد علی علیؓ انسہ قال لو قتل عثمان لقد غبت عنہ ولو ظننتہ کنت کارہا لقتلہ ولکن غلبت۔

(انساب الاشراف للبلاذری ص ۱۳ ج ۵)

مندرجہ بالا حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ :

حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاص معتمد حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان سے نقل فرماتے ہیں کہ جب جناب عثمانؓ قتل کیے گئے ، تو میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو فرماتے ہوئے سنا اللہ کی قسم ! حضرت عثمانؓ کو میں نے قتل نہیں کیا اور نہ میں نے ان کے قتل کا حکم دیا ہے بلکہ میں نے قتل ہذا سے منع کیا تھا ، مگر لوگوں نے میری بات نہ مانی ، اور میں اس معاملہ میں مغلوب رہا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی یہ براءت بے شمار اکابر مصنفین نے بہت سے اسانید کے ساتھ نقل کی ہے ۔ چنانچہ ابن کثیر نے یہاں لکھا ہے کہ ...... وقد ثبت ذلک عنہ من طرق تفید القطع عند کثیر من ائمۃ الحدیث ۔ [1] یعنی کثیر محدثین کے ہاں اتنے قدر اسانید کے ساتھ یہ براءت منقول ہے کہ یقین کے درجہ میں پہنچ گئی ہے ۔ ہم نے یہاں صرف حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول مختصراً ذکر کیا ہے۔

ابن عباسؓ کے ماسوا بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعین نے مذکورہ براءت علوی کو بیان فرمایا ہے لیکن مسئلہ کی وضاحت کے لیے اتنا ہی بیان کر دینا کافی خیال کیا گیا ہے حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس مسئلہ میں متعدد دفعہ اپنی براءت صاف کے ساتھ بیان فرمائی ہے اور جناب مرتضیٰؓ اپنے قول و فعل میں صادق و دیانت دار ہیں ۔

دوسری چیز اس مقام میں جو قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر جب حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاں پہنچی ہے تو آپؓ نے اس دہشت ناک خبر پانے کے بعد براءت مذکورہ کے علاوہ قاتلین کے حق میں بد دعا کے کلمات بھی ارشاد فرمائے ۔ آپ نے قاتلین کے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۱۹۳ ج ۷ تحت مسئلہ ہذا طبع اول مصری۔

حق میں یوں ارشاد فرمایا کہ :

(۱) ۔ ۔ ۔ تباً لکم آخر الدھر

اور بعض روایات کی رو سے

تباً لھم سائر الدھر [1]

بعض مقامات میں اسی موضوع پر سیدنا علی المرتضیٰؓ کی جانب سے لعن و نفرین کے کلمات بھی مذکور ہیں۔

۔۔۔۔۔ فقال علی لعن اللہ قتلۃ عثمان فی السھل والجبل والبر والبحر [2]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے قاتلین عثمانؓ کے حق میں فرمایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو۔

اور دوسری روایت کے الفاظ کی رو سے حضرت علی المرتضیٰؓ نے قاتلین عثمانؓ کے حق میں فرمایا کہ مدت العمر ان کے لیے ہلاکت اور تباہی ہو۔

اور ابن شیبہ کی روایت کی رو سے حضرت علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قاتلین عثمان پر لعنت کرے ہر جگہ لعنت ہو صاف زمین میں، پہاڑوں میں، اور خشکی اور سمندر میں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے علانیہ طور پر اس معاملہ سے اپنی برأت بیان

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۱۱ ج۱۵ کتاب الفتن طبع کراچی

(۲) کتاب السنن سعید بن منصور ص۳۳۵ ج۳ باب جامع الشہادۃ قسم ثانی مجلس علمی

(۳) طبقات ابن سعد ص۱۱ ج۳ قسم اول تحت تذکرہ علی بن ابی طالب طبع لیڈن۔

(۴) کتاب الکنیٰ للدولابی ص۱۳۲ ج اول باب الجیم من کنیتہ ابی جعفر۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۱۱ ج۱۵ (قتل عثمان) کتاب الجمل ص۲۶۲ ج۱۵ طبع کراچی)

خوان نعمت لوگوں میں سے زیادہ بری پائیں گے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ میں
اس معاملہ میں بالکل الگ رہا۔ مگر یہ کہ آپ واضح چیز کو چھوڑ کر اور چھپا
کر مجھے قصوروار ٹھہرائیں"۔ والسلام

اس مضمون کی کئی روایات شیعہ کتب میں دستیاب ہو سکتی ہیں مگر یہاں صرف ایک
حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

دور چہارم

عہد علوی

خلیفہ رابع کے انتخاب کا مسئلہ

جن حالات میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ان میں یہ مفسد لوگ کسی کو امیر منتخب کیے بغیر ہی لوٹ جانا اپنے لیے مہلک سمجھتے تھے اور اس میں اختلاف الناس و فساد امت کے خطرات تھے پس اس معاملہ میں وہ خود پریشان تھے کہ کس کو امیر بنایا جائے؟ ان میں سے بعض (یعنی بصریوں) کی رائے یہ تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کو خلیفہ بنایا جائے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔

اور ان میں سے بعض (یعنی کوفیوں) کی رائے یہ تھی کہ حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائے۔ اور ان میں سے مصریوں کا ارادہ یہ تھا کہ سیدنا حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور ان کو خلیفہ منتخب کیا جائے پہلے ان لوگوں نے اس مقصد کے لیے حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کی طرف رجوع کیا تو ان دونوں حضرات نے منصب خلیفہ قبول نہ کرنے اور بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں یہ لوگ پہنچے تو آپؓ نے بھی اولاً انکار فرمایا اور اس معاملہ سے الگ رہنے کی پوری کوشش کی جیسا کہ ہم قبل ازیں بحث "من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ" کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

یہ لوگ کسی دوسری شخصیت کو حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کے بعد خلافت کے لیے آمادہ نہ کر سکے یا انہوں نے کسی دیگر شخصیت کو اس منصب کے لیے موزوں نہ پایا تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں پھر حاضر ہو کر اصرار کرنے لگے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی اپنے

ساتھ لے آئے اور عرض کیا کہ امت کے لیے یہ معاملہ ایسا ہے کہ اسے بغیر امیر کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تو ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے بیعت لینا قبول فرما لیا۔

سیدنا علیؓ کے ساتھ بیعت

حقیقت الامر یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہؓ حضرات کے بعد اس منصب کے لیے کوئی صاحب حضرت علیؓ سے فائق نہ تھے نہ مرتبہ میں نہ علم میں نہ تقویٰ میں نہ دینداری میں۔ پس ان کے حق میں بیعت منعقد ہوئی۔

---- ولم یکن بعد الثلاثة کالرابع قدراً وعلماً وتقیً ودیناً فانعقدت له البیعة الخ[1]

اور یہ بیعت بعض مورخین کے قول کے مطابق بروز جمعہ بتاریخ ۲۴ ماہ ذوالحجہ ۳۵ھ میں ہوئی تھی۔ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور دیگر حضرات نے بیعت کی اور دوسرے روز جمعہ کے دن اہل مدینہ نے مسجد نبوی میں بیعت کی اور اہل مدینہ میں سے کثیر تعداد حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین نے اس میں شمولیت فرمائی اور بیعت میں داخل ہو گئے۔

قاتلین عثمانؓ اور ان کی جماعت کثیرہ کا اس وقت اہل مدینہ پر رعب اور تسلط تھا اور حضرت علی کی بیعت کرنے والے اولین میں یہ افراد تھے کیونکہ یہ لوگ حضرت علی کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں تھا حضرت علیؓ ان مضطربانہ حالات کے تحت ان کی بیعت لینے سے گریز بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان سے اجتناب کرنا انؓ کے لیے دشوار تر تھا۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی عبارت میں ان حالات کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے

"و قاتلان بجز آنکہ پناہی بحضرت مرتضیٰؓ برند و بالو بیعت کنند علاجے نیافتند۔"

---

[1] العواصم من القواصم ص۱۴۲ للقاضی ابی بکر بن العربیؒ طبع القاہرہ تحت حالات بعد از شہادت عثمانؓ۔

نیز در باب عقد خلافت او از ہمہ بیشتر سعی کردند و دم موافقت او زدند

و کیف کان عقد بیعت واقع شد۔ ؎1

یعنی قاتلانِ عثمانؓ کو اس کے بغیر کوئی علاج دریافت نہ ہو سکا کہ جناب مرتضیٰؓ کی پناہ میں آ جائیں اور ان سے بیعت کریں۔ اسی بنا پر انہوں نے بیعت مرتضوی کے انعقاد کے لیے بیشتر سعی کی اور ان کی موافقت میں خوب دم بھرا۔ جس طرح بھی ہوا یہ بیعت منعقد ہوئی۔

مطالبہ قصاص دمِ عثمانؓ

حضرت علی المرتضیٰؓ کے دست مبارک پر جب بیعت خلافت منعقد ہوئی اور اکابر صحابہ کرامؓ اور اہل مدینہ نے بیعت کر لی تو اس وقت حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ و دیگر اکابر صحابہ کرامؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور یہ مطالبہ پیش خدمت کیا کہ اب آپ مسند خلافت پر تشریف فرما ہو چکے ہیں تو حضرت عثمانؓ کے قصاص کے متعلق انتظام فرما دیں اور قاتلین پر شرعی حکم کا نفاذ کریں کیونکہ اگر ہم شہید مظلوم کا انتقام نہ لیں اور اہل عدوان و اہل فساد کا قلع قمع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے عتاب و غضب کے مستوجب ہوں گے۔

اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا:

(1) ...... بان ھؤلاء لھم مدد و اعوان وانہ لا یمکنہ

ذالک یومہ ھذا ؎2

یعنی ان لوگوں کے لیے ان حالات میں بہت سے لوگوں کی مدد میسر ہے اور ان کو غلبہ اور تسلط حاصل ہے۔ اس لئے یہ چیز اس وقت ممکن نہیں۔ فی الوقت یہ کام نہیں ہو سکتا۔ حالات

؎1 قرۃ العینین ص ۱۳۳ طبع مجتبائی دہلی بحث مسئلہ بغاۃ۔

؎2 (1) البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۸ ج ۷ تحت ذکر بیعت خلافت علوی۔

(2) الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص ۱۱۳ تحت مطالب طلحہ والزبیرؓ

کے ساتھ اور زیادہ بگاڑ پیدا ہونے کے بعد ہو سکے گا)

اور صاحب مرقاۃ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مطالبہ مذکورہ کا جواب عبارت ذیل میں پیش کیا ہے۔

(۲) ...... ان قتل تلک الفئة يجر الى اثارة الفتنة التي هي تكون اقوى من الاولى۔"[1]

یعنی اس فتنہ انگیز جماعت کا قتل ایک دیگر فتنہ کھڑا کرنے کا موجب ہوگا جو سابقہ فتنہ سے بھی شدید تر ہوگا۔

بعض علماء اس موقع پر ایک تیسری چیز بھی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ:

(۳) ...... وكان علي ينتظر من اولياء عثمان ان يتحاكموا اليه فاذا ثبت على احد بعينه انه ممن قتل عثمان اقتص منه الخ[2]

یعنی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بات کے منتظر تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں اور ورثاء کی طرف سے ان کی خدمت میں باقاعدہ طور پر مقدمہ کی مرافعت کی جائے اور جب قاتلین کا صحیح طور پر تعین ہو جائے کہ یہی قاتل ہیں تو ان سے قصاص لیا جائے گا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں ہر دو فریق کے نظریات اس معاملہ میں واضح طور پر سامنے آ گئے۔

مقصد یہ تھا کہ یہ مطالبہ تو درست اور صحیح ہے لیکن حالات فی الوقت اس چیز کے متقاضی ہیں کہ قصاص کے معاملہ میں تاخیر کی جائے کیونکہ تعجیل کرنے میں بیشتر خطرات ہیں۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص [illegible] ج ۱۰ طبع ملتان، تحت کتاب الفتن الفصل الثانی۔

[2] فتح الباری ص [illegible] جلد ۱۳، تحت باب مقتل عثمان بن ابی الہیثم الخ

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا قصدِ مکہ

بعض ازواج مطہرات (امہات المومنین) باغیوں کی چڑھائی کے وقت اس فتنہ سے اجتناب کرتے ہوئے حج کے لیے مکہ شریف روانہ ہو گئیں تھیں۔ اور شہادت عثمانؓ کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کی اجازت سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مکہ شریف تشریف لے گئے۔ اور ایک کثیر جماعت ان کی متابعت میں مکہ معظمہ چلی گئی تھی۔

وہاں ان حضرات کی امہات المومنین کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں اور قتل عثمانؓ کے معاملہ کے متعلق باہمی گفتگو ہوئی۔ ان حضرات کا یہ نظریہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قتل ظلماً اور ناحق ہوا ہے قاتلین سے اولین فرصت میں ان کا قصاص لینا ضروری ہے اور انہیں یہ گمان تھا کہ یہ مفسدین حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اور حضرت علیؓ کی پناہ میں یہ مجتمع ہو گئے ہیں اور یہ ان کی سیاسی غرض پر ایک حفاظتی تدبیر ہے۔ حقیقت میں وہ آپ کے وفادار نہیں ہیں۔

بعض حضرات کی ملک شام کو روانگی

شہادت عثمانی کے بعد اس واقعہ ہائلہ کے اندوہگین اثرات بڑے بڑے اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ پر نمایاں تھے اس سلسلہ میں یہ لوگ سخت قلق و اضطراب میں تھے۔

بقول بعض مؤلفین ان حالات میں نعمان بن بشیرؓ اور دیگر حضرات ملک شام چلے گئے۔

وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت ملک شام میں گورنر تھے) اور باقی حضرات سے جا کر قتل عثمانؓ کے دردناک مناظر ذکر کیے۔ پھر قاتلین کا حضرت علیؓ کی بیعت کرنا اور ان کے ساتھ مجتمع ہونا بتلایا اور ان کی شر انگیزیاں اور سرگرمیاں بیان کیں۔

ان واقعات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت معاویہ اور باقی صحابہؓ و تابعینؒ نے بھی دمِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ پہلے ان مفسدین قاتلین سے قصاص لیا جائے اس کے بعد خلیفہ کی بیعت تسلیم کی جائے گی۔ اس کے بغیر ہم آپ کی

خلافت تسلیم نہیں کریں گے۔

اس مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ متعدد اکابر صحابہ مثلاً عبادہ بن الصامتؓ، ابو درداءؓ، ابوامامہؓ اور عمرو بن عبسہؓ وغیرہم کے علاوہ بعض اکابر تابعین بھی شامل تھے۔
چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں تصریح کر دی ہے کہ:

۔۔۔۔۔ وقام فی الناس معاویۃ وجماعۃ من الصحابۃ معہ یحرضون الناس علی المطالبۃ بدم عثمانؓ ممن قتلہ من اولئک الخوارج، فمنھم عبادۃ بن الصامت وابو الدرداء وابو امامۃ وعمرو بن عبسۃ وغیرھم ۔[1]

ایک وضاحت

یہاں یہ امر قابل وضاحت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس مطالبہ کا اس شان کیا تھا کہ خود لینے کے دعوے خلافت نہیں کیا تھا اور نہ ہی اہل شام سے اس وقت خلافت کے لیے بیعت لی تھی۔ آپؓ نے اہل شام سے اس وقت بیعت لینا شروع کی تھی جب واقعہ صفین کے بعد حکمین کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تھے اور لوگوں میں افتراق رونما ہو گیا۔ اس چیز کی وضاحت خلیفہ ابن خیاط نے بالفاظ ذیل کی ہے۔

۔۔۔۔۔ فلم یتفق الحکمان علی شئ افترق الناس وبایع اھل الشام لمعاویۃ بالخلافۃ فی ذی القعدۃ سنۃ سبع وثلاثین ۔ (تاریخ خلیفہ بن الخیاط الجزء الاول ص ۱۹۲ تحت وقعۃ الصفین)

مطلب یہ ہے کہ جب فریقین ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اور لوگوں میں افتراق پیدا ہو گیا تو اہل شام نے اس وقت حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کی یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۷ھ

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۷ ج ۷ طبع اول مصری تحت واقعات بعد از بیعت علیؓ

میں پیش آیا۔ اور یہ چیز آئندہ بھی اپنے مقام پر درج ہو گی۔ ان شاء اللہ

حکام و عمال میں تبدیلی کا مسئلہ

جمل کا واقعہ نصف الجمادی الاولیٰ یا عند البعض جمادی الثانیہ سنہ ۳۶ھ میں پیش آیا تھا۔[1]

اس سے قبل ان ایام میں کئی واقعات پیش آئے۔ ان میں سے یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ عمال و حکام کو جو سب اپنے اپنے مقامات پر متعین تھے۔ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی ابتدائے خلافت میں انہیں اپنے مناصب سے الگ کر دیا۔

اس معاملہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہم کی رائے دوسری تھی۔ ابن عباس کا خیال تھا کہ عثمانی حکام اور والیوں کو فی الحال اپنے اپنے مقامات پر متعین رہنے دیا جائے اور حضرت معاویہؓ کو بھی سر دست اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے جب حالات درست ہو جائیں تو بے شک مناسب تبدیلیاں کر لی جائیں لیکن حضرت علیؓ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔[2]

مورخین نے عثمانی حکام و عمال کے نام بعض مقامات میں اس طرح ذکر کیے ہیں مثلاً

بصرہ پر عبد اللہ بن عامر حاکم تھے۔ مصر پر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح، شام پر معاویہ بن ابی سفیان۔ آذربیجان پر اشعث بن قیس اور قرقیسیا پر جریر بن عبد اللہ بجلی، حلوان پر عتیبہ بن النہاس، قیساریہ پر مالک بن حبیب، اور ہمدان پر حبیش، حاکم عثمانی مقرر تھے۔[3]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۴۴ ج ۱۳۔ تنبیہ: شیعہ اکابر نے بھی تبدیلی احکام کے مسئلہ کو تسلیم کیا ہے۔

(۱) تاریخ یعقوبی ص ۱۵۹ ج ۲ تحت خلافت امیر المومنین علیؑ

(۲) سیرت امیر المومنین علی تحت جنگ صفین ص ۴۹۵ جلد اول از مفتی جعفر حسین آف گوجرانوالہ

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۸ ج ۷ تحت مقتل علی بالاختصار

[3] البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۸ ج ۷ تحت ذکر بیعت علی بالاختصار۔

اسی طرح مشائی طور پر مرکز اسلام مدینہ طیبہ میں بیعت ... وہاں پر عقبہ بن عمرو نگران اور قضائے مدینہ منورہ پر زید بن ثابتؓ متعین تھے [1]

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب والی خلافت ہوتے ہیں تو ۳۶ھ کی ابتدا میں مختلف بلاد و امصار پر اپنی طرف سے درج ذیل حکام مقرر فرمائے۔

یمن پر عبداللہ بن عباس، بصرہ پر سمرۃ بن جندب یا عثمان بن حنیف، کوفہ پر عمارۃ بن شہاب، مصر پر قیس بن عبادہ، شام پر سہل بن حنیفؓ کو حاکم مقرر فرما کر روانہ فرمایا [2]

سہل بن حنیف جب ملک شام کی سرحد پر تبوک کے مقام پر پہنچے تو حضرت امیر معاویہؓ کے سپاہ سواروں کی ایک جماعت ان کے مزاحم ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ حضرت عثمانؓ کی طرف سے مامور شدہ ہیں تو بہتر ہے اور اگر آپ کسی دوسرے کی طرف سے متعین ہو کر آرہے ہیں تو واپس تشریف لے جائیں۔ اس طرح معارضہ کی وجہ سے سہل بن حنیف کو واپس لوٹنا پڑا اور وہ ملک شام پر ان کی امارت تسلیم نہ کی گئی [3] اس واقعہ کے قرینہ تمام کے لوگوں کے جذبات اور تاثرات کا ایک گونہ اندازہ ہو گیا۔

مورخین کے قول کے مطابق جمہور اہل مصر نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعین کردہ حاکم مصر قیس بن سعد کو قبول کر لیا لیکن بعض لوگوں نے بیعت سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کیا جائے ہم بیعت نہیں کریں گے [4]

اسی طرح اہل بصرہ میں بھی اختلاف واقع ہو گیا بعض حضرت عثمانؓ کے قتل کے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے اور بعض کی رائے اس موقعہ پر دوسری تھی۔

---

[1] البدایہ ص ۲۲۸ ج ۷ تحت ذکر بیعت علیؓ بالخلافۃ

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۷ تحت ۳۶ھ (۲) تاریخ طبری ص ۱۶۱ ج ۵ تحت ۳۶ھ

[3] البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۷ تحت (۳۶ھ)

[4] البدایہ لابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۷ تحت ۳۶ھ

اور کوفہ کی طرف حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت عمارہ بن شہاب امیر بنا کر روانہ کیے گئے تھے تو وہاں ان کے ساتھ طلیحہ بن خویلد نے سامنا کیا اور حضرت عثمانؓ کے قتل کے قصاص کا مطالبہ پیش رکھا اس کے بعد حضرت عمارہ واپس آگئے اور کوفہ میں اختلافات کی کیفیت حضرت علی المرتضیٰ کی خدمت میں بیان کی۔[1]

انہیں حالات میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے کوفہ کے والی تھے) کوفہ میں لوگوں کو یہ تلقین فرماتے تھے کہ یہ اجتماع اور ایسا فتنہ کا دور آگیا ہے جس میں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ اور اپنی تلواروں کو نیام میں کریں اور کمانوں کی تانتیں توڑ ڈالیں حتیٰ کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے۔ بہرکیف ان کی رائے مسلمانوں کی باہمی جنگ کے خلاف تھی۔ اور ان کا موقف قتال کے خلاف تھا۔[2]

اسی طرح ان بعض مقامات میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے روانہ کردہ حکام کے ساتھ معارضے اور مخالفتیں پیش آئیں اور دم عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ روز بروز شدت اختیار کرتا گیا اور حالات دگرگوں ہوتے گئے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے ان واقعات و حالات کو مختصر الفاظ میں درج کیا ہے فرماتے ہیں:

...... وانتشرت الفتنۃ وتفاقم الامر واختلفت الکلمۃ۔[3]

یعنی اس فتنہ کی بنا پر لوگوں میں انتشار پھیل گیا۔ اور یہ معاملہ اپنے حدود سے تجاوز کر گیا۔ اور کلمۂ اسلام کی وحدت میں افتراق پیدا ہو گیا۔

---

[1] البدایہ ص ۲۲۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۶ھ

[2] البدایۃ لابن کثیر ص ۲۳۵ ج ۷ تحت ذکر مسیر علی من المدینۃ الی البصرۃ

[3] البدایۃ لابن کثیر ص ۲۲۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۶ھ

مکہ مکرمہ میں اجتماع

مکہ مکرمہ میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت صدیقہؓ کے علاوہ بعض امہات المؤمنین عمرہ کی غرض سے پہنچ چکی تھیں بعد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر حضرات کرام مدینہ شریف سے آ گئے۔ اس دوران یمن کے والی یعلیٰ بن امیہ بھی وہیں پہنچ گئے اسی طرح بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر بھی مکہ شریف میں آ گئے یہ دونوں حضرات حضرت عثمانؓ کے متعین کردہ والیان ملک تھے۔

اس طرح یہاں مکہ مکرمہ میں صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنین اور دیگر حضرات کا اجتماع ہوا ان تمام حضرات کا مقصد واحد تھا اور یہ مطالبہ کرتے تھے کہ دم عثمانؓ نا حق اور ظلماً گرایا گیا ہے اس لیے ان کے قصاص کا مسئلہ سب سے پہلے طے ہونا چاہیے۔ اور قاتلین عثمانؓ کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے[1]

اس سلسلہ میں ان حضرات کے باہمی مشورے جاری رہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف آراء سامنے آئیں لیکن آخر کار یہ رائے ٹھہری کہ بصرہ پہنچنا چاہیے۔ بقول مؤرخین وہاں حضرت طلحہؓ کا بڑا اثر تھا اور وہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی۔ چنانچہ بقول صاحب روح المعانی اس مقام کی کیفیت اس طرح ہے:

... بانها كانت، إذ ذاك مجمع الجنود المسلمين[2]

"یعنی بصرہ اس موقعہ پر مسلمانوں کے عساکر کے لیے جائے اجتماع تھا"

منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت اگر مقام مذکور پر مجتمع ہو جائے گی تو اس صورت میں امید ہے کہ فریق ثانی بھی اس کے جواز کی طرف توجہ کرے گا اور باہم تفاہم"

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۰ ج ۷ تحت عنوان ابتداء وقعۃ الجمل۔

[2] تفسیر روح المعانی ص ۱۰ ج ۲۲ تحت آیت وقرن فی بیوتکن۔

اور توافق کی صورت پیدا ہو جائے گی

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شمولِ سفر کا تقاضا

اس کے بعد ان اکابر نے یعنی حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ و دیگر حضرات امّ المومنین حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں اس سفر میں شامل رہنے کی استدعا کی اور عرض کیا کہ آنجنابؓ اس فتنہ کے مرتفع ہونے اور ان حالات میں امن قائم ہونے اور امورِ خلافت میں صحیح نظم قائم ہونے تک ہمارا ساتھ دیں تاکہ جناب کے ذریعے اس معاملہ میں اصلاحِ احوال کی کوئی بہتر صورت پیدا ہو سکے۔

...... والصواحبي احمد رضي الله تعالى عنها ان تكون معهم الى ان ترتفع الفتنة ويحصل الامن وتنتظم امور الخلافة[1]

حضرت عائشہؓ کا قصد اصلاح تھا

الغرض ان حالات میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس گزارش کو منظور فرما لیا اور معاملات میں صحیح نظم قائم کرنے کی خاطر اور اصلاح بین المسلمین کے پیش نظر سفر پر آمادہ ہو گئیں چنانچہ اکابر علماء نے اس چیز کو اپنی اپنی عبارات میں مندرجہ ذیل شکل میں تحریر کیا ہے :

(۱) ...... ومضت عائشة وهي تقول انهم انما تكلم الى ان رجلا الا الاصلاح حرنا صلح بينهم[2]

(۲) ...... انما خرجت لتقصد الاصلاح بين المسلمين ....

---

[1] مروج الذہب صفحہ ۲۲ تحت آیت وقرن فی بیوتکن ؟

[2] کتاب الثقات لابن حبان صفحہ ۲۸۲ تحت خروج عائشہ الی البصرۃ۔

وظننت أن في خروجها مصلحة للمسلمين ! [1]

(۲) ...... فسارت معهم تقصد الإصلاح وانتظام الأمور [2]

ان مندرجات کا مفہوم یہ ہے

"حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا اے اللہ! تحقیق آپ جانتے ہیں کہ صلاح بین المسلمین کے علاوہ اس سفر میں میرا کوئی ارادہ نہیں۔ آپ ان کے درمیان اصلاح کی کوئی صورت پیدا فرما دیجئے۔

چنانچہ اس کے بعد بہت سے لوگ ان اکابر حضرت صدیقہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ شریک ہو گئے اور بصرہ کی طرف رخت سفر باندھا گیا۔ [3]

---

[1] المنتقی للذہبی ص ۲۲۳ تحت قولہ تقاتلین علیاً

[2] تفسیر روح المعانی ج ۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن ۔۔۔ الخ

واقعہ الحوأب

سفرِ جمل پر معاندینِ صحابہؓ نے جو اعتراضات اٹھائے ہیں ان میں مقام الحوأب والی روایت کے ذریعے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن قائم کرتے ہیں۔ وہ اس طرح ہے کہ:۔

شیعہ مؤرخین کی عام روایات اور اہل السنۃ کی بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ:۔

جب سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے بصرہ کی طرف عازم سفر ہوئیں تو راستے میں دیارِ بنی عامر کے ایک مقام الحوأب پر پہنچیں تو وہاں کے کلاب (کتے) ان کو بھونکنے لگے اس پر آنموصوفہؓ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا مقام ہے؟

تو لوگوں نے کہا کہ اس مقام کو حواب کہتے ہیں تو اس وقت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ اپنی سواری کو روک کر فرمانے لگیں کہ میں واپس ہوتی ہوں کیونکہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ " تم میں سے اس کا کیا حال ہوگا ؟ جس پر حواب کے کلاب بھونکیں گے "

اس پر حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور دیگر قافلہ والوں نے کہا کہ یہ مقام الحواب نہیں ہے اور بعض روایات کے اعتبار سے لوگوں نے قسمیں اٹھا کر شہادت دی کہ یہ مقام الحواب نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا مقام ہے۔ لوگوں کی اس شہادت کے بعد آپؓ نے پھر آگے بصرہ کی طرف سفر جاری رکھا۔

اس روایت کی بنا پر مخالفین صحابہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے اس فرمان نبوی صلعم کی برملا مخالفت کی اور بصرہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ اور نبی اقدس کی نافرمانی کی مرتکب ہوئیں۔

شبہ ہذا کا ازالہ

طعن ہذا کے ازالہ کے لیے مندرجہ ذیل امور ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے شبہ ہذا کے دفع میں مفید ہوں گے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیث نبوی صلعم کی روایات (صحاح ستہ) میں مذکور نہیں بلکہ صحاح ستہ کے ماسوا روایات میں بعض مقامات میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے۔ لیکن ان روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے جو اختصاراً درج ذیل ہے۔

(1)

چنانچہ اس مقام کی بیشتر اسانید کا آخری راوی قیس بن ابی حازم ہے اور قیس بن ابی حازم کی توثیق اگرچہ اسماء الرجال میں موجود ہے تاہم بعض رجال نے اس کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے اور اس سے کئی منکر احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث میں حدیث کلاب الحواب بھی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی تالیف تہذیب التہذیب میں ذکر کرتے ہیں کہ۔

"...... قال ابن المدینی قال لی یحیی بن سعید قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ثم ذکر لہ یحیی احادیث مناکیر منہا حدیث کلاب الحواب"

(تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۳۸۹ ج ۸ تحت قیس بن ابی حازم)

(۲)

اور اس واقعہ کی بعض مرویات کے رواۃ میں عبدالرحمان بن صالح پایا جاتا ہے۔ جس کے متعلق علماء رجال فرماتے ہیں کہ یہ جلنے والا شیعہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں مثالب و معائب کی بری روایات نقل کرتا ہے اور کوفہ کے مشہور جلنے والے شیعوں میں سے ہے۔

(۱) الکامل لابن عدی ص [illegible] ج ۴ تحت عبدالرحمن بن صالح الازدی الکوفی۔ طبع بیروت۔

(۲) العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ عبدالرحمن بن علی ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) ص [illegible] جلد ثانی روایت نمبر ۱۴۲۳ تحت حدیث فی قتال علی رضی اللہ عنہ وعائشہ رضی اللہ عنہا۔

(۳)

امام ابن ابی حاتم الرازی نے اپنی کتاب علل الحدیث میں اس روایت پر مختصر کلام کیا ہے۔

"..... قال ابی لم یرو هذا الحدیث غیر عصام وهو حدیث منکر لا یروی من طریق غیرہ"

علل الحدیث لابن ابی حاتم ص [illegible] ج ۲ روایت نمبر [illegible] تحت علل اخبار فی الامرء والفتن۔ طبع مصر۔

یعنی ابن ابی حاتم رازی کے پیش نظر واقعہ ہذا کی جو روایات ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ اس روایت کا راوی عصام بن قدامہ ہے یہ روایت منکر ہے اور اس طریق کے بغیر نہیں روایت کی گئی۔
مختصر یہ ہے کہ اس واقعہ کی تمام روایات عموماً عند المحدثین سقیم پائی جاتی ہیں اور بیشتر علماء کے نزدیک اس واقعہ کی روایات منکر و مجروح ہیں۔

واقعہ ہذا مورخین کی نظروں میں

اس کے بعد واقعہ ہذا کی تاریخی روایت پر نظر کی جائے تو ان کی صورت حال بھی قابل اطمینان نہیں۔

ایک چیز تو یہ قابل توجہ ہے کہ کئی ایک قدیم مورخین مثلاً خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰ھ) وغیرہ نے اس واقعہ کو اس مقام میں ذکر ہی نہیں کیا۔ اسی طرح شیعہ کے بعض قدیم مورخین مثلاً صاحب اخبار الطوال احمد بن داؤد ابو حنیفہ الدینوری (المتوفی ۲۸۲ھ) نے بھی اس واقعہ کو درج نہیں کیا۔

یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ واقعہ الحواب مورخین کے نزدیک کوئی متفق علیہ امر نہیں جس کا انکار کرنا مشکل ہو۔ بلکہ بعض مورخین اپنے طریقے کے مطابق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں ان میں زیادہ مشہور مورخ الطبری ہے۔ جنہوں نے اپنی مشہور تاریخ طبری میں واقعہ الحواب کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور روایت کی یہ سند اس فن کے علماء کے نزدیک مجروح پائی گئی ہے۔

(۱) طبری کا شیخ اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ہے جو رفض کے ساتھ متہم اور غالی شیعہ ہے۔

(۲) اور پھر اس کا شیخ علی بن عابس الازرق ہے اس کے متعلق علماء رجال نے تحریر کیا ہے کہ ضعیف ہے۔ لیس بشیء (یعنی اس کا کچھ اعتبار نہیں)

(۳) اس کے بعد دو راوی ابو الخطاب الہجری اور صفوان بن قبیصہ الاحمسی دونوں مجہول ہیں۔

(۴) پھر ان کے اوپر راوی صاحب الجمل العرنی ہے اور بعض العرنی کو ایک راکب (سوار) بتایا ہے۔ العرنی اور وہ راکب دونوں مجہول الذات ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ طبری کی یہ روایت مذکورہ راویوں کے ساتھ تو بالکل بے کار ہے اور ہرگز قابل اعتماد نہیں۔ اور طبری کے بعد والے بیشتر مورخین عموماً اسی روایت کو نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

درایت کے اعتبار سے

بالفرض اگر روایت ہذا کو درست تسلیم کر لیا جائے اور علماء کی تنقیدات سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی درایت کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ :-

پیش کردہ روایت میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ام المومنین کو عام ریگزر سے گزرنے کی منع وارد نہیں اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ روایت سے یہی کچھ مستفاد ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ازواج مطہرات کو بطور پیش گوئی ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک کو یہ مصیبت پیش آئے گی۔

اور فی الواقع یہ حادثہ جمل ایک عظیم مصیبت تھا جو حرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں موجب خفت ثابت ہوا۔ اور جو مقصود حضرت صدیقہ اہل اسلام میں اصلاح ذات البین وہ حاصل نہ ہو سکا بلکہ مسلمانوں کے درمیان منازع لوگوں نے قتال کھڑا کر دیا۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز اپنی تالیف تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"... در حدیث نہی از مرور بر آب واقع نیست ونہ اشارت بآں وارد آنچہ ازیں حدیث مستفاد مے شود ہمیں قدر است کہ یکے از شما ایں مصیبت پیش خواہد آمد"

تحفہ اثنا عشریہ ص۲۳ تحت مطاعن ام المومنین صدیقہؓ طعن سوم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طعن کرنے والوں نے جو ان روایات سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر فرمان نبوی صلعم کی خلاف ورزی کا طعن وارد کیا ہے وہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ روایت محدثین کے نزدیک مجروح ہیں اور مورخین کے ہاں بھی یہ واقعہ الحوأب کوئی متفق علیہ امر نہیں۔ اگر اسے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ چیز طعن نہیں ہے۔ بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جس کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہراتؓ سے اظہار فرمایا۔ جو بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔

لہٰذا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یہ طعن قائم کرنا بے اصل اور درست نہیں اور آنموصوفہ اس طعن سے بری ہیں۔ (از مصنف [illegible] مترجم)

اس سفر کے دوران نمازوں کی ادائیگی کا اس طرح نظم قائم کیا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رائے کے مطابق آگے مروان بن حکم اوقات نماز میں اذان دیتے تھے اور حضرت عائشہؓ کے خواہرزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اسی صورت میں یہ سفر جاری رہا اور یہ حضرات بصرہ کے قریب ایک مقام پر جا پہنچے۔ بصرہ کے حاکم اور والی حضرت علیؓ کی طرف سے عثمان بن حنیف تھے ان کو ان حضرات کی آمد کی اطلاع ہوئی اور فریقین کے باہم مذاکرات جاری رہے۔[1]

بصرہ کے علاقہ میں تابعین میں سے ایک مشہور بزرگ کعب بن سور الازدی تھے جو حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اس علاقہ کے قاضی رہ چکے تھے اور یہ قبیلہ الازد کے معتمدین میں سے تھے اور صاف طور پر کنارہ کش تھے۔ ان سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس معاملہ میں گفتگو ہوئی تو اس موقع پر حضرت صدیقہؓ نے اپنا مطلب ان کے سامنے درج ذیل الفاظ میں پیش کیا۔

"قلت لہ [illegible] ارید ان اصلح بین الناس"[2]

یعنی میں ان لوگوں کے درمیان اصلاح کی کوئی صورت پیدا کرنا چاہتی ہوں اس کے سوا

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۱ ج ۷ تحت ابتداء وقعۃ الجمل۔

[2] [illegible] ابن حبان ص [illegible] تحت [illegible] الجمل۔

[3] طبقات ابن سعد ص [illegible] ج [illegible] تحت کعب بن سور الازدی۔

کوئی دوسرا مقصد پیش نظر نہیں۔

اس کے بعد کعب بن سور ان حضرات کے ہمنوا ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور میدان جمل میں ایک مصحف لے کر مصالحانہ کوشش کی خاطر تشریف لے گئے لیکن وہ کارگر نہ ہو سکی اور وہیں شہید ہو گئے۔[1]

ان ایام میں بصرہ کے علاقہ کے مختلف قبائل جو ضبہ و حو ازد وغیرہ اپنے اپنے تاثرات کے تحت ان ہر دو فریق کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اور نظریاتی طور پر اپنے اپنے فریق کی حمایت میں منقسم ہو گئے۔

امیر المومنین علی المرتضیٰ کا بصرہ کی طرف تشریف لیجانا

حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کو جب اطلاع ملی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے رفقاء کے ہمراہ بصرہ کی طرف چلے گئے ہیں تو آنحضرتؓ نے بھی بصرہ پہنچنے کا ارادہ فرمایا۔ اور حضرت علیؓ کے ساتھ کئی صحابہ کرامؓ اور بہت سے دوسرے لوگ جو سفر کے لیے آمادہ تھے وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ اور وہ جماعتیں اور وہ گروہ بھی از راہ خود ساتھ تھے جنہوں نے خلیفہ برحق کو ناحق قتل کر ڈالا تھا اور بظاہر سیدنا علی المرتضیٰؓ کی حمایت و نصرت میں پیش پیش تھے اور ان کی سرشت میں شر اور فساد پیوست تھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے مدینہ طیبہ پر اپنا قائم مقام اپنے چچازاد برادر تمام بن عباس کو اور مکہ شریف پر دوسرے چچازاد برادر قثم بن عباس کو والی مقرر فرمایا۔ اور بقول خلیفہ ابن

---

[1] الاصابہ لابن حجرؒ ص 298 جلد ثالث تحت کعب بن سور الازدی مع الاستیعاب۔ طبع مصر۔

اس کے بعد کوفہ کی طرف امیرالمومنین کا سفر جاری رہا اور دوران سفر کئی واقعات مورخین نے ذکر کیے ہیں مگر ہم ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں خیال کرتے۔ اس کے بعد آنجناب مقام ذی قار میں جا پہنچے ہیں۔ تو وہاں سے کوفہ کی جانب عمار بن یاسر اور اپنے فرزند حضرت حسن بن علیؓ کو روانہ کیا ہے۔

کوفہ اس وقت حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ والی تھے۔ اور ان کی اس معاملہ میں رائے یہ تھی کہ مسلمانوں میں باہمی اختلاف اور انشقاق نہیں کھڑا ہونا چاہیے یہ اختلاف فتنوں میں سے ایک فتنہ کی شکل میں ہے جس کے متعلق جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں ہیں۔ لہٰذا ان فتن سے اجتناب کرنا چاہیے اور ان میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔[1]

اس دوران میں حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حسن بن علیؓ نے کوفہ پہنچ کر لوگوں کو دعوت دی کہ آپ لوگ امیرالمومنینؓ کی حمایت میں نکلیں۔

"فانه يريد الاصلاح بين الناس"۔[2]

یعنی حضرت علیؓ کا اس معاملہ میں واحد مقصد لوگوں کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کرنا ہے۔

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۲۳۵-۲۳۶ ج ۷ تحت مسیر امیرالمومنین من المدینہ الی البصرہ۔

[2] (۱) البدایہ لابن کثیر ص۲۳۶ ج ۷ تحت واقعہ ہذا۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص۲۶۳ ج ۱۵ تحت الجمل جلد ۱۵ کراچی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقام اور احترام

کوفہ میں اس موقع پر حضرت عمارؓ نے ایک شخص سے سنا کہ :

يسب عائشة فقال اسكت مقبوحاً منبوحاً والله انها لزوجة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في الدنيا والآخرة ...... او نحوه[1]

یعنی وہ حضرت عائشہؓ کو سب و شتم کر رہا تھا اس پر حضرت عمار بن یاسرؓ نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ دریدہ دہنی کرنے اور قبیح لفظ کہنے سے خاموش ہو جا۔ اللہ کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی زوجہ محترمہ ہیں۔

اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ احترام صدیقہؓ ملحوظ رکھتے ہوئے عمارؓ نے فرمایا کہ :

أتؤذي حبيبة رسول الله صلى الله عليه وسلم انها لزوجته في الجنة۔[2]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ طبع کراچی ص ۲۶۳ جلد ۱۵، تحت الجمل۔

(۲) البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۶ جلد ۷ بحوالہ البخاری تحت مسیر امیر المؤمنین من المدینۃ الی البصرۃ۔

[2] (۱) بحوالہ منحۃ المعبود ص ۱۳۷ ج ۲ فی ترتیب مسند ابی داؤد الطیالسی۔

(۲) حلیۃ الاولیاء ص ۴۳ ج ۲ لابی نعیم اصفہانی تحت تذکرہ عائشہؓ۔

(۳) کتاب الاعتقاد للبیہقی ص ۱۹۵ طبع مصر، طبع بیروت ص ۲۲۳ فصل مذہب السلف۔

(۴) مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۸۶ تحت مسانید عمار بن یاسرؓ۔

(۵) ترمذی شریف ص ۷۰۶ طبع لکھنؤ تحت باب فضل عائشہؓ۔

نہیں کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ کے بیٹے کو ایذا رسانی کرنا

سے جو وہ آنجناب صلعم کی جنت میں بھی حرم محترم ہیں۔"

پھر حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر مع ان جاہلوں کے جنہوں نے ان کی عورتوں کی کوفہ

سے واپس تشریف لا کر حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ شامل ہوئے۔

القوم على الصلح، كره ذالك من كرهه ورضيه من رضيه، وأرسلت عائشة الى علي تعلمه انها انما جاءت للصلح، ففرح هؤلاء وهؤلاء۔[1]

یعنی (اس گفتگو کے بعد جناب القعقاع) حضرت علیؓ کی طرف واپس تشریف لائے اور اس مذاکرہ کی اطلاع کی تو حضرت علیؓ نے اس چیز کو بہت پسند فرمایا اور باقی لوگ بھی صلح پر متوجہ ہوئے۔ بعض لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری اور بعض کو یہ چیز پسند آئی۔

اندریں حالات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کی طرف پیغام ارسال کیا اور اس میں اطلاع دی کہ ہمارا یہاں آنا صلح کے لیے ہی ہے (یعنی قتال کیلئے نہیں) چنانچہ ہر دو جانب کے حضرات اس صورت حال پر بہت مسرور ہو گئے۔

مختصر یہ ہے کہ دونوں فریق نے جناب القعقاعؓ کے کلام کی روشنی میں صلح و مصالحت پر اتفاق ظاہر کیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک اہم خطبہ

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں وہ لوگ از خود آ شامل ہوئے جو قتل عثمانؓ کے ساتھ ملوث تھے۔ اور بنیادی طور پر یہ فتنہ کھڑا کرنے والے تھے۔

جناب القعقاع بن عمروؓ کی مصالحانہ گفتگو کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس موقع پر ایک عظیم خطبہ دیا ہے۔ جس کا کچھ حصہ ہم نے قبل ازیں تحت عنوان "قصاص دم عثمانؓ کی وجوہ" ذکر کیا ہے۔ (جس میں اسلام کی عظمت اور فضیلت بیان کی گئی اور ذکر کیا ہے کہ اسلام

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۳ ج ۷ تحت وقعہ ہذا

(۲) الفتنہ و وقعۃ الجمل ص ۱۵۴ تحت مساعی الاصلاح

(۳) مروج الذہب ص ۳۶۱ ج ۲ تحت ذکر وقعۃ الجمل طبع بیروت۔

کے ساتھ حسد اور عناد رکھنے والی اقوام نے ہم پر (اختلاف کا) یہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے ...... الخ

اس خطبہ میں جناب علیؓ نے یہ بات بھی فرمائی کہ ہم کل یہاں سے آگے چلنے (کوچ) کرنے والے ہیں، یعنی دوسری طرف کوچ کرتے ہیں جا کر قیام کا ارادہ رکھتے ہیں خبردار! جس شخص نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں اعانت بھی کی ہو وہ بھی ہم سے الگ ہو جائے اور ہمارے ساتھ نہ رہے .... الخ

الا وانی راحل غداً فارتحلوا، الا ولا یرتحلن غداً احد اعان علی عثمان بشیء فی شیء من امور الناس ...... الخ[1]

مفسدین کی ایک مذموم کوشش

جس وقت امیر المومنینؓ کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو اس وقت فتنہ انگیز پارٹی کے سربرآوردہ لوگ (شریح بن اوفی، علباء بن الہیثم، سالم بن ثعلبہ العبسی، عبداللہ بن سبا (ابن سوداء)، خالد بن ملجم، عدی بن حاتم وغیرہم) (جن میں ایک بھی صحابی نہ تھا)[2] سخت پریشان ہوئے اور انہیں اپنا انجام تاریک نظر آنے لگا)

ان لوگوں نے ایک خفیہ مشورہ کیا اس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے جو ہمارے حق میں ہے وہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن حضرت علی بن ابی طالب کی رائے جو ہمارے حق میں ہے وہ ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ اللہ کی قسم لوگوں کی رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے (یعنی ہمارا قتل چاہتے ہیں) اور ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ اگر صلح کر لی تو وہ صلح یقیناً ہمارے خلاف ہوگی اور ہمارے قتل پر منتج ہوگی۔ آپ نے!

---

[1] باب الفتنۃ و وقعۃ الجمل لسیف بن عمر التمیمی ص ۱۴۷ تحت عنوان ... علی اراد الصلح

(۲) تاریخ طبری ص ۴۹۳ ج ۳ تحت نزول امیر المومنین ذا قار۔

(۳) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۳۷ ج ۷ تحت احوال قبل الجمل

[2] البدایہ لابن کثیر ... ولیس فیہم صحابی و للہ الحمد۔ البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۷ ج ۷ تحت حوادث ۳۶ھ

علیؓ بھی ابن طالب کا بھی خاتمہ کر دیں اور ان کو عثمانؓ کے ساتھ لاحق کر دیں تو پھر فتنہ ختم ہو جائے گا۔ مگر اس منصوبہ میں ان کا باہمی اختلاف واقع ہو گیا اور قتل علیؓ پر ان کا اتفاق نہ ہو سکا۔ فلہذا یہ سکیم ناکام رہی چنانچہ مؤرخین نے اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

.... اما طلحۃؓ والزبیرؓ فقد عرفنا امرهما واما علیؓ فلم نعرف امره حتی کان الیوم ورأی الناس فیها رأیه واحد وان یصطلحوا وعلیؓ ، فعلی ذلما ثم ابتهلوا فلنثبوا علی علیؓ فلنلحقه بعثمان ، فتعود فتنة یرضی منا فیها بالسکون[1]

مختصر یہ ہے کہ وہ لوگ جمل سے پہلے یہ منصوبہ بنا چکے اور عظیم فتنہ (قتل علیؓ) کی شکل میں کھڑا کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سکیم ان کی آپس میں عدم اتفاق کی بنا پر نامکمل رہی۔ واقعہ ہذا کے لیے ہم نے ذیل مؤرخین کے چند حوالے حواشی میں دے دیے ہیں[2]۔

تائید مسئلہ ہذا

اور اس واقعہ کی تائید متعدد اکابر علماء نے کر دی ہے یہاں صرف ایک حوالہ شیخ عبدالوہاب الشعرانیؒ سے نقل کیا جاتا ہے۔

شیخ شعرانی لکھتے ہیں کہ:

.... فان بعضهم هو کان عزم علی الخروج علی

---

[1] (۱) الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۱۶۹ تحت عنوان رؤوس الفتنۃ یجتمعون مساء الاصلاح۔
(۲) تاریخ طبری ص۴۹۵ ج ۵ تحت ۳۶ھ لسیف الراسبی۔
(۳) البدایۃ لابن کثیر ص۲۳۸ ج ۷ تحت واقعہ ہذا۔

[2] (۱) الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۱۶۱ تحت عنوان رؤوس الفتنۃ الخ۔
(۲) تاریخ طبری ص۴۹۵ جلد ۵ تحت ۳۶ھ (کتاب السری)
(۳) البدایۃ لابن کثیر ص۲۳۸ ج ۷ (سابع) تحت واقعہ ہذا۔

الا ما مر علیؓ و علی نفسہ بما نادی بہ یوم الجمل بان یخرج منہ قتلۃ عثمانؓ .... الخ[1]

یعنی حضرت علیؓ نے حسب جمل کے موقعہ پر اعلان فرمایا کہ قاتلین عثمانؓ ہماری جماعت سے نکل جائیں تو ان کے بعض مستعدین و اشرار نے خود حضرت علیؓ کے خلاف خروج کر کے ان کے قتل کرنے پر عزم کر لیا تھا ...... الخ

لیکن اس مشورہ پر عمل نہ ہو سکا اور ان کا یہ مذموم عزم ناتمام رہا۔

جانبین کی صلح پر آمادگی

اس کے بعد حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت صدیقہؓ اپنے ساتھیوں سمیت "زاویہ" کے مقام میں پہنچے قعقاعؓ اور ان کے درمیان ہونے والی مذکورہ گفتگو کی روشنی میں دونوں جماعتوں کے درمیان صلح اور اصلاح میں کوئی شک نہ رہا۔

.... وھم لا یشکون فی الصلح[2]

اور دوسری طرف حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جماعت کی معیت میں "ذاقار" کے مقام میں تشریف لا چکے۔ ہر ایک جماعت کے ساتھ تقریباً ہم خیال قبائل شامل تھے اور جانبین میں جو صلح کی صورت پیدا ہو گئی تھی سب اس پر مطمئن تھے اور مسرت کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمنوا حضرات، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ وغیرہم، حضرت علیؓ[3] کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

---

[1] کتاب [illegible] والجواہر [illegible] ص ۲۳۴ جلد ثانی تحت [illegible] طبع مصر۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۴۰ تحت [illegible]۔

[3] تاریخ اسلام ص ۲۴۲ تحت [illegible] ...... الخ

دوسری جانب حضرت علی المرتضیٰؓ قاتلین عثمانؓ کو شرعی سزا دینے پر رضامند ہو گئے تھے۔

اس صورت حال کو مورخ طبری نے اپنے انداز میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ فرماویں۔ تاریخ طبری جلد خامس ص۲۴۳ تا ص۲۴۴ تحت عنوان نزول علی الزاویۃ من البصرۃ۔

واقعہ جمل میں دفعۃً قتال کی تجویز اور مخادعت کی تدبیر

ان حالات میں تمام حضرات نے خیر و مصالحت کے ساتھ شب باشی کی لیکن مفسدین اور قاتلین حضرت عثمانؓ نے شر اور فساد کے ساتھ رات بسر کی اور تمام رات شر عظیم کھڑا کرنے کی تدابیر میں مشغول رہے۔

آخر کار تاریکی میں دفعۃً قتال کھڑا کر دینے پر ان کا اتفاق ہو گیا۔

یہ ان اشرار کی طرف سے تیسرا "الفتنۃ الکبریٰ" تھا۔ ایک شہادت عثمانؓ کا سانحہ دوسرا حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کے قتل کی تدبیر اور تیسرا یہ قتال بین المسلمین قائم کر دینا۔

ان لوگوں کا طریق کار یہ طے پایا کہ ہم میں سے کچھ لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمراہیوں کی قیام گاہ پر اور دوسرا گروہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت پر دفعۃً و ناگہاں رات کی تاریکی میں دوسرے فریق کی جانب حملہ کر دے۔ اور ہر ایک فریق بلند آواز میں پکارے کہ فریق مخالف نے بدعہدی کرتے ہوئے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔

چنانچہ اس تدبیر کے موافق صبح صادق سے قبل ان مفسدین کے دو گروہ تقسیم ہو کر دونوں کی قیام گاہوں پر حملہ کر دیا۔ اور اس طرح ہر ایک فریق نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہم پر مخالف فریق نے بدعہدی کرتے ہوئے حملہ کر دیا ہے اپنی مدافعت سے جنگ کی۔ ہر ایک فریق کا مقصد اپنا دفاع کرنا تھا۔ قتال بین المسلمین کرنا منظور نہ تھا۔

اس صورت حال میں بے شمار مسلمین مخادعت اور مفسدین کی سازش کی وجہ سے

مقتول ہوئے اور غلط فہمی کی بنا پر شہید ہو گئے۔

مفسدین کی اس تدبیر فاسد نے اہل اسلام کو جو ایک ہو چکے تھے۔ اور آپس کے معاملات صحیح صورت حال میں ترتیب پا رہے تھے دو جماعتیں بنا کر رکھ دیا اور مسلمانوں کی وحدت کو وہ شدید نقصان پہنچایا جس کی تلافی ناممکن ہو کر رہی۔ اہل اسلام کے درمیان ہمیشہ کے لیے انتشار و افتراق قائم ہو گیا اور لوگوں میں نظریاتی طور پر الگ الگ طبقے قائم ہو گئے۔

مذکورہ بالا صورت حال موقف کی طرف سے کوئی خیالی تصویر نہیں ہے۔ بلکہ امت کے اکابر علماء نے اس سانحہ کو اسی شکل میں تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

قارئین کرام کے اطمینان کے لیے ہم یہاں صرف دو معدود حوالہ جات ایک تفسیر قرطبی سے اور دوسرا المنتقیٰ ذہبی سے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

باقی حضرات کے حوالے نقل کر دیے ہیں تاکہ اہل تحقیق ان مراجع کی طرف رجوع فرما سکیں تمام عبارات کا یہاں نقل کرنا امر صعب ہے۔

(1) علامہ قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر "احکام القرآن" میں سورۃ "الحجرات" کی آیت کے تحت جنگ جمل کا واقع ہونا بعبارت ذیل میں لکھا ہے۔

——— قلت: فهذا قول في سبب الحرب الواقع بينهم، وقال جلّة من أهل العلم: إن الوقعة بالبصرة بينهم كانت على غير عزيمة منهم على الحرب بل فجأة، وعلى سبيل دفع كل واحد من الفريقين عن أنفسهم لظنّه ان الفريق الآخر قد غدر به. لأن الأمر كان قد انتظم بينهم وتم الصلح والتفرق على الرضا فخاف قتلة عثمان رضي الله عنه من التمكين منهم والإحاطة بهم فاجتمعوا وتشاوروا واختلفوا ثم اتفقت آراؤهم على أن يفترقوا فريقين

وبيتوا الحرب سحرة في العسكرين وتختلف اليها مرتهم .

ويصيح الفريق الذي في عسكر عليؓ غدر طلحة والزبيرؓ

والفريق الذي في عسكر طلحة والزبير : غدر عليؓ ، فتم

لهم ذالك على ما دبروه ، ونشبت الحرب . فكان كل فريق

دافعاً مكرته عن نفسه ومانعاً من الاشاطة بدمه . و

هذا صواب من الفريقين وطاعة لله تعالى . اذ وقع القتال

والامتناع منهما على هذه السبيل . وهذا هو الصحيح المشهور

والله اعلم[1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بصرہ میں جنگ جمل کا جو واقعہ پیش آیا ہے یہ قتال کے ارادے سے وقوع پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ صورت حال اچانک قائم کر دی گئی اور حملہ ناگاہ پیش آیا ۔ اور ہر ایک فریق نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ دوسرے فریق نے بد عہدی کی ہے اپنی طرف سے مدافعت کے طور پر قتال کیا تھا کیونکہ پہلے ان سب کے درمیان معاملہ طے ہو چکا تھا اور صلح تمام ہو چکی تھی اور یہ اپنی اپنی جگہ باہمی قرار داد اور رضامندی سے مطمئن ہو گئے تھے ۔

اس صورت حال سے قاتلین عثمانؓ کو خوف لاحق تھا کہ یہ حضرات ان پر قدرت پائیں گے اور سخت گرفت کریں گے ۔ پس وہ مجتمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے پہلے ان کا کچھ باہم اختلاف ہوا لیکن بعد میں اس امر پر ان کی آراء متفق ہو گئیں کہ ہم دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں اور علی الصباح دونوں فریق کے لشکروں میں قتال کی ابتداء کر دیں ۔ اور ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق پر تیر اندازی کریں ۔ اور جو فریق حضرت علیؓ کے لشکر میں پہنچے وہ غل کرے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بد عہدی کر دی ہے ۔

---

[1] تفسیر القرطبی ص ۳۲۰، ۳۲۱ جلد سادس عشر تحت سورۃ الحجرات المحقق مسئلہ الرابعہ ۔

(لابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی سنہ ۶۷۱ھ)

اس طرح انہوں نے جو فساد کی تدبیر کی تھی وہ پوری اتری اور جنگ واقع ہو گئی اور ہر ایک فریق نے اپنی جانب سے دوسرے فریق کے حملہ کی مدافعت کی اور اپنی ہلاکت سے منع کرنے والا مجبور مختصر یہ ہے کہ یہ قتال اور دفاع دونوں فریق کی طرف سے مذکورہ نوعیت میں واقع ہوا تھا۔ یہی بات صواب اور صحیح ہے۔

(۲) اور علامہ شمس الدین الذہبیؒ نے "المنتقیٰ" میں اور قاضی صدر الدین الحنفی نے "شرح الطحاویۃ" میں جنگ جمل کی نوعیت اور کیفیت قتال مندرجہ ذیل عبارت میں تحریر کی ہے۔ قارئین کرام کی تسلی کے لیے درج کی جاتی ہے۔

(۱) ــــــ وأهل العلم يعلمون أنهم لم يقصد الحرب عليٌّ ولا عليٌّ قصدهم بهم ولكن وقع القتال بغتةً فإنهم تخاطبوا واتفقوا هم وعليٌّ على المصلحة وإقامة الحد على قتلة عثمان فتواطأت القتلةُ على إقامة الفتنة إذ ذاك كما أقاموها أولاً۔ فحملوا على طلحةؓ والزبيرؓ وعسكرهما فحملوا دفعاً للصائل فأشعر القتلةُ علياً أنهما حملا عليه فحمل عليٌّ دفعاً عن نفسه فكان كلٌّ منهم قصده دفع الصائل لا الابتداء بالقتال۔[1]

(۲) ــــــ فجرت فتنة الجمل على غير اختيار من عليٍّ ولا من طلحةؓ والزبيرؓ، وإنما أثارها المفسدون بغير اختيار السابقين۔[2]

---

[1] المنتقیٰ للذہبی ص۲۲۳ طبع مصر (المتوفی ۷۴۸ھ)۔

[2] شرح الطحاویۃ ص۴۶۸ مطبوعہ ریاض۔ فی عقیدۃ السلفیۃ للقاضی صدر الدین علی بن علی بن محمد بن ابی العز الحنفی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ حضرت طلحہ و حضرت زبیرؓ کی جماعت نے حضرت علیؓ کے ساتھ قتال کا قصد نہیں کیا تھا اور نہ ہی حضرت علیؓ کا ان کے ساتھ جنگ کا ارادہ تھا لیکن یہ قتال ناگہانی طور پر واقع ہو گیا (یعنی دونوں فریق کے اختیار کو اس میں دخل نہ تھا)۔

ان حضرات نے پہلے ایک دوسرے پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا پھر دونوں فریق مصالحت پر متفق ہو گئے اور قاتلین عثمانؓ پر اقامت حد کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس وقت قاتلین (مفسدین) نے فتنہ قتال کھڑا کرنے پر باہمی اتفاق و اجماع کر لیا جس طرح کہ انہوں نے قبل ازیں (قتل عثمانؓ) کے موقعہ فتنہ برپا کیا تھا۔

(یعنی طے شدہ تدبیر کے موافق) ان اشرار نے حضرت طلحہ و زبیر اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا پھر ان کے جواب میں انہوں نے بھی مدافعت کرتے ہوئے جوابی حملہ کیا۔

اور قاتلین نے حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ طلحہؓ و زبیر نے حملہ کیا ہے اس صورت میں حضرت علیؓ کی طرف سے بھی مدافعانہ حملہ کیا گیا۔ پس ہر ایک فریق کا مقصد حملہ کا دفاع کرنا تھا۔ قتال میں ابتداء کرنا ہرگز پیش نظر نہ تھا۔"

ان ہر دو حوالہ جات کے بعد بعض اکابر علماء کے صرف حوالہ جات ذیل میں نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم حضرات توجہ فرما سکیں۔ تمام عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔

(۱) الفتنة و وقعة الجمل لسیف بن عمر والضبی (المتوفی ۲۰۰ھ) ص ۱۴۶ طبع بیروت تحت عنوان "المعرکة"

(۲) التاریخ لابن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) ص ۲۰۳-۲۰۴ جلد خامس تحت عنوان "بدء القتال"

(۳) کتاب الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم اندلسی (المتوفی ۴۵۶ھ) ص ۱۰۴ جزء ثانی

(۴) الکامل فی التاریخ لابن اثیر الجزری (المتوفی ۶۳۰ھ) ص ۱۲۳-۱۲۴ جلد ثالث تحت "مسیر علیؓ الی البصرۃ ..... الخ"

(۵) منہاج السنۃ لابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) ص ۲۲۴ ج ۲ تحت الخلاف الثالث عشر زمن

امیر المومنین علیؓ ۔

(۶) الکشاف لجار اللہ الزمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ) ص۲۷۴ طبع اول مصری تحت بحث واقعہ ہذا۔

(۷) تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) ص۱۰ جلد ۲۲ پ۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن ۔

علمائے اسلام نے مندرجہ بالا تمام مقامات میں مسئلہ ہذا اپنی عبارات میں اسی طرح تصریحاً ذکر فرمایا ہے کہ قتال ہذا ان اکابر صحابہ کرام کے درمیان از راہ مخاصمت واقع ہوا ہے ۔ ہر دو فریق کا ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے کا قصد ہرگز نہ تھا اور دونوں جماعتوں کے مقصد و اختیار کے بغیر مفسدین نے یہ فتنہ کھڑا کر دیا ۔ سو اس فتنہ عظیم کو "الفتنۃ الکبریٰ" کے نام سے تعبیر کرنا بالکل بجا ہے ۔

چنانچہ اسی "الفتنۃ الکبریٰ" میں جو از راہ مخاصمت کھڑا کیا گیا تھا ۔ اکابر حضرات مثلاً حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہم شہید ہو گئے ۔

شہادت حضرت زبیرؓ

حضرت زبیر بن العوامؓ کی وفات اس موقعہ میں اس طرح ہوئی تھی کہ جنگ سے حضرت زبیرؓ ہٹ کر ایک وادی میں جسے "وادی السباع" کہتے تھے ۔ آرام کرنے بیٹھ گئے ۔ وہاں آکر ایک شخص نے جسے عمرو بن جرموز کہتے تھے ۔ حضرت زبیرؓ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا ۔

اور آپؓ کے سر کو لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کو اندر آنے کی اجازت مت دو اور اس کو "جہنم" کی بشارت دے دو ۔

"فقال علی لا تاذنوا لہ وبشروہ بالنار" ۱؎

۱؎ البدایہ ص۲۴۹ ج۷ تحت ۳۶ھ زبیر بن العوام

شہادت حضرت طلحہؓ

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شامل تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ دوران جنگ ان کی گفتگو ہوئی اس کے بعد آپؓ صفوں کے درمیان گھوڑے پر سوار کھڑے تھے کہ اچانک ایک تیر آپ کے گھٹنے میں آکر پیوست ہو گیا اور اس کی وجہ سے آپؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

...... فوقف فی احدی الصفوف فجاءہ سہم
غرب فوقع فی رکبتہ ۔[1]

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شہادت حضرت طلحہؓ کے متعلق عموماً مورخین نے دو طرح کی روایات ذکر کی ہیں بعض روایات میں " سہم غرب " کا لفظ مذکور ہے یعنی آپؓ ایک ایسے تیر سے شہید ہوئے جس کا تیر انداز معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کس جانب سے آکر لگا اور بعض دیگر روایات میں مورخین نے صیغہ تمریض مثلاً یقال، قیل، یزعمون، یقولون۔ وغیرہ الفاظ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے تیر انداز مروان بن حکم کو ٹھہرایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پہلی قسم کی روایات حضرت طلحہؓ کے قاتل متعین کرنے میں خاموش اور ساکت ہیں دوسری طرح کی روایات شک اور تمریض کے الفاظ کے ساتھ مروان کے قاتل ہونے کا تاثر دیتی ہیں۔ ان حالات میں اب ہم تیسری قسم کی روایت اس مسئلہ پر پیش کرتے ہیں جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل حضرت علی المرتضیٰؓ کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گروہ کے ساتھ قاتل کا کوئی تعلق نہیں تھا نیز وہ قاتل مروان

---

[1] (۱) تاریخ طبری ص [illegible] ج [illegible] تحت حالات جمل ۳۶ھ۔

(۲) البدایہ ص ۲۴۰ ج ۷ تحت واقعہ ہذا۔

(۳) البدایہ ص ۲۴۷ ج ۷ تحت طلحہ بن عبید اللہ

یہی حکم نہیں ہے بلکہ کوئی اور شخص تھا۔ یہ روایت طبقات ابن سعد میں بالفاظ ذیل باسند ذکر کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

...... ربعی بن حراش قال انی لعند علیؓ جالس اذ جاء ابن طلحة (عمران بن طلحة) فسلم علی علیؓ فرحب به علی فقال ترحب بی یا امیر المؤمنین؟ وقد قتلت والدی واخذت مالی قال اما مالک فهو معزول فی بیت المال فاغد الی مالک فخذه واما قولک قتلت ابی فانی لارجو ان اکون انا وابوک من الذین قال الله "ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین" ...... الخ [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت طلحہؓ کے فرزند (عمران) تشریف لائے اور سلام عرض کیا حضرت علیؓ نے جواب میں مرحبا اور خوش آمدید کے کلمات فرمائے تو حضرت طلحہؓ کے فرزند کہنے لگے کہ یا امیر المؤمنین! آپ مجھے مرحبا فرما رہے ہیں حالانکہ جناب نے میرے والد کو قتل کر ڈالا اور ہمارا مال قبضے میں لے لیا ہے تو سیدنا علیؓ نے جواب میں فرمایا تمہارا مال بیت المال میں علیحدہ محفوظ ہے صبح آ کر اپنا مال لے لینا اور تیرا یہ کہنا کہ تم نے میرے والد کو قتل کیا ہے تو اس سلسلہ میں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں اور تیرے والد قیامت میں ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ (بہشت میں) مومنوں کے دل سے ہم کینہ کو دور کر دیں گے اور وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تخت نشین ہوں گے ..... الخ"

روایت ہذا سے معلوم ہوا کہ:

(۱) واقعہ ہذا کا راوی بذات خود مجلس میں موجود تھا اور اس کا یہ اپنا بیان ہے کسی سے

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶۹ ج ۳ آخر تذکرہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ طبع لیدن۔

شنید نہیں تھا۔

(۲) حضرت طلحہؓ کے فرزند نے امیر المومنین کو قاتل کہہ کر خطاب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل حضرت علیؓ کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قاتل مروان بن حکم نہیں تھا۔

(۳) اگر مروان بن حکم حضرت طلحہؓ کا قاتل ہوتا تو جواب میں حضرت علیؓ فرماتے کہ حضرت طلحہؓ کو خود تمہارے آدمی نے قتل کیا ہے۔ مجھے کیوں قاتل قرار دیتے ہو؟

(۴) یہ مکالمہ جنگ جمل کے متصلاً بعد میں پیش آیا تھا۔ اس وقت زمروان کے قاتل طلحہؓ ہونے کا مسئلہ کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟

مدت دراز کے بعد راویوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو گیا؟ اور وقوعہ میں شرکت کرنے والوں پر یہ واضح نہ ہو سکا؟ فیا للعجب!

مسئلہ کی تائید

مذکورہ مسئلہ کی تائید میں کبار علماء کے بعض بیانات پیش خدمت ہیں۔

● علامہ بدرالدین العینیؒ شارح بخاری نے شرح عمدۃ القاری میں اس چیز کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے۔

قتل يوم الجمل بسهم لا يدرى من رماه وقيل رماه به مروان۔ (عمدۃ القاری ص ۲۶۸ جزء اول کتاب الایمان باب الزکاۃ من الاسلام)

یعنی حضرت طلحہؓ جمل کے روز قتل کئے گئے تیر ان پر آ کر لگا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کون پھینکنے والا تھا؟ اور مروان کی طرف اس کی تہمت لگائی گئی۔

مطلب یہ ہے کہ صحیح طور پر طلحہ بن عبید اللہ کے قاتل کو معلوم نہیں لیکن اس بات کی نسبت مروان کی طرف کر دی گئی اس کو تہمت کہا جا سکتا ہے۔

● اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ جلد سابع میں مؤرخین کے دونوں اقوال نقل کئے ہیں یعنی

بیان کیا جاتا ہے کہ مروان نے یہ تیر چلایا تھا دوسرا یہ کہ مروان کے ماسوا کسی دوسرے شخص نے تیر پھینکا تھا۔

اس کے بعد ابن حجر ترجیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

- - - - - - - - وهذا اشبه ای اقرب وان کان الاول اشهر

(فتح الباری لابن حجر ص ۶۲ جلد سابع تحت ذکر طلحہ بن عبید اللہ)

یعنی مروان کے سوا کسی دوسرے شخص کا قاتل طلحہؓ ہونا میرے نزدیک صحت و صواب کے زیادہ قریب ہے اگرچہ پہلا قول مشہور ہو چکا ہے۔"

درایت کے اعتبار سے

مذکورہ بالا قول روایت کے اعتبار سے تھے اور درایت کے لحاظ سے یہ عرض ہے کہ :

واقعہ جمل میں دو فریق باہم متقابل صورت میں آمنے سامنے تھے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے فریق میں مروان بن حکم موجود تھا حضرت عثمانؓ کے بعض فرزند بھی اسی فریق میں تھے ان کے مقابل حضرت علیؓ کے جماعت تھے اور ان کا گروہ دوسرا فریق تھا۔

قتال ہوا میں علوی فریق کا پلہ بھاری ہوگیا اور وہ غالب آنے لگے اس صورت میں دوسرے فریق کے قدم اکھڑ گئے اور شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ان حالات میں اگر حضرت طلحہؓ جیسی شخصیت بھاگ کر پیچھے ہٹنے لگے ہوں اور کسی نے تاک کر تیر مار دیا ہو تو ہو سکتا ہے لیکن اس حالت میں اپنی ہی جماعت اور اپنے ہی فریق کا آدمی ان پر حملہ آور ہو یہ بات عقل و درایت کے خلاف ہے۔ پھر حضرت طلحہؓ پر قاتلانہ حملہ کر کے مروان کا یہ کہنا کہ اے عثمانؓ کے فرزندو! میں نے تمہارے باپ کے قاتل سے بدلہ لے لیا ہے۔ یہ مسئلہ محض بیہودہ تجویز کیا گیا ہے۔

اگر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں سے تھے اور ان سے قتل عثمانؓ کا بدلہ لینا ہی مقصود تھا تو یہاں بصرہ میں آکر میدان میں جنگ کرنے کی کیا حاجت تھی؟ وہ تو مدینہ منورہ میں ان سے بدلہ لے لیتے۔ یا پھر مکہ شریف میں کسی کا مشورہ ہے یا ری سے تھے دونوں ہی تعجب

بدلہ لیتے۔ اتنے دور دراز سفر میں کوئی ناتجربہ کار بھی غلطی کر دیتے، دروغ تیار کرنے کے لیے بھی قدرے عقلمندی سے کام لینا چاہیے۔ یہاں تو بالکل یہ داستان بڑی بے اصول سے گھڑی گئی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ پر حملہ کنندگان فریق مقابل کے ہی آدمی تھے ان کی اپنی فریق کے آدمی نہیں تھے یہی قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنگ جمل کا اختتام

جنگ جمل میں حضرت سیدنا علیؓ کی جماعت غالب آ گئی اور دوسرے فریق کے اکابر حضرت زبیر اور حضرت طلحہؓ وغیرہم شہید ہو گئے اور یہ فریق مغلوب ہو گیا۔ ان حالات میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حفاظت کے انتظامات ضروری تھے چنانچہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ نے سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ فرمائی اور ایک جماعت کو حکم دیا کہ مقتولین کے درمیان میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہودج کو (جسے پالکی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے) اٹھا کر حفاظت میں لے لیں۔ آپؓ نے محمد بن ابی بکرؓ اور عمار بن یاسرؓ کو حکم دیا کہ کسی مناسب اور محفوظ مقام میں ان کے لیے خیمہ نصب کر دیں۔ اس حفاظتی تدبیر کے بعد محمد بن ابی بکرؓ نے آ کر حضرت صدیقہؓ سے خیریت دریافت کی اور عرض کیا کہ آپؓ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں پہنچی؟

نیز خود حضرت علیؓ بھی تشریف لائے اور حضرت صدیقہؓ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد مزاج پرسی کی تو جواب میں حضرت صدیقہؓ نے فرمایا:

میں بخیریت ہوں۔ اور حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپؓ کی مغفرت فرمائے۔

اور ساتھ ہی حضرت علیؓ کی جماعت کے دیگر اکابر حضرات بھی حضرت ام المومنین صدیقہؓ کی خدمت میں خیریت طلبی اور دریافت سلامتی کے لیے حاضر ہوئے اور ام المومنین کی خدمت میں تسلیمات عرض کیے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر اور ابن جریر طبری نے اس موقعہ کے الفاظ یعنی درج کیے ہیں

مکان کے دروازہ پر دو شخص ام المومنین حضرت صدیقہؓ کے حق میں بدکلامی اور طعن گوئی اور سب و شتم کر رہے ہیں۔ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے القعقاع بن عمروؓ کو حکم دیا کہ ان ہتک عزت کرنے والے دونوں شخصوں کو کپڑے اتار کر ہر ایک کو دُرّے لگائے جائیں اور شرعی سزا پوری کی جائے۔

"...... فقال له رجل يا امير المومنين ! ان على الباب رجلين ينالان من عائشةؓ - فامر عليؓ القعقاع بن عمرو ان يجلد كل واحد منهما مائة وان يخرجهما من ثيابهما." [1]

حضرت علیؓ کا حضرت ام المومنینؓ کے حق میں اعلان عام

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حق میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے پورا اکرام کیا گیا اور کامل احترام کے ساتھ ان کی حجاز کی طرف واپسی ہوئی تھی۔

اس سلسلہ میں شیعہ کتب سے بھی اس مسئلہ کی تائید حضرت علی المرتضیٰؓ کے کلام کی صورت میں موجود ہے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اہل بصرہ کے ساتھ بعد از جمل خطاب فرمایا اور اس خطاب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مقام و مرتبہ کو بیان فرماتے ہوئے کہا:

"ولها بعد حرمتها الاولى" [2]

یعنی حضرت صدیقہؓ کے حق میں واقعہ جمل کے بعد بھی وہی سابق اکرام و احترام باقی ہے جو اس سے قبل تھا اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۷ تحت حالات بعد از وقعہ جمل

[2] نہج البلاغۃ ص ۲۱۸ ج ۱ تحت ومن كلام له خاطب به اهل البصرة وفي وصف ... عائشة ..... الخ

ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ حضرت صدیقہؓ کے حق میں احترام اور ان کی شان کے منافی بدگوئی
کرتے ہیں انہیں اس برگزیدہ خاتون کے طرز عمل سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اپنے ایمان کو ضائع نہیں کرنا
چاہیے۔

بصرہ سے روانگی

اور رخصتی کا انتظام و اہتمام

جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجاز کی طرف سفر کا قصد ہو گیا تو امیر المومنین علی المرتضیٰؓ کی
طرف سے ضروریات سفر، سواری، زاد راہ اور سامان سفر وغیرہ بہم پہنچائے گئے اور بغرض اعزاز کے
اہل بصرہ کی بعض شریف و معزز عورتوں کو اس سفر میں ہمسفری کے لیے تیار کیا گیا۔ اور ان کے ساتھ محمد بن ابی بکر
کو روانہ کیا گیا۔ اس سفر میں رخصتی کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ خود بھی تشریف لائے اور دیگر
کئی حضرات ام المومنینؓ کو رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ اور باہمی اور دینی کلمات ذکر فرما
کر ایک دوسرے کو رخصت کیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت صدیقہؓ کا احترام ذکر کرتے ہوئے
فرمایا۔

...... وانها لزوجة نبيكم صلى الله عليه وسلم في الدنيا
والآخرة وسار عليؓ معها مودعاً وشيعها اميالاً وسرح
بنيه معها بقية ذالك اليوم وكان يوم السبت مستهل
رجب سنة ست وثلاثين[1][2][3]

۱- البدایہ لابن کثیر ص۲۴۶ ج۷ تحت وقعۃ الجمل۔

۲- تاریخ ابن جریر الطبری ص۵۴۴ ج۵ تحت وقعات ۳۶ھ۔

۳- المنتظم لابن الجوزی ص۹۴ ج۵ تحت تجہیز علی عائشہؓ۔

یعنی ام المومنین تمہارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں حرم محترم ہیں اور زوجہ مکرمہ ہیں۔

پھر خود حضرت علی المرتضیٰؓ ان کے ساتھ کئی میل تک رخصت کرنے کے لیے پیادہ پا چلے اور اپنے فرزندوں کو اس دن ساتھ بھیجا۔ یہ سفر ہفتہ کے روز یکم رجب ۳۶ھ کو پیش آیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ اس موقعہ کے کوائف کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

— ہر دو فریق کے مابین احترام کے جذبات موجود تھے کسی قسم کا عناد و بغض قلوب میں نہیں تھا۔

— ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔

— اسی بنا پر سیدنا علیؓ نے ضروریات سفر زاد راہ اور سواریاں وغیرہ مہیا کیں اور خواتین کو ساتھ کیا اور مسنون طور پر تشییع کی خاطر خود شامل ہوئے اور اولاد کو ساتھ بھیجا۔

— اس اہتمام و انتظام کے ساتھ حضرت صدیقہؓ کی بصرہ سے حجاز کی طرف واپسی ہوئی۔

واقعہ جمل کے بعد چند گزارشات

جنگ جمل کو سطور بالا میں اختصاراً ذکر کیا ہے تفصیلات میں جانا مناسب نہیں سمجھا مورخین نے اپنے انداز کے موافق اس مسئلہ میں بہت کچھ طوالت سے کام لیا ہے ان کی دراز کار تفصیلات پر اتفاق کرنا بظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے اور پھر ان کے بیانات میں باہم تضاد اور عدم مطابقت بھی ہے جو انہیں تسلیم کرنے میں مزید دشواری پیدا کر دیتی ہے بنا بریں بقدر ضرورت ذکر کر دینا صواب سمجھا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس باب میں حضرت علیؓ کے آثار جستہ جستہ لکھتے ہیں ان میں سے چند امور بیان کرنا مطلوب ہیں جو اس موقعہ و محل کے لحاظ سے منفعت بخش ہیں۔

سیدنا علیؓ کے تاثرات و ارشادات

①

واقعہ جمل کے موقعہ پر جانبین میں اختلافِ رائے کی بنا پر جو کشیدگی اور نزاع رونما ہوا اور مفسدین کی مداخلت کی وجہ سے وہ غیر اختیاری طور پر قتال کی شکل اختیار کر گیا تو اس موقعہ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ کے جو تاثرات تھے ان کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ تاثرات کا یہ عنوان کافی طویل ہے لیکن اختصاراً چند چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ امیر المؤمنین پر قلق اور اضطراب کی حالت طاری تھی اور اظہارِ تشویش کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے تھے۔

- اے اللہ! میرا ہرگز ایسا ارادہ نہ تھا۔ اے اللہ! میرا مقصد مسلمانوں کے درمیان قتال نہ تھا۔
- اور اس روز فرماتے تھے کاش کہ بیس (۲۰) سال قبل میرا انتقال ہو گیا ہوتا۔
- نیز اپنے فرزند سیدنا حسنؓ سے فرماتے تھے۔ اے حسن! کاش تیرا باپ آج سے بیس سال قبل فوت ہو گیا ہوتا۔
- اور مجھے ہرگز یہ خیال تک نہ تھا کہ اس معاملہ کی نوبت یہاں تک پہنچے گی۔ اس کے لیے مقامات ذیل ملاحظہ فرماویں۔

(۱) ...... حدثنا حبیب بن ابی ثابت ان علیاً قال یوم الجمل، اللّٰھم لیس ھذا اردت، اللّٰھم لیس ھذا اردت۔[1]

(۲) ...... قال علیؓ یوم الجمل وددت انی کنت مت قبل

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص[illegible] جلد ۱۵ کتاب الجمل۔ طبع کراچی۔

منذ العشرین سنۃ ۔ [1]

(۲) ۔۔۔۔۔۔۔ "قال فقال الحسن لقد رأیتہ حین اشتد القتال یلوذ بی ویقول : یا حسن : لوددت ان مت قبل ھذا بعشرین حجۃ" ۔ [2]

(۳) ۔۔۔۔۔ "عن قیس بن عبادۃ قال : قال علی یوم الجمل : یا حسن لیت اباک مات منذ عشرین سنۃ ۔ فقال لہ یا ابہ ! قد کنت انھاک عن ھذا قال : یا بنی ! انی لم اری ان الامر یبلغ ھذا" ۔ [3]

(۴)

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی یہ کیفیت تھی کہ جناب نے فریق مقابل کے مقتولین جمل پر گذر فرمایا تو ان کے حق میں دعائے مغفرت فرماتے ہوئے کہا :
اے اللہ ! ان کی مغفرت فرما اور ان کو بخش دے ۔

۔۔۔۔ عن عبد اللہ بن محمد قال مر علیؓ علی قتلیٰ من اھل البصرۃ فقال : اللھم اغفر لھم ۔ [4]

فریق مخالف کے حق میں اظہار مغفرت اور دعا کی بجائے جناب علیؓ مغفرت کے

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۵ ، ۲۸۳ جزء ۱۵ تحت کتاب الجمل طبع کراچی ۔

(۲) کتاب السنۃ امام احمد ص ۱۶۲ طبع مکہ مکرمہ طبع اول ۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۸ ج ۱۵ تحت کتاب الجمل ۔ طبع کراچی ۔

[3] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۲ ج ۷ تحت واقعہ جمل ۔ طبع اول ۔ مصر ۔

(۲) کنز العمال ص ۸۳ ج ۶ تحت واقعہ جمل کتاب الفضائل طبع اول دکن ۔

[4] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۳ ج ۱۵ طبع جدید کراچی تحت کتاب الجمل ۔

کلمات اور دعائیہ جملے ادا کرتے تھے ۔

اور ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے لیے آپؓ سے بددعا کے کلمات صریح و بے شمار منقول ہیں۔

خاص طور پر محمد بن حنفیہ کا ایک بیان اکابر علماء نے نقل کیا ہے کہ آنجناب کے فرزند محمد بن حنفیہ جمل کے روز حضرت علیؓ کی جانب سے صاحب علم (جھنڈا بردار) تھے اس وقت محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ کے حق میں بددعا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ :

"اے اللہ ! قاتلین عثمانؓ کو قیامت کے روز چہرہ کے بل اوندھا کر کے سزا دینا"

۔۔۔ "عن محمد بن علی بن ابی طالب بن الحنفیۃ وکان صاحب لواء علی بن ابی طالب یوم الجمل قال : قال علی رضی اللہ عنہ اللھم کب قتلۃ عثمان لمناخرھم الغداۃ"[1]

اور بعض روایات میں جناب امیرالمومنینؓ سے قاتلین کے حق میں بددعا کے الفاظ اس طرح بھی مروی ہیں کہ :

۔۔۔ "فقال اللھم اجعل بقتلۃ عثمان خزیا"[2]

یعنی اے اللہ ! قاتلین عثمان پر ذلت اتار اور رسوائی نازل کر دے ۔"

جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ کا ان لوگوں کے حق میں بددعا فرمانا بالکل بجا ہے کیونکہ انہوں نے ہی اہل اسلام کے درمیان شر انگیز اور ہلاکت خیز حالات پیدا کر دیئے اور ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالا ۔

---

[1] التاریخ الکبیر امام بخاری ص ۱۸۳ قسم ثانی ۔ طبع دکن ۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۷۲ کتاب الفتن ، ج ۱۵ تحت الجمل روایت ۱۹۹۶۵

(۳)

(۱) اسی سلسلہ میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جنگ ہذا میں شہید ہو گئے تھے اور وادی "السباع" میں ان کی شہادت ہوئی تھی۔ وہاں حضرت علی المرتضیٰ تشریف لے گئے ہیں اور ان کے پاس جناب علی اور آپ کے رفقا بیٹھ کر شدت غم کی بنا پر گریہ زاری کرنے لگے۔ یہ حضرت زبیر کی ذات پر اظہار تاسف تھا جو حضرت علی کی طرف سے واقع ہوا۔

۔۔۔۔۔ ودفن الزبیر رحمہ اللہ بوادی السباع وجلس علیؓ یبکی علیہ ھو واصحابہ[1]

وجہ یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ کی ذات گرامی وہ شخصیت ہیں جن کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"۔۔۔۔ لکل نبی حواری وحواری الزبیر وابن عمتی[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک حواری (معاون و ناصر) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر بن عوامؓ ہیں۔ اور میری پھوپھی محترمہ صفیہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت زبیرؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں دین برحق کی سربلندی کے لیے اللہ کی راہ میں تلوار اٹھائی تھی۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۷۸ ج ۳ تحت زبیر بن العوامؓ۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۱۲ ج ۱۲ (قلمی نسخہ پیر جھنڈا) تحت ما حفظت فی الزبیر بن عوامؓ

[3] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۷۸ ج ۱۴ (قلمی نسخہ پیر جھنڈا) تحت کتاب الاوائل۔ باب اول ما فعل ومن فعلہ۔

اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے متعلق یوم قریظہ میں فرمایا کہ: بابی وامی[1]

(میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں)

(۲) اسی طرح واقعہ جمل میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی المرتضیٰؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اُن کے چہرہ انور سے گرد و غبار کو خود صاف فرمایا اور پھر اپنے فرزند جناب سیدنا حسنؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ کاش کہ میں اس سے قبل فوت ہو گیا ہوتا[2] (اور مجھے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا) اور یہاں دوسری روایت میں ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور نہایت غمگینی کی کیفیت میں حضرت طلحہؓ کے چہرے اور ریش مبارک سے غبار الگ کیا اور گریہ کرتے ہوئے کلماتِ ترحم فرماتے تھے اور کہتے کہ کاش اس سے بیس سال قبل مجھ پر موت واقع ہو جاتی۔

...... ان علیاً انتہی الی طلحة وقد مات فنزل فاجلسه ومسح الغبار عن وجهه ولحيته وهو يترحم عليه ويقول ياليتني مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة[3]

(۳) اور اس مقام کی تیسری روایت میں اس طرح ذکر پایا جاتا ہے کہ:

...... عن ابی جعفر قال جلس علیؓ واصحابہ یوم الجمل

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص۴۰۰ ج۱۲ (قلمی) تحت ما حفظت فی الزبیر بن العوامؓ۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص۱۱۱ ج۸ تحت کتاب الجمل (قلمی نسخہ پیر جھنڈا)

[3] (۱) جمع الفوائد ص۲۱۶ ج۲ تحت مناقب بقیۃ العشرۃ المبشرۃ (از محمد بن محمد الفاسی) بحوالہ الطبرانی الکبیر۔

(۲) تاریخ الاسلام للذہبی الجزء الثانی ص۱۲۵ تحت طلحہ بن عبیداللہ طبع مصر۔

(۵) حضرت طلحہؓ کے فرزند محمد بن طلحہؓ بھی اسی جمل کے روز شہید ہو گئے تھے محمد بن طلحہ بڑے عبادت گزار اور صلہ رحمی کرنے والے بزرگ تھے حضرت علی المرتضیٰؓ کا جب ان پر گزر ہوا ہے تو آپؓ ان کے اوصاف جمیلہ کے لحاظ سے فرماتے تھے :

۔۔۔۔ السجاد ورب الکعبۃ ھذا الذی قتلہ برابیہ[1]

اور بعض روایات میں ہے کہ اس طرح بھی ارشاد فرمایا واللہ کان مساً صالحاً[2]

یعنی یہ بہت بڑے عبادت گزار اور سجدہ ریز تھے ۔ رب کعبہ کی قسم ! یہ وہ شخصیت ہیں جو اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے مقتول ہوئے اور جوان صالح تھے ۔

حضرت طلحہؓ کی اولاد پر حضرت علیؓ کے شفقت کے یہ کلمات حضرت طلحہؓ کی عظمت اور عالی مرتبت کی بنا پر صادر ہوئے ۔

پھر اس کے بعد حضرت طلحہؓ کے ایک دوسرے صاحبزادے (عمران بن طلحہؓ) جنگ جمل میں اپنے والد کے ضبط شدہ اموال کے حصول کے لیے جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور اپنے والد کے اموال (جائیداد زمین شاسیٰ کے مقام میں تھے) کی واپسی کا مطالبہ پیش کیا تو آنجناب نے ان کو اپنے قریب بلایا ، اپنے پاس نشست دی اور ان کے والد کے لیے رحم و ترحم کے کلمات ارشاد فرمائے اور کہا کہ ہم تمہارے اموال کو ضبط نہیں کرنا چاہتے ۔ صرف ان کو اپنی حفاظت میں لیا ہے ۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت طلحہؓ کے محفوظ کردہ تمام اموال ان کی اولاد کی طرف واپس کر دیئے تھے

یہ امور مذکورہ ان حضرات کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حسن معاملہ اور بہتر

---

[1] کتاب "نسب قریش" ص ۲۸۱ تحت ولد تیم بن مرۃ ، اولاد طلحہؓ بن عبید اللہ ۔

[2] کتاب "نسب قریش" لمصعب الزبیری ص ۲۸۱ - ۲۸۲ تحت ولد تیم بن مرۃ ۔

روابط پیرواں ہیں۔ اور باہمی عدم کدورت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۲) نیز اسی طرح فریق مقابل کے ایک اور بزرگ عبدالرحمان بن عتاب بن اسید تھے یہ قبیلہ بنو امیہ میں بڑی معتبر شخصیت تھے اور اپنے قبیلہ میں بڑے صاحب وقار تھے۔ یہ بھی یوم جمل میں شہید ہو گئے تھے۔

جب علی المرتضیٰ ان کے پاس تشریف لے گئے تو کمال تاسف کا اظہار کرتے ہوئے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

۔۔۔۔ ھذا یعسوب قریش ۔۔۔۔ الخ

یعنی یہ اپنے قبیلہ کے رئیس تھے ان کے قتل کی وجہ سے مجھے بڑا قلق اور اضطراب ہوا اور شرمندگی ہوئی۔[1]

(۴)

ماقبل کے مندرجات کی روشنی میں یہاں یہ چیزیں قابل ذکر ہیں کہ:

(۱) جناب علی المرتضیٰ نے واقعہ ہذا کے بعد جمل کے مقام میں (جو بصرہ کے قریب ہے) تین یوم تاسف فرمائی اور اس دوران دونوں فریق کے قتل پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ یعنی فریق مقابل کے شہداء اور اپنے ہم نوا فریق کے شہداء کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہیں کیا بلکہ تمام شہداء پر صلوٰۃ جنازہ تو ادا فرمائی اور دعائے مغفرت کی۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰ نے جنگ جمل کے بعد متروکہ اور ضبط شدہ اموال کو مسجد بصرہ کے پاس جمع کروا دیا تھا۔

اور پھر اس کے بعد اموال کے وارثوں کو یہ اموال جنگی اسلحہ کے بغیر ان کی شناخت کے مطابق واپس لوٹا دیئے۔ اور کوئی تعرض نہیں کیا۔

---

[1] (۱) کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۱۹۳ تحت ولد عبداللہ بن خالد بن اسید

(۲) کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۲۱۲ تحت بنی مخزوم۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ البدایہ میں تحریر کرتے ہیں کہ :

------ وان علیاً طاف بالبصرۃ ثلاثاً ثم صلّی علی القتلٰی من الفریقین، وخص قریشاً بصلاۃ من بینهم، ثم جمع ما وجد لاصحاب عائشۃؓ فی العسکر وامر به ان یحمل الی مسجد البصرۃ فمن عرف شیئاً هولاهلهم فلیاخذه الا سلاحاً کان فی الخزائن علیه سمۃ السلطان۔[1]

(۵)

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تاثرات واقعہ جمل کے متعلق ایک دوسرے رنگ میں پیش کئے جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنجنابؓ سے اپنی جماعت کے احباب اس مسئلہ کے متعلق وضاحت طلب کرنا چاہتے کہ آنجنابؓ کے ساتھ جن لوگوں کا مقابلہ اور قتال پیش آیا ہے ان کے متعلق ہمارے کیا نظریات ہونے چاہییں ہم اور ان کو ہم کس درجہ میں خیال کریں ؟ ؟ چنانچہ ایک صاحب سوال کرتے ہیں کہ کیا اہل جمل مشرک ہیں ؟ ؟

تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ وہ تو شرک سے فرار کر کے اسلام میں داخل ہوئے ہیں (وہ مشرک کیسے ہو گئے ؟)

پھر سائل نے عرض کیا " کیا ہم ان کو منافق گمان کریں ؟ ؟

تو اس کے جواب میں آنجنابؓ نے ارشاد فرمایا کہ :

منافق لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں (یعنی یہ لوگ اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں) ۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۴۵ ج ۷ تحت واقعات بعد از جمل ۔

پھر تیسری بار یہ گزارش کی گئی "کہ آخر ان لوگوں کے متعلق ہمارے کیا نظریات ہونے چاہئیں؟ تو امیر المومنینؓ نے ارشاد فرمایا کہ" وہ تو ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی اور زیادتی کر ڈالی"۔

چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے "المصنف" میں اور دیگر کبار علماء کرام نے اس چیز کو اپنی اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عن ابی البختری قال: سئل علیؓ عن اھل الجمل

قال: قیل أمشرکون ھم؟ قال من الشرک فروا قیل

أمنافقون ھم؟ قال: ان المنافقین لا یذکرون اللہ

الا قلیلا۔ قیل فما ھم؟ قال: اخواننا بغوا علینا۔[1]

اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے بہت سے ارشادات منقول ہیں ان فرامین میں جنابؓ نے اپنے نظریات کو خوب واضح فرما دیا ہے۔ کسی تشریح و توجیہ کی احتیاج باقی نہیں رہی۔

"یعنی ہمارے فریق مقابل مشرک نہیں اور نہ ہی منافق ہیں بلکہ مومن ہیں اور ہر ایک فریق دوسرے کے لیے دینی برادر ہے۔ اختلاف رائے کی بنا پر یہ معاملہ یہاں تک پہنچا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ زیادتی یا بغاوت جو واقع ہوئی تو اس وقت ہر ایک فریق

له (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۶۲-۲۶۳ جلد ۱۵ طبع جدید (کراچی) روایت ۱۹۷۰۹ تحت کتاب الجمل فی مسیر عائشہؓ وعلیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۷۳ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔

(۳) کنز العمال علی ہامش مسند احمد ص ۳۳۵ ج ۵ روایت ۱۲۰۲ تحت کتاب الفتن من قسم الافعال (واقعہ جمل)

(۴) کنز العمال علی ہامش مسند احمد ص ۳۳۶ ج ۵ روایت ۱۲۰۶ تحت کتاب الفتن من قسم الافعال (واقعہ جمل)

یعنی اپنی جگہ پر یہ خیال کئے ہوئے تھا کہ دوسرے فریق نے خلاف عہد کرتے ہوئے تجاوز کر دیا ہے۔ اس کو اختلافِ رائے یا اجتہادی اختلاف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

بطور نمونہ کے اکابر شیعہ کی طرف سے اس چیز پر صرف ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

امام جعفر صادقؒ اپنے والد گرامی امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلے میں قتال کرنے والوں کے حق میں شرک اور نفاق کی نفی کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے (دینی) برادر ہیں ہمارے خلاف انہوں نے زیادتی کی۔

...... جعفر عن ابیہ ان علیاً علیہ السلام لم یکن ینسب احداً من اهل حربه الی الشرک ولا الی النفاق ولکن یقول هم اخواننا بغوا علینا ۔[1]

قبل ازیں یہ روایات ہم نے کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" کے ص [illegible] بقدر ضرورت ذکر کر دی ہیں تاہم اس موقعہ پر "علوی تاثرات و ارشادات" کے عنوان کے تحت ان کو درج کرنا مفید خیال کیا ہے۔

---

[1] قرب الاسناد عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی ص ۴۵ طبع قدیم ایران۔
(من علماء القرن الثالث من اصحاب امام حسن عسکری)

واقعہ جمل کے متعلق حضرت صدیقہؓ کے تاثرات و فرمودات

گزشتہ صفحات میں حضرت ام المومنینؓ کی طرف سے بیان کردہ بعض چیزیں تحریر ہو چکی ہیں جن میں سفر ہذا کے مقاصد اور دواعی سفر کو ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت صدیقہؓ کے فرمان کے مطابق اس سفر میں (فریق مقابل) کے ساتھ قتال کرنا ہرگز مطلوب نہیں تھا بلکہ اصلاح بین الناس مقصود تھی۔ اور ام المومنین لوگوں کے درمیان قتال پسند نہیں فرماتی تھیں بلکہ ان کی امکانی کوشش تھی کہ بغیر جنگ کے کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ یہ چیزیں ان کے متعدد بیانات میں صراحتاً پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ سابقاً ذکر ہو چکا ہے اور بعض چیزیں اب پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)

ایک قدیم مصنف اور محدث عبدالرزاق نے اپنے "المصنف" میں اپنی سند کے ساتھ حضرت صدیقہؓ کی طرف سے ایک معذرت کا بیان ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

... فقالت انما اریدان یحجز بین الناس مکانی،
قالت ولم احسب ان یکون بین الناس قتال ولو علمت
ذالک لم اقف ذالک الموقف ابداً۔ قالت فلم یسمع
الناس کلامی۔ ولم یلتفتوا الیّ وکان القتال۔[1]

یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بطور معذرت اور حقیقت حال کے اظہار کے فرمایا کہ میرا خیال

---

[1] المصنف عبدالرزاق ص ۴۵۶ ج ۵ تحت غزوہ ذات السلاسل و خبر علی و معاویہؓ

تھا کہ میں اپنے مقام و مرتبہ کی بنا پر لوگوں کے درمیان (جنگ و قتال) سے مانع ہوں گی اور فرماتی ہیں کہ مجھے یہ گمان ہی نہیں تھا کہ لوگوں کے درمیان قتال واقع ہوگا۔ اگر مجھے یہ بات قبل ازیں معلوم ہوتی تو میں اس مقام میں ہرگز نہ پہنچتی (فرماتی تھیں کہ) لوگوں نے میرا کلام نہ سنا اور میری بات کی طرف توجہ نہ کی اور قتال واقع ہوگیا۔"

مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مدعا قتال نہ تھا بلکہ قتال سے مانع ہونا مقصود تھا (یہ حضرات چاہتے تھے) کہ دونوں فریق کے درمیان کوئی اصلاح اور صلح کی شکل پیدا ہو جائے اور قتال تک نوبت نہ پہنچے اور یہ فتنہ فرو ہو سکے۔ لیکن آخر کار مفسدین نے جب فتنہ کی آتش یکدم بھڑکا دی تو اس کے فساد کے شعلے فریقین میں پھیل گئے تو اس افراتفری کے عالم میں صلح و آشتی کی آواز کسی نے نہ سنا اور یہ معاملہ حدود سے تجاوز ہو گیا اور خلاف توقع کہیں سے کہیں جا پہنچا۔

امام غزالیؒ نے اس چیز کو بہت درست الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"...... ونظن بعائشة انها كانت تطلب تطفئة الفتنة ولكن خرج الامر من الضبط فاواخر الامور لا تبقى على وفق طلب اوائلها بل تنسل من الضبط" [1]

یعنی ہمارا خیال حضرت صدیقہؓ کے حق میں یہی ہے کہ وہ فتنہ کی آتش کو فرو کرنا چاہتی تھیں لیکن یہ معاملہ ضبط اور اختیار سے باہر ہو گیا۔

اور ایسا ہوتا ہے کہ واقعہ کے آخری حالات ابتدائی حالات کے تقاضوں پر باقی نہیں رہتے بلکہ معاملہ انضباط سے خارج اور کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے اسی طرح واقعہ جمل میں یہ صورت پیدا ہو گئی تھی۔

---

[1] کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۱۹ تحت بحث ہذا۔ طبع مصری لمولف محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی۔

مسئلہ کی تائید

(۱) ایک مشہور صحابی ابوبکرۃ (الثقفی) جو مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہیں اُن کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ بھی واقعہ ہذا میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رائے کے مطابق اصلاح بین الناس کے متقاضی تھے اور ان کا مقصد بھی قتال نہیں تھا لیکن جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے تو دفاع کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

"۔۔۔ المعروف من مذهب ابی بکرۃ (الثقفی) انہ کان علی رأی عائشۃؓ فی طلب الاصلاح بین الناس ولم یکن قصدهم القتال لکن لما نشبت الحرب لم یکن لمن معها بُدٌّ من المقاتلۃ" ؎

حضرت ابوبکرۃ الثقفیؓ کی اس مسئلہ میں رائے حضرت عائشہؓ کے ساتھ متفق ہونے سے ام المؤمنین کے موقف کی تائید اور تصدیق پائی گئی۔

(۲) دوسرا ایک اور واقعہ اسی جمل کے موقع پر پیش آیا تھا۔ وہ بھی مسئلہ ہذا کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ جمل کے روز جب قتال خدمت اختیار کر گیا تو اس وقت حضرت طلحہؓ کے فرزند محمد بن طلحہ ام المؤمنین حضرت صدیقہؓ کے پاس پریشانی کے عالم میں پہنچے اور عرض کیا اے ام المؤمنین! اس وقت قتال کے معاملہ میں آپ مجھے کیا حکم دیتی ہیں؟ یعنی کیا میں بھی فریق مخالف پر تیغ زنی کروں؟ تو اس وقت حضرت صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا کہ اے بیٹے! اگر تجھے استطاعت ہے تو آدم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں میں سے مقتول فرزند بن جا!

؎ فتح الباری شرح بخاری شریف ج ۱۳ ص ۴۶ تحت باب کذا الفتنۃ بغیر ترجمہ و سقط لابن بطال (قصہ الجمل)

کی طرح اپنے ہاتھ روک لے اور صبر اختیار کرلے۔

...... محمد بن طلحة رضی قال لعائشة یوم الجمل
یا ام المؤمنین ما تأمرینی قالت یا بنی ان استطعت ان
تکون کالخیر من ابنی آدم فافعل[1]

اور الاصابہ میں بھی چیز ذیل الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

..... قالت کن کخیر ابنی آدم قال فاغمد سیفه
وکان قد سله ثم قام حتی قتل ...[2]

یعنی محمد بن طلحہؓ کو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے فرزندوں میں سے بہترین فرزند کی صورت اختیار کر۔ پس اس نے جو تلوار کھینچ رکھی تھی اس کو نیام میں کر لیا پھر کھڑا رہا حتیٰ کہ کسی نے شہید کر ڈالا۔

ان کی شہادت پر حضرت علیؓ کا متاسفانہ کلام قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے اور یہاں ان کی شہادت کی کیفیت بیان کر دی ہے۔

مندرجات بالا کی روشنی میں اور اکابر علماء کے بیانات کے پیش نظر ام المؤمنین حضرت صدیقہؓ کا موقف نہایت واضح ہے کہ:

واقعہ ہذا میں ان حضرات کے سامنے قتال و ذبح کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ اصلاح کی صورت پیدا کر کے اس اختلاف کو بہتر طریق سے سلجھانا منظور خاطر تھا۔ لیکن شر پسندوں نے اس میں عوائق ڈال دیئے اور موانعات پیدا کر دیئے جس کی وجہ سے اصل مدعا پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اور یہ سانحہ پیش آگیا۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۲ ج ۱۵ طبع جدید کراچی تحت کتاب الفتن (جمل) روایت ۱۹۶۶۹

[2] الاصابہ ص ۳۸۰ ج ۳ تحت محمد بن طلحہؓ بن عبید اللہ۔

(۲)

(۲) واقعہ ہذا کے متعلق حضرت ام المومنین کی طرف سے اظہار افسوس کے کلمات علماء کرام نے ذکر کئے ہیں۔ اور اس واقعہ کے وقوع پر پریشانی کے کلمات نقل کئے ہیں۔ چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی تھیں کہ

عن عبداللہ بن عبید بن عمیر قالت عائشۃ: وددت انی کنت غصناً رطباً ولم اسر مسیری ھذا۔[1]

یعنی میں اس کو پسند کرتی ہوں کہ میں ایک شاخ تر ہوتی (جس کو بسہولت کاٹ دیا جاتا) اور میں یہ سفر اختیار نہ کرتی (جس سفر میں یہ سانحہ واقع ہوا) اس نوع کے اظہار تاسف کے متعدد بیانات حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں یہاں صرف ایک قول اختصاراً ذکر کیا ہے۔

(۳)

واقعہ جمل کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فریقین کے متعلق اظہار ترحم کے بیانات اور مغفرت کے کلمات اکابر علماء نے نقل کئے ہیں۔

کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے فریق کے شہداء اور فریق مقابل (حضرت علی المرتضیٰ کی جماعت) کے شہداء کے حق میں شفقت اور ترحم کے کلمات کہے اور دعائیں فرمائیں۔ واقعہ ہذا سے حضرت صدیقہؓ کے قلبی تاثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے دل میں باہم کدورت نہ تھی بلکہ دل صاف تھے۔ اور ایک دوسرے کے حق میں نیک جذبات رکھتے تھے۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۱ج ۱۵ تحت کتاب الجمل روایت ۱۹۶۲۳ طبع کراچی۔

چنانچہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ خالد بن واشمہ جنگ جمل کے متصل بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے اس سے دریافت کیا حضرت طلحہؓ کا کیا بنا؟ تو خالد نے عرض کی وہ شہید ہو گئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان پر ترحم کے کلمات فرمائے پھر پوچھا کہ زبیرؓ کا کیا ہوا؟ تو خالد نے عرض کی "وہ بھی شہید ہو گئے" تو حضرت صدیقہؓ نے پھر کلمہ ترجیع ادا فرمایا اور کلمات ترحم فرمائے۔ پھر میں نے کہا (فریق مقابل سے) زید بن صوحان جو قبیلہ عبد القیس کا امیر تھا اور حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھا) قتل ہو گئے۔ تو حضرت صدیقہ نے ان پر بھی کلمہ ترجیع ادا فرمایا اور کلمات ترحم کہے۔ اس وقت خالد بن واشمہ کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا ام المومنین! میں نے طلحہؓ اور زبیرؓ کا ذکر کیا ہے تو آپؓ نے کلمہ ترجیع اور کلمات ترحم فرمائے ہیں اور جب میں نے زید بن صوحان کی شہادت کا ذکر کیا ہے پھر بھی آپ نے کلمہ ترجیع اور ترحم کے کلمات فرمائے ہیں۔ حالانکہ یہ ہر دو فریق متقابل تھے اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم یہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو حضرت صدیقہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اے خالد! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ ان سب کی مغفرت فرما کر جنت میں ایک جگہ پر جمع فرما دے گا)۔

...... فقلت یا ام المومنین ذکرت طلحۃ فقلت یرحمہ اللہ و ذکرت الزبیر فقلت یرحمہ اللہ و ذکرت زیدا فقلت یرحمہ اللہ و قد قتل بعضھم بعضا و اللہ لا یجمعھم اللہ فی الجنۃ ابدا۔

قالت : او لا تدری ان رحمۃ اللہ واسعۃ وھو علی کل شیئ قدیر۔

بہ سلسلہ روایت کے حوالہ جات ص ۲۸۹ کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

بعض شبہات اور ان کا ازالہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر طعن کرنے والوں کی جانب سے اس مقام میں مندرجہ ذیل شبہات ذکر کیے جاتے ہیں :

(1)

ام المومنین حضرت صدیقہؓ نے سفرِ جمل اختیار کر کے قرآن مجید کے احکام کی مخالفت و منافی کی ہے۔ قرآن مجید میں حکم ہے :

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"

(پ ۲۲ رکوع اول)

"یعنی (اے ازواج النبیؐ) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں پہلے گھروں سے باہر نکلتی تھیں اس طرح نہ نکلو۔"

ازالہ

اس طعن کے جواب کے لیے یہ چند چیزیں ملحوظ رہیں۔ ان کے معلوم کر لینے سے اس طعن کا ازالہ ہو جائے گا۔

آیت مذکورہ بالا میں استقرار فی البیوت کے متعلق جو فرمان ہے وہ ایک خاص

لے (۱) دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۴۱۹-۴۱۴ ج ۶ طبع جدید (جلد سادس)

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۷۱ ج ۸ (تحت قتال اہل البغی) (جلد ثامن)

(۳) المصنف لعبد الرزاق ص ۲۸۹-۲۹۰ ج ۱۱ (جلد یازدہم)

(۴) الاستیعاب ص ۵۵۲ ج ۱ تحت زید بن صوحان مع الاصابہ۔

(۵) البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۴ ج ۷ تحت واقعات بعد از جمل (جلد سابع)

(۶) الاصابہ لابن حجر ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زید بن صوحان

نوعیت اور کیفیت کے متعلق ہے۔ علی الاطلاق گھروں سے نکلنا انہیں منع نہیں کیا گیا۔ اس آیت میں جاہلیت کی رسم کے مطابق زیب و زینت کے ساتھ بے حجابانہ گھروں سے باہر نکلنا منع ہوا ہے مطلق نکلنا منع نہیں۔

طعن کرنے والوں کے قول کے مطابق اگر ازواج مطہرات کو گھروں سے نکلنا مطلقاً منع تھا تو وہ مندرجہ ذیل احکام شریعت پر کیسے عمل کر سکیں گی؟ حالانکہ بالاتفاق مندرجہ ذیل احکام ان کے حق میں بھی وارد ہیں اور انہوں نے یہ امور بھی سرانجام دیئے ہیں۔

(۱) حج اور عمرہ کے لیے تشریف لے جانا۔

(۲) غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تشریف لے جانا۔

(۳) والدین اور اقرباء کی ملاقات کے لیے ان کا تشریف لے جانا۔

(۴) عیادت مریض کے لیے ان کا تشریف لے جانا۔

(۵) فوت شدہ کی تعزیت کے لیے تشریف لے جانا۔

(۶) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے وقت اپنے حجرات (گھروں) سے نکل کر عیادت کے لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مقدسہ میں تشریف لانا۔

(۷) حضرت عمرؓ کے دور میں جب ازواج مطہرات سفر حج کے لیے تیار ہوئی ہیں تو ان کے ساتھ حفاظتی طور پر حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امیر المومنین حضرت عمر نے روانہ کیا تھا۔

——— ان عمرؓ ارسلهن للحج في عهده وبعث معهن عثمانؓ وعبد الرحمٰن بن عوفؓ فنادى الناس الا يدنو منهن احد ولا ينظر اليهن احد وكان قدام مراكبهن والآخر خلفها۔ ولم ينكر احد فكان اجماعاً سكوتياً

علی الجواز" الخ [1]

یعنی امیر المومنین عمرؓ نے ازواج مطہرات کو اپنے دور میں حج کے لیے روانہ کیا اور حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ان کے ساتھ بطور نگران بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے نیک و صالح فرزند ہو پس تم میں سے ایک کو ان کی سواریوں کے پیش پیش رہنا چاہیے اور دوسرے کو ان کی سواریوں کے عقب میں رہنا چاہیے۔ پس اس صورت میں ازواج مطہرات نے یہ سفر اختیار کیا اور کسی صحابی نے بشمول حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس فعل پر انکار نہیں کیا۔ پس اس فعل پر اجماع سکوتی پایا گیا ہے لہذا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور قابل طعن نہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا اپنے بیوت سے نکلنا مطلقاً منع نہیں بلکہ ضرورت شرعی اور مصلحت دینی کے لیے تستر اور حجاب کے ساتھ خروج من البیت جائز ہے درآں حالیکہ وقار کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو۔

اسی سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک دینی مصلحت کی خاطر یعنی اصلاح بین الناس اور مطالبہ قصاص خلیفہ عادل کے لیے سفر اختیار کرنا صحیح ہے لہذا اس کا جواز حج و عمرہ کی طرح ہے اور اس کا حکم حج کے سفر سے کم درجہ میں نہیں۔

تحفہ اثنا عشریہ میں مذکور ہے کہ:

چوں سفرے باشد متضمن مصلحت دینی و دنیوی مثل جہاد و حج و عمرہ ۔۔۔
وایں سفر چوں برائے اصلاح ذات البین و تفتیش حکم قصاص خلیفہ عادل کہ
بظلم مقتول شدہ بود واقع شد مثل حج و عمرہ گردید [2]

اور روح المعانی میں ہے کہ

---

[1] روح المعانی ص ۱۲ ج ۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن ۔۔۔ الخ

[2] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۲-۳۲۳ بحث جواب طعن اول در مطاعن صدیقہؓ

[3] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۳ تحت جواب طعن اول در مطاعن صدیقہؓ

"...... وهذا الإتيان خروجهن لحج أو لما فيه مصلحة دينية مع التستر وعدم الابتذال۔

...... وكذا لسيرها إلى البصرة لذلك القصد فإنه ليس أدون من سفر حج النفل" [1]

مندرجات بالا سے واضح ہوگیا حضرت صدیقہؓ کا یہ سفر شرعاً صحیح ہے اور کتاب اللہ کے حکم کے خلاف نہیں ہے لہٰذا یہ طعن بے جا ہے۔

(۲)

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر معترضین نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ سفر انہوں نے بغیر شرعی محارم کے کیا تھا اور محرم ان کے ساتھ نہیں تھے لہٰذا یہ سفر عند الشرع صحیح نہیں۔

ازالہ

اس طعن کے جواب میں یہ گزارش کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ سفر ایک نیک مقصد کے لیے تھا اور شرعی محارم آپ کے ہمراہ تھے۔

علماء نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ حضرت صدیقہؓ کے خواہر زادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ساتھ تھے اور آپ کے بہنوئی حضرت زبیرؓ بن العوام جو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے شوہر ہیں وہ بھی ساتھ تھے۔ اور اسی طرح تیسرے محرم حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ جو ان کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکرؓ کے شوہر ہیں وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اور ان ہر دو بہنوں کی اولادیں بھی ساتھ تھیں۔

تحفہ اثنا عشریہ اور "روح المعانی" میں اس مسئلہ کی تفصیلات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔
چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"دریں سفر عبداللہ بن زبیرؓ ہمشیرہ زادہ حقیقی وے ہمراہ وے بود و طلحہ

---

[1] تفسیر روح المعانی ص۱ ج۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن ..... الخ

بن عبید اللہ شوہر خواہرش ام کلثوم بنت ابی بکرؓ و زبیر بن العوامؓ شوہر خواہر دیگرش بود۔ اسماء بنت ابی بکرؓ را ولہٰذا ایں ہر دو غیر محرم او نبودند لہ

اور سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ:

...... وكان معها ابن اختها عبد الله بن الزبير وغيره من ابناء اخوتها ام كلثوم زوج طلحة واسماء زوج الزبير بل كل من معها بمنزلة الابناء في المحرمية وكانت في هودج من حديد" ۲ه

مختصر یہ ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ محارم ساتھ تھے ان کی معیت میں یہ تمام سفر ہوا تھا لہٰذا یہ طعن ساقط ہے۔

(۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جمل میں یہ قتال حضرت علی المرتضیٰؓ سے قلبی عناد اور عداوت کی بنا پر کیا تھا اور اس میں ناکامی کی بنا پر ندامت اور گریہ کرتی تھیں۔ قصاص دمِ عثمانؓ کا مطالبہ ایک بہانہ تھا۔

نیز حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق بھی طعن کنندگان کی طرف سے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو خلافت علیؓ کے ساتھ عداوت شدیدہ تھی اور وہ خونِ عثمانؓ کا الزام عائد کر کے قصاص کے لیے کھڑے ہو گئے تاکہ قصاص کی آڑ میں اپنے اقتدار کی راہ ہموار کریں۔

ازالہ

اس کے متعلق ذیل میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

لہ تحفہ اثنا عشریہ ص۳۳۰ طبع لاہور تحت جواب طعن اول از مطاعن صدیقہؓ

۲ه روح المعانی ص۲ ج۲۲ تحت الآیۃ وقرن فی بیوتکن...... الخ

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اس واقعہ پر ندامت کا اظہار اسی نوعیت کا ہے جس طرح کہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس واقعہ پر اظہار افسوس اور ندامت کا کلام منقول ہے۔

(۱) جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے مقتولین جمل پر نظر ڈالی تو اس وقت بے ساختہ طور پر اپنے رانوں پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ: کاش میں اس سے قبل فوت ہو گیا ہوتا اور بھلا دیا گیا ہوتا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ:

...... فقد صح انہ رضی اللہ عنہ لما وقع الانہزام علی من مع ام المؤمنین وقتل من قتل من الجمعین طاف فی مقتل القتلی کان یضرب فخذیہ ویقول: یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً۔[1]

تحفہ اثنا عشریہ میں ہے کہ: حضرت امیر قتلیٰ را ملاحظہ فرمودہ ران ہا ئے خود را کوفتن گرفت ومے فرمود:

...... یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً![2]

نیز حضرت علی المرتضیٰؓ سے اسی طرح کے کلمات چند صفحات قبل ہم نے ذکر کر دیئے ہیں اور متعدد مصنفین کے حوالہ جات بھی لکھ دیئے ہیں ان تمام مقامات میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کی طرف سے واقعہ جمل اور مقتولین جمل پر تاسف اور سخت اضطراب کا اظہار پایا گیا ہے۔

تو اس مقام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے کلام کا جو محمل قائم کیا جاتا ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فرمان میں بھی اسی نوع کا کلام پایا گیا ہے اور اس کا محمل وہی ہے۔

---

[1] روح المعانی ص [illegible] ج ۲۲ تحت الآیۃ وقرن فی بیوتکن ...... الخ

[2] تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۲۵ تحت طعن ہفتم از مطاعن صدیقہؓ

(۴) نیز ان حضرات کا واقعہ مذا پر تاسف کرنا اور پشیمانی کے کلمات کہنا خشیت الٰہی اور تقویٰ کی بنا پر ہے۔

فلہٰذا اس اظہار ندامت کو حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ کرنے پر ندامت تصور کرنا توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے زمرہ میں شمار ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ جانبین کی طرف سے یہ اظہار افسوس سابقہ قتال کے باہم قتال اور افتراق بین المسلمین پر ہے۔ اس سے ان دونوں حضرات کی باہمی عداوت اور عناد کا تصور قائم کرنا اصل کلام کے محمل سے بعید تر ہے اور مقصد کلام کے خلاف ہے۔

بعض قرائن و شواہد

سطور بالا میں جو گزارش کی گئی ہے کہ جنگ جمل کے وقوع پر دونوں حضرات نے اظہار پشیمانی فرمایا اور یہ سب اضطراب و قلق اہل اسلام میں نظریاتی طور پر افتراق و انتشار قائم ہو جانے پر تھا۔ ان دونوں فریق کی ایک دوسرے کے ساتھ کوئی عداوت نہ تھی اور کوئی باہمی عناد نہ تھا۔ اس چیز پر شواہد موجود ہیں۔

(۱) گزشتہ صفحات میں اس سفر کے اختیار کرنے میں جو ارادہ و مقصد بیان کیا گیا ہے وہ اس بات کا مقصد میں واضح ہے کہ اصلاح بین المسلمین کی کوئی صورت نکل آئے۔ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت پیدا کرنا مطلوب نہ تھی۔

(۲) پھر جنگ کے وقوع سے قبل جو مصالحت کے مکالمات پیش آئے ان میں بھی مقصد کا اظہار پوری طرح نمایاں ہے۔ ان میں بھی صلاح ذات البین کے سوا کوئی نظریہ نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ قبل ازیں اپنے موقعہ پر اس کی تفصیل درج ہو چکی ہے۔

② واقعہ جمل کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کے درمیان تنازعہ کا تذکرہ ہوا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے عندیہ کا اظہار فرمایا۔

...... وقالت يعني وقد تم ما وقع والله إنه لم يكن بيني وبين علي في القدم إلا ما يكون بين المرأة وأحمائها [1]

اور یہی نظریہ البدایہ میں بعبارت ذیل مذکور ہے۔

...... قالت رحمه الله عليه انه كان على الحق وما كان بيني وبينه إلا كما يكون بين المرأة وأحمائها [2]

ان دونوں عبارتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیؓ پر رحم فرمائے وہ حق پر تھے اور میرے درمیان اور علی بن ابی طالبؓ کے درمیان کوئی عداوت وغیرہ نہیں تھی، مگر اتنی ہی بات کہ جو ایک خاتون اور اس کے دیوروں کے درمیان ہو جاتی ہے۔

یہاں سے واضح ہو گیا کہ یہ ایک وقتی طور پر ان حضراتؓ کے مابین مناقشہ پیش آیا تھا جو بعد میں ختم ہو گیا۔

اس واقعہ کی نوعیت اس قسم کی ہے جیسا کہ ایک عورت اور اس کے دیوروں کے درمیان خانگی مسائل میں بعض دفعہ وقتی طور پر مناقشہ پیش آجاتا ہے لیکن بعد میں اس کا ازالہ ہو جاتا ہے اور دوبارہ کوئی عناد اور تضاد باقی نہیں رہتا۔

③ اور یہ مندرجہ ذیل امور بھی اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں

---

[1] روح المعانی ص۱۲ ج۲۲ تحت آیۃ وقرن فی بیوتکن ...... الخ

[2] البدایہ لابن کثیر ص۲۴۷ جلد سابع تحت سنۃ ست و ثلاثین ذکر عائشہ صدیقہؓ

حضرت صدیقہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے مابین عناد اور عداوت نہ تھی۔

(۱) واقعہ ہذا کے متصلاً بعد جناب علی المرتضیٰؓ نے ام المومنین حضرت صدیقہؓ کی خبر گیری کی اور سلامتی دریافت کرنے کے لیے فوراً انتظام کیا اور اپنی معتمد شخصیتوں کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔

(۲) پھر اس کے بعد ام المومنین حضرت صدیقہؓ کی مزاج پرسی کے لیے خود تشریف لائے اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تسلیمات عرض کیں اور احوال پرسی کی۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ جس وقت ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھے تو اس وقت دو بد بختوں نے حضرت سیدہ صدیقہؓ کے خلاف بدکلامی اور بدگوئی کی تو حضرت علی المرتضیٰ نے ان کو موقعہ پر ہی تازیانے لگوائے اور سزا دی۔

(۴) مدینہ شریف کی طرف حضرت صدیقہؓ کی رخصتی کے لیے سفر کے انتظامات حضرت علی المرتضیٰؓ نے بڑی حفاظتی تدابیر کے ساتھ خود کیے اور الوداع کے لیے خود بھی تشریف لے گئے اور اپنے عزیزوں کو بھی ساتھ بھیجا اور مزید عزت افزائی کے لیے بصرہ کی چند معتمد اور شریف خواتین کو ساتھ روانہ کیا۔

مندرجہ بالا امور کے حوالہ جات گزشتہ صفحات میں درج ہو چکے ہیں اور دیگر علمائے کبار نے بھی ان واقعات کی اپنے اپنے مقام میں توثیق کر دی ہے نیز ہم نے اپنی کتاب رحماء بینہم حصہ اول صدیقی کے ذیل میں چند چیزیں درج کی ہیں جو ان حضرات کے روابط و تعلقات کو نمایاں کرتی ہیں اور ان کا تعلق جمل کے بعد کے واقعات کے ساتھ ہے۔

⑤ حصول اقتدار کا مسئلہ

اسی طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حالات اور جنگ جمل میں پیش آمدہ واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان ہر دو حضرات کے درمیان منصب خلافت کے لیے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اور نہ ان کے درمیان عداوت تھی اور نہ ہی دل سے کے

ساتھ حصول اقتدار کا مقصد تھا۔ اختلاف کی اصل وجہ قبل ازیں درج ہو چکی ہے۔

قتال ہذا پیش آنے سے پہلے حضرت صدیقہؓ کے نظریات کے ساتھ انہوں نے اپنی ہمنوائی ظاہر کر دی تھی۔

اس کے بعد جنگ سے قبل مصالحت کی مساعی کا ذکر بھی آپ کے سامنے آچکا ہے اور ان کے مقاصد قبل ازیں واضح ہو چکے ہیں۔

نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کا ان حضرات کی شہادت پر تشریف فرما کر پریشان اور مضطرب کا اظہار کرنا، اور تاسف و ترحم کے کلمات کہنا، دعا ہائے مغفرت فرمانا اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کو نار جہنم کی بشارت دینا وغیرہ یہ سب چیزیں بھی جیسا کہ قبل ازیں درج ہو چکی ہیں، اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ ان حضرات کے درمیان خلافت وغیرہ کے معاملہ میں کوئی عداوت نہیں تھی حتیٰ کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھی اور ان حضرات کے اموال وغیرہ جو اپنی تحویل میں لئے تھے ان کے ورثاء کو واپس کر دیے۔

مذکورہ بالا امور کے حوالہ جات "علوی تاثرات" کے عنوان کے تحت درج کئے جا چکے ہیں۔

اختتام بحث پر گزارش

ماقبل میں مختصراً واقعہ جمل کے متعلق احوال اور تاثرات تحریر کیے ہیں۔ اب اس کے اختتام پر اتنی گزارش ہے کہ واقعہ ہذا کسی ذاتی عناد، خاندانی عداوت یا منصب خلافت کے ساتھ مخالفت پر نہیں پیش آیا تھا بلکہ اجتہادی اختلاف رائے، بعض باہمی غلط فہمیوں اور مفسدین کے مجوزہ منصوبہ کے تحت جانبین کے اختیار کے بغیر یہ سانحہ پیش آ گیا تھا چنانچہ ابو العز الحنفی نے شرح العقائد میں بھی اس چیز کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۔۔۔ نجمت فتنة الجمل على غير اختيار من علي و زعامة
طلحةؓ والزبيرؓ. وانما اثارها المفسدون بغير اختيار
اسابقيهم؟ ۱؎

حوالہ ہذا قبل ازیں بھی درج کیا ہے تاہم اختتام پر بغرض اس کا اعادہ بطور خاص مبحث کے مناسب خیال کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید چند چیزیں قابل ذکر ہیں جو واقعہ صفین کے بعد یکجا درج کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

واقعات بعد از جمل

کوفہ کی طرف روانگی

حضرت علی المرتضیٰؓ جب واقعہ جمل سے فارغ ہو گئے تو آپ بصرہ میں قریباً پندرہ روز قیام فرمایا اور جو ضروری امور قابل انتظام تھے وہ سرانجام دیئے۔ ان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو رخصت کرنا بھی شامل تھا۔ اور مقتولین کے ورثاء کو ان کے اموال کی واپسی اور دیگر اسی نوع کے انتظامات ایام میں مکمل فرمائے۔

بصرہ کے مقامی انتظامات سرانجام دینے کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی طرف رخت سفر باندھا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر حاکم مقرر فرمایا۔

۱؎ شرح المطالب ص ۱۲۱ تحت بحث جمل طبع کتب خانہ ...۔

اور زیاد بن ابیہ کو خراج کی وصولی اور بیت المال کی نگاہداشت پر والی بنایا۔ اور پھر کوفہ تشریف لے گئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بروز دوشنبہ ۱۲ رجب المرجب ۳۶ھ میں آپ کوفہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حاضرین میں سے بعض افراد نے عرض داشت پیش کی کہ آنجناب قصر ابیض میں فروکش ہوں (یہ امراء کے لیے عمدہ قسم کی رہائش گاہ تھی) تو آنجناب نے فرمایا کہ میں اس میں اقامت نہیں اختیار کروں گا کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شاندار محلات میں اقامت کو مکروہ جانتے تھے اس بنا پر میں بھی ایسے مقامات میں اقامت اختیار کرنا پسند نہیں کرتا۔"

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فرمان سے ثابت ہوا کہ حضرت فاروقؓ کی روایات اور عادات کو پیش نظر رکھنا ان حضرات کے ہاں نہایت اہم امر تھا اور ان پر عمل درآمد جاری رکھتے تھے اور سیرت شیخین کی پابندی کرتے تھے۔ پھر آپ نے "رحبۃ" میں اقامت کی۔ (یہ جامع مسجد کوفہ کے ساتھ متصل قسم کی جائے اقامت تھی) پھر آنجناب کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

...... فدخلها علیؓ یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من رجب سنة ست وثلاثین فقیل له: انزل بالقصر الابیض، فقال: لا: ان عمر بن الخطاب کان یکره نزوله فانا اکرهه لذالک، فنزل فی الرحبة

---

(۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۵ جلد سابع (فصل بعد از فراغ جمل)

(۲) تاریخ طبری ص ۲۴۲ جلد ۵ تحت تامیر ابن عباس علی البصرة۔

(۳) سیرت امیر المومنین علیہ السلام ص ۲۵۶ تحت عنوان دار الخلافت کی تبدیلی از مفتی جعفر حسین شیعی۔

وصلی فی الجامع الاعظم رکعتین۔ ۱؎

کوفہ میں اقامت

اور انتظامات کی سرانجام دہی

حضرت علی المرتضیٰؓ نے کوفہ میں مستقل اقامت اختیار فرمائی اور مدینہ طیبہ کی بجائے دارالخلافہ کوفہ کو قرار دیا۔

بعض مؤرخین نے کوفہ کو دارالخلافہ قائم کرنے پر مختلف رائے زنی کی ہے اور کئی قسم کی آراء تحریر کی ہیں لیکن اس تجزیے کا کوئی معتد بہ فائدہ نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور کے حالات کے تقاضوں کے تحت انہوں نے یہی مناسب خیال فرمایا اور بہتری سمجھی کہ ان حضرات کی مصلحت بینی "اور مشیت الٰہی" پر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا جائے۔

البتہ اتنی چیز تو صحیح ہے کہ پھر اس کے بعد مدینہ طیبہ کو بعد والے خلفاء دارالخلافہ کی حیثیت نہ دے سکے اور وہ بات صحیح ثابت ہوئی جو عبداللہ بن سلامؓ نے حضرت علیؓ کو مدینہ سے خروج کرتے وقت ازروئے خیر خواہی کہی تھی۔

...... وقال لا یا امیر المومنین لا تخرج منہا فواللہ

لئن خرجت منہا لا تعود الیہا ولا سلطان المسلمین ابدا ۲؎

۱؎ البدایہ لابن کثیر ص ۲۴۵ ج ۷ تحت فصل فی وقعۃ صفین۔

۲؎ البدایہ لابن کثیر ص ۲۳۲ ج ۷ تحت ذکر مسیر امیر المومنین علی من المدینۃ الی البصرۃ ... الخ

(۱) الاصابہ لابن حجر ص ۳۱۳ جلد ثانی تحت عبداللہ بن سلام

(۲) تاریخ طبری ص ۴۶۲ ج ۵ تحت خروج علی الی الربذۃ۔

یعنی اے امیرالمومنین! مدینہ طیبہ کی اقامت آپ ترک نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی
قسم! اگر آپ نے مدینہ منورہ کی اقامت چھوڑ دی تو مسلمانوں کا کوئی خلیفہ بھی
یہاں مقیم نہ ہو سکے گا۔ الخ

کوفہ میں قیام کے بعد آنجنابؓ نے جامع مسجد کوفہ میں خطبہ دیا اس میں لوگوں کو امور خیر کی طرف ترغیب دی' شر و فساد سے منع فرمایا اور کوفہ کے علاقہ کے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔[1]

ان ایام میں متعلقہ اطراف کے ملکی انتظامات کی طرف توجہ فرمائی اور ان کو سرانجام دیا۔ چنانچہ اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے مصر کے علاقہ کی طرف قیس بن سعد بن عبادہؓ کو والی بنا کر روانہ کیا۔ قیس سے قبل عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس علاقہ کے والی تھے وہ شام کی طرف حضرت امیر معاویہؓ کی جانب چلے گئے اور انہوں نے امیر معاویہؓ کو یہاں سے پیش آمدہ حالات کی اطلاع کی۔

بلاد مصر میں قیس بن سعد نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کے لیے مساعی کیں۔ ایک قریہ "خربتا" کے لوگوں نے بیعت قبول نہیں کی اور قتل عثمانؓ کے واقعہ کو بڑی اہمیت دی اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص کے مسئلہ کو مقدم رکھا۔

یہاں ایک بزرگ مسلمہ بن مخلد الانصاری تھے انہوں نے بھی بیعت سے اعراض کیا اور قیس بن سعد نے بھی اس مسئلہ میں ان سے کوئی تعارض اور معارضہ نہیں کیا۔

کچھ ایام کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کی قیس بن سعد کے متعلق دوسری رائے ہوئی تو آپؓ نے قیس کو منصب سے الگ کر دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا۔ وہاں انہوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے تمام انتظامات کیے۔

---

[1] البدایہ ص ۲۳۴ جلد ۷ (فصل فی وقعۃ الصفین)

اور علاقہ خربتا وغیرہم کے لوگوں کو بھی دعوت بیعت دی لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے اور اپنی مخالفت پر قائم رہے۔[1]

انتظامات کے سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے ہمدان کے علاقہ میں جریر بن عبداللہ کی جانب اور آذربیجان کے علاقہ میں اشعث بن قیس کی طرف نامہ بھیجے کہ وہ اپنے علاقوں کے عوام اور دیگر موجود افراد سے حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے بیعت لیں اور واپس آکر حالات سے مطلع کریں چنانچہ انہوں نے اس پر عمل درآمد کیا۔

...... ثم بعث الی جریر بن عبد اللہ، وکان علی همذان من زمان عثمانؓ، والی الاشعث بن قیس، وهو علی نیابة آذربیجان من زمان عثمانؓ، ان یاخذا البیعة علی من هنالک من الرعایا ثم یقبلا الیه، ففعلا ذلک۔[2]

واقعہ صفین

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا علاقائی انتظامات کے بعد اس مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی کہ اہل شام کو بیعت خلافت کی دعوت دی جائے اور شام میں گورنر حضرت امیر معاویہؓ (جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور سے اس منصب پر فائز چلے آرہے تھے)

---

[1] (1) البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۱-۲۵۲ ج ۷ تحت سنہ ست وثلاثین۔

(2) تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۲۶ ج ۵ تحت سنہ ۳۶ھ۔

[2] (1) البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۳ ج ۷ تحت فصل فی وقعۃ الصفین۔

(2) تاریخ طبری ص ۲۲۸ جلد ۵ تحت توجیہ علی بن ابی طالب جریر بن عبداللہ۔

اس بیعت میں شامل ہوں اور تمام اپنے زیر اثر علاقے میں اکابر لوگوں کو اس بیعت پر آمادہ کریں۔ اس سلسلہ میں جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ ؓ نے متعدد بار اہل شام کی جانب اقدام کی سعی فرمائی اور لوگوں کو آمادہ کیا کہ اہل شام سے بیعت حاصل کرنے میں تعاون کریں۔

اس مرحلہ میں جو صورت حالات پیش آ رہی اس کو آپ کے فرزند محمد بن حنفیہ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

آنجناب ؓ اہل شام کے ساتھ غزا کرنے کا ارادہ کرتے اور علم بلند کرتے لیکن بعض افراد اس چیز پر مخالفت کرتے اور ان کی رائے منتشر ہو جاتی تو مجبوراً حضرت علی ؓ کو اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑتا۔ ایسی صورت متعدد بار پیش آئی ہے[1]

آخرکار آنجناب نے لوگوں کو اہل شام کی طرف اقدام کے لیے تیار کر لیا۔ اور عملی اقدام کے لیے مشورہ طلب کیا بعض حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ آپ اپنے جیوش و عساکر کو روانہ کر دیں اور خود یہاں مقیم رہیں اور بعض دیگر احباب نے مشورہ دیا کہ جناب کو خود تشریف لے جانا چاہیے تو آپ ؓ نے خود تشریف لے جانا زیادہ مناسب سمجھا کیونکہ آپ ؓ کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ اور عمرو بن العاص ؓ دونوں اپنے عساکر کے ساتھ خود تشریف لا چکے ہیں[2]

صفین کی طرف اقدام اور صورت واقعہ

حضرت علی المرتضیٰ ؓ شام کی طرف تشریف لے جانے کے لیے عزم کر کے کوفہ سے نکلے اور "نخیلہ" کے مقام پر قیام کیا اور وہاں جیوش و عساکر کے متعلق انتظامات درست کیے

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۶۴ ج ۵ قسم اول تحت محمد بن الحنفیہ۔

[2] تاریخ لابن جریر الطبری ص ۲۳۵ ج ۵ تحت سنہ ۳۶ھ تحت عنوان خروج علی بن ابی طالب الی صفین۔

کوفہ پر اپنا قائم مقام حضرت ابو مسعود (عقبہ بن عامر) الانصاری کو متعین فرمایا:
اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ؓ اپنے عساکر سمیت نخیلہ سے ارض شام کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے فرات کے قریب ذوالحجہ ۳۶ھ میں قیام فرمایا۔

صفین کا محل وقوع

جب حضرت امیر معاویہ ؓ کو حضرت علی المرتضیٰ ؓ اور ان کے عساکر کے متعلق خبر پہنچی تو وہ بھی اپنے جیوش کے ہمراہ ملک شام کی مشرقی سرحد کے قریب آ پہنچے۔
بلاد شام کی مشرقی جانب میں صفین ایک مقام ہے وہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا یہ محرم ۳۷ھ کا موقعہ ہے۔
اس مقام میں اس چیز کی تشریح و توضیح پہلے کر دینا مناسب ہے کہ آئندہ واقعہ جو فریقین کے درمیان پیش آیا اس میں "ما بہ النزاع" اور "ما بہ الاختلاف" کون سا امر تھا؟ اور فریقین کے سامنے اپنے نظریات اور مواقف کیا تھے؟
فلہذا پہلے فریقین کے الگ الگ موقف کی تشریح درج کی جاتی ہے اس کے بعد دیگر امور کا ذکر حسب ترتیب ہوگا۔ (بعونہ تعالیٰ)

صفین میں فریقین کا موقف

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بیشتر مہاجرین اور انصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے فلہذا اہل شام کو بھی میری بیعت میں داخل ہونا چاہیے اور اطاعت قبول کرنی چاہیے اور وہ اگر یہ صورت اختیار نہ کریں گے تو پھر قتال ہوگا۔[1]
(۲) نیز حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا اس مسئلہ میں موقف یہ تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۱۲۷ جلد ۷ تحت ترجمہ معاویہ ؓ

قصاص دمِ عثمانؓ کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے بیعت کریں اس کے بعد اپنا قصاص کے متعلق مطالبہ مجلسِ خلیفہ میں پیش کریں۔ بعد ازاں حکمِ شریعت کے مطابق اس مطالبہ کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

چنانچہ ابن العربیؒ نے شرح ترمذی شریف میں اور علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔

"...... وکان علی یقول ادخل فی البیعة واحضر مجلس الحکومة واطلب الحق تبلغه"

"...... فقال لهم علی ادخلوا فی البیعة واطلبوا الحق تصلوا الیه"[2]

(۳) نیز علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی جماعت کے ہاں اس مسئلہ میں یہ چیز پیشِ نظر تھی کہ فریقِ مقابل ہمارے نزدیک "اهل البغی" میں سے ہے لہٰذا جب تک حق کی طرف رجوع نہ کریں ان کے خلاف قتال لازم ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ابو الشکور السالمی نے لکھا ہے:

"...... ان حجة علیؓ ومن معه ما شرع لهم من قتال اهل البغی حتی یرجعوا الی الحق"[3]

---

[1] البدایہ لابن کثیر صفحہ ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ۔

[2] (۱) شرح ترمذی شریف لابن العربیؒ صفحہ ۲۲۹ ج ۱۳ تحت مناقب معاویہؓ
(۲) تفسیر قرطبی صفحہ ۳۱۷ ج ۱۶ سورۃ الحجرات تحت مسئلہ سابعہ
(۳) الاصابہ لابن حجرؒ صفحہ ۵۰۸ ج ۲ تحت علی بن ابی طالب۔

[3] (۱) فتح الباری لابن حجرؒ صفحہ ۲۴۶ ج ۱۳ تحت باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس
(۲) کتاب التمہید لابی شکور السالمی صفحہ ۱۶۷-۱۷۰ تحت القول فی ... عصر معاویہؓ

فریق مقابل

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (جن میں متعدد صحابہ کرام تھے جو ملک شام میں اقامت پذیر تھے) کی طرف سے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کیے گئے ہیں۔ وہ ان کے قاتلین علوی جیش میں موجود ہیں لہٰذا ان سے قصاص لیا جائے۔ اور ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمانؓ کے متعلق ہے۔ خلافت کے بارہ میں ہمارا تنازع نہیں ہے۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ سے بیعت خلافت نہیں کی جا سکتی جب تک کہ قاتلین حضرت عثمانؓ ان کے ساتھ ہیں۔ اور ان کو شرعی سزا نہیں دی گئی۔ یا پھر دیگر صورت یہ ہے کہ ان کو ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ ان سے قصاص لیا جا سکے۔

(۳) حاصل مطلب یہ ہے کہ امر خلافت آپ کے لیے ہم تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ اہل فساد اور اہل شر کو ختم نہ کیا جائے جنہوں نے خلیفہ برحق حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر کے ناحق شہید کر ڈالا تھا۔ یہ چیز دین کے معاملہ میں بڑی رخنہ اندازی ہے اور ملت اسلام کے حق میں خلل عظیم کا موجب ہے۔

چنانچہ ابن ابی شیبہؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کا قول ذکر کیا ہے کہ:

"...... قال معاویة ما قاتلت علیاً الا فی امر عثمان"[1]

یعنی معاویہؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ میرا قتال صرف حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں ہے۔"

اور نصر بن مزاحم شیعی نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے یہی قول نقل کیا ہے

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۶ ج ۱۲ کتاب الامراء طبع کراچی۔

کہ: "...... واما الخلافة فلسنا نطلبها" [1]

"یعنی (اس مقام میں) ہم خلافت کے طلب گار نہیں ہیں۔"

حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے علماء سلف نے یہ حجت تحریر کی ہے کہ:

"...... حجة معاویةؓ ومن معه ما وقع من قتل عثمانؓ مظلوماً ووجود قتلته باعیانهم في العسكر العراقي" [2]

"یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ہمنواؤں کی حجت اور دلیل یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کر دیے گئے اور ان کے قاتلین بذات خود عراقی جیش میں موجود ہیں۔"

علامہ شعرانیؒ اور صاحب مسامرہ وغیرہ علماء نے اصل منازعت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

"ولیس المراد بما شجر بین علیؓ ومعاویةؓ المنازعة في الامارة كما توهمه بعضهم وانما المنازعة كانت بسبب تسلیم قتلة عثمان رضي الله تعالى عنه الى عشیرته لیقتصوا منهم" [3]

---

[1] الفتنة ووقعة الصفین لنصر بن مزاحم المنقری التمیمی ص ۳۷ تحت کتاب معاویة و عمرو الی اهل المدینة۔

[2] (۱) فتح الباری ص ۳۴ ج ۱۳ تحت کتاب الاعتصام بالکتاب ما یذکر من ذم الرأی وتکلف القیاس۔

(۲) تفسیر القرطبی ص ۳۲۱ ج ۱۶ تحت سورة الحجرات تحت الآیة۔

[3] (۱) کتاب الیواقیت والجواهر للشعرانی ص ۷۷ ج ۲ تحت المبحث الرابع والاربعین فی بیان وجوب الکف الخ

(۲) المسامرة لکمال الدین بن ابی شریف ص ۱۵۸ الجزء الثانی طبع مصر تحت الاصل الثامن فی فضل الصحابة۔

(۳) الصواعق المحرقة مع تطهیر الجنان ص ۲۱۶ تحت فصل ۳ طبع ثانی مصر

یعنی ان دونوں حضرات کے مابین بابت خلافت کوئی نزاع نہیں تھا (جیسا کہ بعض کو وہم ہوا) بلکہ قاتلوں کو حضرت عثمانؓ کے وارثوں کی طرف تسلیم کر دینے میں صرف تنازع تھا تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں۔[1]

مندرجات بالا کی روشنی میں فریقین کے الگ الگ مواقف سامنے آگئے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے پیش کردہ وجوہ کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی دلیل معذرت یہ ذکر کی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں قاتلین عثمانؓ کو شرعی سزا دینا، فریق مقابل کے سپرد کرنا موجب عظیم شر اور فساد ہے اور اس کی وجہ سے عشائر اور قبائل میں ایک دیگر انتشار اور اضطراب واقع ہوگا اور معاملہ نظم و ضبط سے خارج ہو جائے گا۔

لہٰذا اس میں تعجیل کی بجائے تاخیر لازم ہے۔

..... لان علیاً کان رأی ان تاخیر تسلیمهم اصوب اذ المبادرة بالقبض علیهم مع کثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسکر یؤدی الی اضطراب امر الامامة العامة "[2]

اس طرح ہر ایک فریق کے مواقف سامنے آگئے لیکن یہ دونوں حضرات اپنے اپنے نظریات پر شدت سے قائم رہے اور کوئی نتیجہ خیز امر سامنے نہ آسکا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کا ذکر کر دینا مفید ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں

---

[1] (۱) کتاب الیواقیت والجواہر للشعرانی ص ۷۷ ج ۲ تحت المبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف عما شجر بین الصحابة۔

(۲) الصواعق المحرقہ لابن حجر المکی مع تطہیر الجنان ص ۲۱۶ تحت بحث ۶ طبع ثانی مصر

کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ شرعی قواعد کی رو سے مقتول کے قریبی ورثاء کو قصاص طلب کرنے کا حق ہوتا ہے اور یہی لوگ مطالبہ قصاص کے صحیح حق دار ہوتے ہیں؟

اس ضابطہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہؓ کو قصاص دم عثمانؓ کا مطالبہ پیش کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور ان کا یہ اقدام ضابطے کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے یہ تفصیل پیش خدمت ہے۔

مطالبہ قصاص دم عثمانؓ اٹھانے میں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے فرزند شامل تھے اور خاص طور پر حضرت ابان بن عثمانؓ کا اسم گرامی کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے موافق تھے چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء اور مصنفین نے اس مسئلہ کو تصریحاً ذکر کر کے اشکال رفع کر دیا ہے۔ ذیل میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں سلیم بن قیس الہلالی الشیعی کہتے ہیں کہ:

"۔۔۔ ان معاویۃؓ یطلب بدم عثمانؓ و معہ ابان بن عثمانؓ و ولد عثمانؓ" [1]

"یعنی دم عثمان کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمانؓ کے دیگر فرزند شامل تھے۔"

مطالبہ ہذا کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ متفرد اور اکیلے نہیں تھے۔

نیز مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ابو مسلم الخولانی اور ان کی جماعت کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ

"۔۔۔ انا ابن عمہ و انا اطلب بدمہ وامرہ الیّ الخ" [2]

---

[1] کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری الشیعی ص ۱۵۲ ۔ طبع نجف اشرف تحت بحث معاویہؓ قرار الشام و قضاتہم۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ

یعنی میں مظلوم و مقتول خلیفہ کے چچے کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ نزد الیوں کی طرف سے میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اس بنا پر مقتول کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں۔

ان تصریحات کی روشنی میں ان کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور اقدام صحیح ہے۔ پس اس اشتباہ کو شیعہ کے کبار علماء اور اہل سنت کے مصنفین نے رفع کر دیا ہے مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔

ناظرین کرام کی معلومات میں اضافہ کے لیے ایک بات مزید درج ہے کہ سلیم بن قیس الہلالی کو شیعہ علماء اصحاب امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ میں شمار کرتے ہیں۔

تو اس استشہاد سے زیادہ پختہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ بعض لوگوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ قصاص کو غیر آئینی اقدام قرار دینا یہ معلومات کی کمی کی بنا پر ہے ورنہ یہ معاملہ ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے اور اصول شرعی کے مطابق ہے۔

رفع نزاع کے لیے مساعی

فریقین کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات کے ذریعے رفع نزاع کی مساعی کی گئیں۔ ان میں سے بعض مساعی تو کوفہ میں مرتضوی قیام کے درمیان ہی سے جاری تھیں جو جریر بن عبد اللہؓ البجلی کی وساطت سے شروع ہوئیں اور بعض دوسرے حضرات کے ذریعے بعد میں فریقین کے خیلہ اور صفین کے مقامات میں قیام کے دوران جاری رہیں۔

ان میں سے بعض مساعی کو بطور اختصار کے ہم یہاں ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

پہلے حضرت جریر بن عبد اللہ کی رفع نزاع کی مساعی کو ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد دیگر حضرات کی کوششوں کا ذکر کیا جائے گا۔

(۱)

(۱) اس سلسلہ کی ابتداء حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس طرح فرمائی کہ ایک مشہور صحابی حضرت جریر بن عبد اللہؓ کو ایک خط دے کر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس خط میں یہ چیز درج تھی کہ مہاجرین اور انصار نے ہماری بیعت کر لی ہے اور واقعہ جمل بھی اسی تنازع کی وجہ سے پیش آچکا ہے آپ اور آپ کے علاقہ کے لوگوں کو اس بیعت میں داخل ہو جانا چاہیے۔

جریر بن عبد اللہؓ نے ملک شام میں جا کر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا تو آپؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر اکابر اہل شام کو اس خط سے مطلع کیا اور اس بات پر مشورہ طلب کیا۔

ان حضراتؓ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کیا جائے یا قاتلین کو ان کے سپرد نہ کر دیا جائے آپ کی خلافت تسلیم نہ کی جائے گی اور نہ بیعت کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت جریر بن عبد اللہؓ نے واپس آکر حضرت علی المرتضیٰؓ کو جواباً اطلاع کر دی۔

------ وبعثه وكتب معه كتاباً الى معاوية يعلمه باجتماع المهاجرين والانصار على بيعته۔ ويخبره بما كان في وقعة الجمل ويدعوه الى الدخول فيما دخل فيه الناس ------

فلما انتهى اليه جرير بن عبد الله اعطاه الكتاب فطلب معاويه عمرو بن العاص و رؤس اهل الشام فاستشارهم فابوا ان يبايعوا حتى يقتل قتلة عثمانؓ او يسلم اليهم قتلته

عثمانؓ ذوالنورینؓ

عزلت نشینی حضرت جریر بن عبد اللہؓ کو جب اس مسئلے میں ناکامی ہوئی تو واپس ہو کر واپس تشریف نہ لے گئے اور قرقیسا کے مقام میں فریقین سے الگ ہو کر عزلت نشینی اختیار کر لی۔ اور حضرت معاویہؓ کی طرف اطلاع ارسال کر دی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کی شرائط کو تسلیم نہیں کیا تھا

...... ثم سكن جرير الكوفة وارسله علي رسولا
الى معاوية ثم اعتزل الفريقين وسكن قرقيسا
حتى مات سنة احدى وقيل اربع وخمسين ۔ ٢؎

یعنی حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس مراسلت اور پیغام رسانی کے بعد جریر بن عبد اللہ فریقین سے غیر جانبدارانہ طور پر الگ ہو گئے اور قرقیسا کے مقام میں سکونت اختیار کر لی حتیٰ کہ ۵١ھ یا ۵۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۴)

اندریں ایام میں ایک تابعی بزرگ عبیدہ السلمانیؒ نے مع اپنے دیگر احباب (علقمہ بن قیس، عامر بن عبد قیس، عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم) کے متنازع کی کوئی صورت نکالنے کے لیے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ

١؎ (١) البدایہ ص ٢۵٣ جلد سابع تحت وقعۃ الصفین۔

(٢) تاریخ طبری ص ٢٣۵ ج ۵ تحت توجیہ علی جریر بن عبد اللہ الخ

(٣) جمہرۃ ابن کثیر ص ٢۵٣ تحت واقعہ صفین

(۴) اخبار الطوال للدینوری تحت ص ١٧١ تحت بحث ہذا۔

٢؎ الاصابہ لابن حجر ص ٢٣٣ تحت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ۔

دمِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ درپیش ہے اور حضرت علیؓ کے ہاں قاتلین پناہ لیے ہوئے ہیں اس بنا پر ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔

پھر یہی چیز حضرت علیؓ کی خدمت میں ان حضرات نے پہنچائی تو حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ:

واللہ ما قتلت ولا امرت ولا مالأت [1]

یعنی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! نہ میں نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے، نہ میں نے اس کا کسی کو حکم دیا ہے اور نہ ہی میں نے (قتل عثمانؓ) پر قاتلین کا تعاون کیا ہے۔

اور قاتلین ذہنی تاویلات فاسدہ کی بنا پر اس فتنہ میں پڑ گئے تھے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو میری خلافت سے قبل ہی قتل کر دیا ہے میرا اس میں دخل نہ تھا۔

امیر معاویہؓ ان کے جواب میں تقاضا کرتے تھے کہ یہ لوگ ان کے جنود وجیوش میں شریک وشامل ہیں ان سے قصاص دلایا جائے۔

ان وفود کے مکالمات میں تفصیلات پائی جاتی ہیں جن کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بار بار قتل کے بعد بیعت و اطاعت کا مطالبہ مقدم تھا اور حضرت معاویہؓ کی فریق کی جانب سے تو دم قصاص کا تقاضا پیش پیش تھا اس وجہ سے باوجود کوئی مابہ الاتفاق چیز سامنے نہ آسکی جس پر نزاع ختم ہو جاتا۔

نیز اس موقعہ پر کبار علماء نے ایک دیگر مسئلہ ذکر کیا ہے اس کو بھی بالاجمال ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ابو مسلم الخولانیؒ ہیں جو اپنے زہد و

۱؎ البدایہ لابن کثیر ص ۲۵۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث ہذا۔

عبادت اور تقویٰ میں مشہور تھے انہوں نے بھی مع اپنے دیگر ساتھیوں کے جذبۂ اخلاص کے تحت اس مختلف فیہ مسئلہ میں رفع اختلاف کی خاطر ایک سعی کی۔

چنانچہ ابومسلم الخولانی اپنے احباب کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ آپ خلافت کے بارے میں حضرت علیؓ سے تنازع کرتے ہیں کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں ؟ تو حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم ! میں ان کا ہم پایہ نہیں ہوں خود وہ مجھ سے زیادہ افضل ہیں اور امر خلافت میں زیادہ حقدار ہیں۔

لیکن تم جانتے نہیں کہ حضرت عثمان مظلوماً قتل کیے گئے ؟ اور میں ان کا قریبی رشتہ ہوں، اور میں ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں ؟ تم حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلین عثمان ہمارے سپرد کر دیں ہم امر خلافت ان کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچے اور گزشتہ گفتگو ان کے سامنے پیش کی، تو حضرت علیؓ نے قاتلین عثمانؓ کو ان کے حوالے نہیں کیا۔

اور اس مقام میں بعض روایات میں اس طرح بھی منقول ہے کہ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ وہ بیعت میں داخل ہوں اور اطاعت قبول کریں اس کے بعد یہ مسئلہ میرے سامنے پیش کریں اور فیصلہ طلب کریں۔ لیکن اس بات پر حضرت امیر معاویہؓ تیار نہیں ہوئے۔

چنانچہ حافظ الذہبی اور حافظ ابن حجر العسقلانی و دیگر اکابرین نے اس گفتگو کو اپنے اپنے الفاظ میں درج کیا ہے اور فرماتے ہیں :

۔۔۔۔۔ جاء ابو مسلم الخولانی و اناس الی معاویۃؓ و قالوا انت تنازع علیاً ام انت مثلہ ؟ فقال : لا واللہ انی لاعلم انہ افضل منی و احق بالامر ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمہ والطالب بدمہ ، فأتوہ

فقولوا له فليدفع إلي قتلة عثمان واسلم له - فأتوا

عليًا فكلموه فلم يدفعهم إليه [1]

اور بعض روایات میں بالا مضمون کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

فقال يدخل في البيعة ويحاكمهم إلي فامتنع معاوية [2]

ناظرین کرام کے سامنے رفع نزاع کے لیے متعدد کوشش بیان مختصراً ذکر کر دی ہیں ان حضرات کی طرف سے یہ نہایت مخلصانہ جد و جہد تھی جو مفید ثابت نہ ہو سکی۔ آخر کار فریقین اپنے اپنے موقف سے وسعت برداشت کر لیے یا آمادہ نہ ہو سکے۔ اس کے بعد حالات میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

فریقین میں مخلصین حضرات کے علاوہ اس قسم کے فسادی عناصر موجود تھے منازعت کے ہولناک عواقب اور خطرناک انجام پر جن کی نظر نہیں تھی۔ یہ لوگ اپنی جبلی شر پسندی اور فساد انگیزی سے باز نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ انہوں نے جانبین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بجائے غلط فہمیاں پھیلا کر بعید کیا اور معاملہ سلجھانے کی بجائے الجھا دیا اور صلح کی بجائے قتال قائم کرنے پر اصرار کیا۔

حاصل یہ ہے کہ یہ باہمی مساعی اور مراسلت نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی اور فریقین میں شدید قتال پیش آیا۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:

"۔۔۔۔ فتراسلوا فلم يتم لهم أمر فوقع القتال

---

[1] (۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۱۴۰ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان

(۲) تاریخ اسلام للذہبی ص ۱۴۸ ج ۲ تحت وقعۃ الصفین سنہ ۳۷ھ طبع مصر

(۳) عقیدۃ السفارینی ص ۳۲۹-۳۳۰ ج ۲ تحت قتل عمار و القول فی معاویہؓ

[2] فتح الباری شرح بخاری لابن حجر عسقلانی ص ۴۲ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن باب خروج النار۔

فی ان قتل من الفریقین۔[1]

یعنی جانبین میں مراسلت ہوئی لیکن کسی بات پر مصالحہ تمام نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہو گئے۔

جنگی تفصیلات سے اجتناب

صفین کے مقام پر فریقین میں جو قتال واقع ہوا اس کی تفصیلات کتب تاریخ میں بہت مفصل اور طویل و طوال ذکر کی گئی ہیں۔ ان طویل واقعات کو ذکر کرنا مفید مقصد نہیں۔ پھر ان میں واقعات کی نوعیت، تعداد شرکاء، دوران کے جیوش کی تعداد، پھر ان کے امراء کا تقرر، پھر معارک جنگ میں جنگی تفصیلات اور قتل جانبین کی تعداد وغیرہ یہ سب چیزیں مختلف فیہ امور ہیں۔ دو کتابوں میں ان کا ذکر مختلف تعبیرات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور ان متخالف امور میں کوئی ترجیح و تطبیق پیدا کرنا ہمارے دائرہ اختیار سے باہر اور طاقت انضباط سے خارج ہے۔

سو ان واقعات کی وادی تفصیلات میں قدم رکھنا پھر ان کی وسعتوں کو طے کر لینا کوئی سہل امر نہیں ہے بلکہ صعب تر ہے۔ فلہذا کبار علماء نے اس موقع کے متعلق جو اجمالی ذکر کیا ہے اسی پر اکتفا کرنا بہتر خیال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اگرچہ طبری سے کم تفصیلات درج کی ہیں لیکن پھر بھی قتال کے واقعات لکھے ہیں اور اس کے باوجود وہ بعض مقامات پر تحریر کرتے ہیں کہ:

. . . . . . فقتل فی هذا الموطن خلق کثیر من الفریقین

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۔

لا یعلمهم الا اللہ وقتل من العراقیین خلق کثیر ایضاً [1]

اور ایک دوسرے مقام میں لکھا ہے کہ :

فقتل خلق کثیر من الاعیان من الفریقین فانا للہ

وانا الیه راجعون ۔ [2]

ان عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ان مواضع میں فریقین کی جانب سے بہت لوگ مقتول ہو گئے جن کی صحیح تعداد اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ۔

البتہ اتنی چیز ذکر کر دینے میں حرج نہیں کہ فریقین کی طرف سے جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں حضرت عمار بن یاسرؓ خزیمہ بن ثابتؓ وغیرہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں تھے اور اہل شام کے ہاتھوں ان کی شہادت ہوئی ۔ اور عمار کی شہادت کی پیشگوئی جو حدیث شریف میں بطریق صحیح ثابت ہوئی اس کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے مقام میں پیش کیا جا سکے گا ۔

اور حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت سے حضرت عبید اللہ بن عمر بن الخطاب ، ذوالکلاع اور حوشب وغیرہم اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہو گئے ۔

جنگ صفین میں بہت سے اکابر حضرات کی شہادت ہوئی جیسا کہ ابتدائی سطور بالا میں لکھا ہے لیکن ان کے اسماء کی تصریحات نہیں تحریر کی جا رہیں ۔ اور مندرجہ بالا حضرات (حضرت عمار ، ذوالکلاع ، حوشب) کے نام ذکر کر دینے میں ایک خاص وجہ ہے ان شاء اللہ عنقریب ان مباحث کے آخر میں ان کی کچھ تفصیل پیش کی جائے گی قلیل سا انتظار فرما دیں ۔

---

[1] البدایہ ص ۲۷۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث صفین ۔

[2] البدایہ ص ۲۷۷ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ تحت واقعات صفین ۔

تحکیم

صفین کے مقام میں فریقین کے درمیان شدید ترین قتال جاری رہا بعض مؤرخین کے قول کے مطابق چہار شنبہ پنجشنبہ جمعہ اور شب شنبہ ماہ صفر ۳۷ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین تھے اور ان ایام میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔[1] اس موقعہ پر اہل شام کی طرف سے اقتتال کو ختم کرنے کے لیے ایک تدبیر پیش کی گئی کہ اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

چنانچہ اس کے موافق حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں یہ پیش کش کی گئی اور آپ نے مصالحت کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور باقاعدہ قتال کو موقوف کر دیا گیا۔ اور طے یہ ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک حکم اس مسئلہ کے فیصلہ کے لیے منتخب کیا جائے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ فیصل منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ فیصل تسلیم کیے گئے کتاب اللہ کی روشنی میں یہ حضرات جو فیصلہ کریں وہ منظور ہوگا۔ اور طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں فیصل دومۃ الجندل کے مقام پر جمع ہو کر فیصلہ کریں گے۔[2]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۴ ج ۷ تحت حالات صفین ۳۷ھ۔

[2] (۱) تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۹۱-۱۹۲ ج اول تحت سنہ ۳۷ھ

(۲) العبر للذہبی ص ۴۳ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

(۳) طبقات ابن سعد ص ۲۲ ج ۳ تحت ذکر تحکیم الحکمین۔

[illegible]

اور بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ " اذرح " نامی دومۃ الجندل کے قریب مقام تھا اس میں فیصلہ تحکیم تجویز کیا گیا ۔ اور یہ واقعہ تقریباً ۱۲ صفر ۳۷ھ کا ہے ۔

خوارج کی ابتدا

اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آپؓ کے حکمین تسلیم کر لینے کے فیصلے سے اختلاف کیا اور سختی سے اصرار کیا کہ حکمین کو تسلیم کرنا شرعاً درست نہیں اور " لا حکم الا للہ " کا نعرہ لگا کر حضرت علیؓ کی جماعت سے الگ ہو گئے ۔ اور آپ کے تعاون سے کنارہ کش ہو گئے اور ایک الگ مقام میں جا کر اقامت اختیار کی جسے " حروراء " کہتے تھے اور بقول بعض مؤرخین یہ جماعت بارہ ہزار کے قریب تھی ان کو خوارج کہا جاتا ہے ۔

۔۔۔۔ وابوا ان یساکنوہ فی بلدہ ، ونزلوا بمکان یقال لہ حروراء ، وانکروا علیہ اشیاء فیما یزعمون انہ ارتکبہا ۔ [1]

یعنی انہوں نے حضرت علی کے ساتھ ایک شہر میں مل کر سکونت اختیار کرنے کو ترک کر دیا اور حروراء کے مقام میں اقامت کر لی ۔ اور اپنے زعم میں انہوں نے حضرت علیؓ پر کئی چیزوں کے ارتکاب کے متعلق اعتراض قائم کر لیے ۔ [2]

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۸

(۲) البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۲ ج ۷ تحت بحث واقعہ صفین ۳۷ھ

(۳) الطبقات لابن سعد ص ۲۵۷ ج ۴ تحت عمرو بن العاص ۔

[1] (۱) معجم البلدان یاقوت الحموی ص ۴۸۷ ج ۲ تحت دومۃ الجندل ۔

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲-۱۹۱ جلد اول ۔

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۰ جلد سابع تحت خروج الخوارج ۔

[2] خوارج کے متعلق تفصیلاً ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے مقام پر ہوگا یہاں صرف مسئلہ تحکیم کے ساتھ ان کا اختلاف کے حق میں ذکر کیا ہے ۔ (منہ)

چنانچہ واقعہ تحکیم پیش آنے کے بعد ہر ایک فریق اپنے اپنے بلاد کی طرف واپس ہو گئے حضرت علی المرتضیٰ کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت بلادِ شام کو واپس ہوئے۔

کیفیت یہ تھی کہ جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں اس مسئلہ پر افتراق و انتشار واقع ہو گیا تھا (جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے)

اور حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت اور اہل شام میں سکون تھا کوئی اضطراب و خلفشار نہیں تھا۔

۔۔۔۔۔ ورجع علیؓ الکوفۃ باصحابہ مختلفین علیہ۔ ورجع معاویۃؓ الی الشام باصحابہ متفقین علیہ۔ [1]

اپنے اپنے بلاد کی طرف فریقین کی یہ واپسی صفر ۳۷ھ میں ہوئی تھی۔ درمیان میں چند ماہ وقفہ رہا۔ اس دوران مراسلہ جاری رہی اور فیصلہ حضرات کے مقام متعین (دومۃ الجندل یا اذرح) میں مجتمع ہونے کے لیے کوششیں ہوتی رہیں۔

اجتماعِ فریقین

آخرکار دونوں فریق ماہ رمضان شریف ۳۷ھ میں دومۃ الجندل یا اذرح کے مقام پر مجتمع ہوئے۔

حضرت سیدنا علیؓ خود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ ان کی جانب سے ان کے قائم

---

[1] (۱) نصب الرایہ للزیلعی ص۔۔۔ جلد ۴ لیج کتاب السیر تحت الحدیث الخامس۔

(۲) طبقات ابن سعد ص۔۔۔ تحت تحکیم الحکمین۔ طبع لیڈن

مقام حضرت عبداللہ بن عباسؓ شریک ہوئے اور ان کے ہم نوا کچھ اور حضرات بھی ساتھ تھے
اور حضرت معاویہؓ خود شامل اجتماع ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے ہم خیال احباب تھے۔

اور فیصل حضرات یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کی جانب سے تسلیم شدہ
تھے، اس مقام پر تشریف لائے اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ فیصل
مقرر شدہ بھی آپہنچے۔

ابن کثیرؒ نے بعض اکابرین امت کے نام جو اس موقع پر شامل ہوئے تھے ذکر کئے ہیں۔
مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبدالرحمٰن بن الحارث مخزومی،
ابوجہم بن حذیفہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہ۔

اس مقام میں مؤرخین کے بیانات بہت کچھ مختلف ہیں حقیقت واقعہ کے مطابق مسئلہ
کو ذکر کرنا سہل کام نہیں ہے تاہم اتنی چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ۔

۔۔۔۔۔ جب دونوں فیصل حضرات جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کی مصلحت
کے پیش نظر اور خیر اندیشی کی خاطر غور و فکر فرمایا دونوں بزرگوں کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت علی
بن ابی طالبؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو خلافت اور اپنے منصب سے الگ کیا جائے
اور یہ معاملہ پھر سے اکابرین امت پر چھوڑا جائے جس کو اس منصب کے لیے لائق تر
سمجھیں اس کو منتخب کرلیں انتخاب میں مذکورہ حضرات میں سے کسی ایک پر اتفاق کریں یا ان
کے ماسوا کسی دوسرے شخص کو تجویز کرلیں۔

فلما اجتمع الحکمان تراوضا على المصلحة للمسلمين ونظرا في
تقدير امور ثم اتفقا على ان يعزلا عليًّا ومعاوية ثم يجعلا
الامر شورى بين الناس ليتفقوا على الاصلح لهم منهما
او من غيرهما۔[1]

---

[1] البدایہ صفحہ ۲۸۳ج ۷ تحت منقذ اجتماع الحکمین۔

——— اس مرحلہ کے دوران دونوں حکمین کی رائے کا تذکرہ بعض مؤرخین نے اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ نے عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ کو والی بنانے کی طرف اشارہ کیا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو والی بنانے کی رائے پیش کی کہ وہ بھی علم و عمل اور زہد میں ایک مقام کے حامل ہیں۔ اس پر حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ وہ آدمی تو صادق اور سچے ہیں مگر آپ نے اپنے فرزند کو ان فتن میں ملوث کر دیا ہے۔

۔۔۔۔ وقد اشار ابو موسیٰ بتولیۃ عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ فقال له عمرو: فولّ ابني عبدالله فانه يقاربه في العلم والعمل والزهد فقال له ابو موسى انك قد غمست ابنك في الفتن معك، وهو مع ذالك رجل صدق[1]

——— اور بعض دیگر مؤرخین کے نزدیک حضرت عمرو بن العاصؓ کی طرف سے یہ رائے بھی پیش کی گئی کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کو منتخب کر لیا جائے مگر حضرت ابو موسیٰؓ اس رائے سے متفق نہیں ہوئے۔ اسی طرح مزید بھی اس مسئلہ میں بحث و تمحیص ہوئی لیکن ان امور میں اختلاف رائے کی بنا پر معاملہ ہذا میں انتشار واقع ہو گیا اور کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ لہذا تحکیم نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی ناکام ہو گئی۔

اس چیز کو خلیفہ ابن خیاط نے اپنے مختصر الفاظ میں بعبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

۔۔۔۔ فلم يتفق الحكمان على شيء وافترق الناس[2]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط (المتوفی ۲۴۰ھ) ص ۱۹۲ ج اول تحت وقعۃ الصفین سنہ ۳۷ھ

یعنی دونوں فیصل حضرات کسی چیز پر متفق نہ ہو سکے اس بنا پر لوگوں میں افتراق واقع ہو گیا۔"

اندریں حالات فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس چلے گئے اس کے بعد اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ اس سے قبل حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے خلافت کی بیعت نہیں لی تھی۔

"۔۔۔۔ وبایع اھل الشام لمعاویۃ بالخلافۃ فی ذی القعدہ سنۃ سبع وثلاثین"۔[1]

یعنی اہل شام نے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ذی القعدہ ۳۷ھ میں کی۔"

اس سے قبل وہ اپنے سابقہ منصب امیر شام ہونے پر قائم تھے جو ان کو سابق خلفاء کی جانب سے حاصل تھا۔

ایک تشریح

تحکیم کے موقع پر مؤرخین اور ان کے بعض رواۃ نے جو تعبیریں اختیار کی ہیں وہ حقائق اور واقعات کے خلاف ہیں۔

ان کے متعلق یہاں ایک اشتباہ ذکر کر دینا مفید ہے۔

اشتباہ

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ معاملات میں ظاہر بیں تھے اور

---

[1] (۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط جلد اول تحت واقعہ صفین۔ (ص۱۹۲)

(۲) تاریخ ابن خلدون ص۱۱۲۵ جلد ثانی تحت ولایۃ عمرو بن العاصؓ بمصر

سیاسی بصیرت کے حامل نہیں تھے نیز وہ معاملہ فہمی میں زیرک نہیں تھے۔

اور اسی طرح کئی مؤرخین حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو واقعہ ہذا میں مخادع اور مکار شخص کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ سب بیان کرنے والوں کی اپنی تعبیریں ہیں جو ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص کا موجب بنتی ہیں اور تحقیر کا تاثر دیتی ہیں سو یہ روایات کسی صورت میں صحیح نہیں۔

اس مقام میں پہلے ہم حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ اور جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے باہم مکالمہ کی روایات پر نقد اور تجزیہ پیش کرتے ہیں جن کی بنا پر لوگوں نے ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کی تحقیر و تنقیص کے درپے ہو گئے۔ اس کے بعد ہم ان حضرات رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو اختصاراً بیان کر کے ان کے حق میں صفائی پیش کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

اس سلسلہ میں عموماً طبری کی روایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کے رواۃ پر اہل فن نے جرح اور تنقید ذکر کی ہے۔

لہٰذا یہ روایات درجہ اعتماد سے ساقط ہیں۔

سند پر کلام

۱۔ طبری کی ان روایات کا بنیادی راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے یہ شخص علمائے رجال کے نزدیک سخت قسم کا شیعہ رافضی ہے ضعیف ہے اور کچھ قابل اعتماد نہیں۔ اخباری آدمی ہے۔

چنانچہ حافظ الذہبی اور ابن حجر العسقلانی ذکر کرتے ہیں کہ:

(۱)..... لوط بن یحییٰ ابو مخنف اخباری لا یوثق بہ ..... تالف لا یوثق بہ ..... ترکہ ابو حاتم وغیرہ۔ قال الدارقطنی ضعیف۔ قال یحییٰ بن معین مرۃ لیس بشیء۔ قال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارھم[1]

---

[1] (۱) میزان الاعتدال للذہبی ص ۴۱۹-۴۲۰ ج ۳ (طبع بیروت) تحت لوط بن یحییٰ۔

(۲) لسان المیزان لابن حجر العسقلانی ص ۴۹۲ ج ۴ تحت لوط بن یحییٰ (طبع دکن)

مطلب یہ ہے کہ ابومخنف ناقابل اعتماد ہے، متروک ہے، بیکار ہے۔ صحابہؓ کے نام پر [illegible] والا شیعہ ہے، روایتیں چلانے والا اخباری اور قصہ گو راوی ہے۔ اور قصہ گو لوگوں کے بیانات قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

(۲) طبری کی ان روایات کا دوسرا راوی "ابو جناب الکلبی یحییٰ بن ابی حیہ" ہے۔

یہ شخص اہل فن کے نزدیک مندرجہ ذیل جرح و نقد کے ساتھ مجروح و مقدوح ہے۔

ابن حبان ذکر کرتے ہیں۔

"... کان ممن یدلس عن الثقات ما سمع من الضعفاء فالتزق به المناکیر التی یرویها عن المشاهیر"

"... قال یحیی بن سعید القطان، لیس بشی۔"

"... قال یحیی بن معین، کان ضعیفا۔"[1]

اس ابو جناب کلبی پر ابن حجرؒ نے مندرجہ ذیل جرح اور نقد کیا ہے۔

"... متروک الحدیث ... یحول ضعیف ... وهو من جملة المتشیعین بالکوفة"[2]

اور علامہ ذہبیؒ نے تحریر کیا ہے کہ:

قال یحیی بن سعید القطان لا استحل ان اروی عنه۔

قال النسائی والدارقطنی ضعیف ... کان یدلس۔[3]

مندرجہ بالا تنقیدات کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ شخص مدلس تھا اور ضعیف راویوں سے جو کچھ سنتا اس چیز کو ثقات کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیتا تھا۔ اسی طرح اس نے مشاہیر لوگوں سے منکر روایات نقل کی ہیں۔ علمائے فن کے نزدیک یہ شخص ضعیف

---

[1] کتاب المجروحین لابن حبان ص ۱۱۱ ج ۳ تحت یحیی بن ابی حیۃ۔ (طبع دکن)

[2] الکامل لابن عدی ص ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۰۱ ج ۷ تحت یحیی بن ابی حیۃ

[3] میزان الاعتدال للذہبی ص ۳۷۱ ج ۴ تحت یحیی بن ابی حیۃ (طبع بیروت)

ہے بلکہ کسی درجہ میں نہیں۔ اور اس کو متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔

یہ شخص شیعان کوفہ میں سے تھا اور یحییٰ قطان اس کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ میں اس شخص سے روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

مختصر یہ ہے کہ اس مقام کی روایات کے مرکزی رواۃ مندرجہ بالا جرح کے ساتھ مجروح اور مطعون ہیں اور اہل فن کے نزدیک نہایت غیر معتمد و ناقابل اعتبار ہیں۔

پس ان روایات کی روشنی میں مذکورہ اکابر صحابہ کرامؓ کے خلاف جو تنقیص و تحقیر کی جاتی ہے وہ سراسر افتراء اور دروغ گوئی ہے۔

اس قسم کے تاریخی اور اخباری مرویات کی بنا پر اکابر صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم سطور ذیل میں ان ہر دو صحابہ کرامؓ کے دینی مقام کو واضح کرنے کے لیے چند ایک چیزیں پیش کرتے ہیں جن سے ان حضراتؓ کی اہمیت و حیثیت اور دیانت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں ان کی عدالت پر شاہد کے درجہ میں ہیں۔

ان کے ملاحظہ کر لینے کے بعد ایک منصف مزاج اور حق پسند آدمی حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ اور جناب عمرو بن العاصؓ پر اس قسم کے مطاعن وارد کرنے کا ہرگز روادار نہیں ہوگا۔ بلکہ تحکیم کے موقع کے حالات کو ان کے فکری اختلاف اور اجتہادی رائے کے تحت ہی محمول کرے گا۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ (یعنی عبداللہ بن قیس) کے فضائل و مناقب سے ان کے تراجم مملو ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تحریر کیا ہے کہ آپ جلیل القدر اور فاضل صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔

آپ متعدد بار اسلامی حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ حتیٰ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو بعض علاقوں زبید، عدن اور ساحل پر والی مقرر فرمایا۔

اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا۔

…… واستعمله رسول الله صلی الله علیه وسلم علی عمان فلم یزل علیها مدة حیاة رسول الله صلی الله علیه وسلم واقره علیها الصدیق رضی الله عنه [1]

اسی طرح عہد نبوت کا ایک دیگر واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے اس سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مقام دیانت اور اخلاص مزید واضح ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خود ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگی مہم پیش آئی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف فرمان دے کر آدمی بھیجا کہ عمرو بن العاص کو جا کر کہو کہ وہ اپنی تیاری کے ساتھ ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنجناب صلعم کے ارشاد کے مطابق تیاری کر کے حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا اور مال غنیمت عنایت فرمائے گا۔ اور ہم اس مال میں سے تجھے بھی عنایت کریں گے۔

…… فقلت یا رسول الله! ما کانت هجرتی للمال وما کانت الا لله ولرسوله ثم قال نعما بالمال الصالح للرجل الصالح۔ رواه فی شرح السنة وروی احمد نحوه۔ وفی روایته نعم المال الصالح للرجل الصالح [2]

اور بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح ذکر ہے کہ:

…… قلت یا رسول الله! انی لم اسلم رغبة فی المال انما اسلمت رغبة فی الجهاد والکینونة معك قال یا عمرو نعما

---

[1] البدایة والنهایة لابن کثیر ص ۲۵ ج ۸ تحت سنة ۴۳ھ

[2] مشکوٰة شریف ص ۳۲۴ الفصل الثانی باب رزق الولاة وهدایاهم (طبع نور محمد دہلی)

بالمال الصالح للمرء الصالح (۱)

یعنی عمرو بن العاصؓ نے جواباً عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے مال کے لیے ہجرت نہیں کی بلکہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضامندی اور جہاد کے لیے ایمان لایا اور ہجرت کی۔

بقول بعض روایات میں نے اس لیے ہجرت کی تھی کہ مجھے جناب کی معیت نصیب ہو۔

تو آنجناب صلعم نے فرمایا کہ اے عمرو! پاک اور حلال مال نیک اور صالح شخص کے لیے عمدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح مسند امام احمدؒ میں دور نبوت کا ایک واقعہ مذکور ہے۔ وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

ایک بار سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دو شخص اپنا ایک تنازعہ (کسی) لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً عمرو بن العاصؓ وہاں موجود تھے۔ تو جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان متخاصمین کے درمیان تنازعہ کا فیصلہ تم کرو۔

تو عمرو بن العاصؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس معاملہ میں آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ میں زیادہ اولیٰ ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو)

اس پر عمرو بن العاصؓ نے بطور استفادہ اور طلب وضاحت کے عرض کیا کہ اگر میں ان کے مابین تنازعہ کا فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سود مند ہوگا؟

تو ان کی اس گزارش پر بطور قاعدہ کے ارشاد نبوت صلعم ہوا کہ ۔۔۔

۔۔۔۔۔ عن عبداللہ بن عمرو عن عمرو بن العاصؓ قال جاء

---

(۱) [illegible] مسند امام احمدؒ ص ۲۰۲ تحت عمرو بن العاصؓ

(۱) مسند امام احمدؒ ص ۱۹۷ تحت عمرو بن العاصؓ (ج ۴ اول طبع) [illegible]

(۲) مسند امام احمدؒ ص ۲۰۵ تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاصؓ (ج ۴ اول طبع)

(۳) موارد الظمآن [illegible] باب فضل عمرو بن العاصؓ

(۴) الادب المفرد للبخاری [illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصمان یختصمان فقال لعمرو اقض بینهما

یا عمرو فقال انت اولیٰ بذالک منی یا رسول اللہ ! قال وان کان

قال فاذا قضیت بینهما فمالی ؟ قال ان انت قضیت بینهما فاصبت

القضاء فلک عشر حسنات وان انت اجتہدت فاخطأت فلک حسنة[علہ]

یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور

اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا کی تو پھر بھی تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا سے واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت میں عمرو

بن العاصؓ ایک نہایت صالح مخلص اور دیانتدار شخص تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے

دو متخاصمین کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا اور بطور ترغیب ساتھ ہی قضاء کا قاعدہ ضابطہ فرمایا۔

یہ چیزیں عمرو بن العاصؓ کی علمی صلاحیت اور دینی وثاقت پر دال ہیں۔ یہ بزرگ بارگاہ نبوت

سے ہدایت یافتہ اور کمال اخلاص کی سند یافتہ تھے۔ عہد نبوت میں ان پر پورا پورا اعتماد کیا جاتا تھا اور

ان میں خدع و نفاق ہرگز نہیں تھا۔

نیز اکابر تابعین میں سے ایک بزرگ قبیصہ بن جابرؒ ہیں وہ اکابر صحابہ کرامؓ کے ہم نشین رہے۔

وہ ان حضرات کی ہم نشینی کے تاثرات اپنی ایک روایت میں ذکر کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی کمال

دیانت اور کمال اخلاص اور دینی وثاقت ثابت ہوتی ہے۔ قبیصہ بن جابر فرماتے ہیں کہ :-

...... قال صحبت عمر بن الخطابؓ فما رأیت رجلا اقرأ لکتاب اللہ ولا

افقه فی دین اللہ ولا احسن مدارسة منه وصحبت طلحة بن عبید اللہ

فما رأیت رجلا اعطی لجزیل من غیر مسئلة منه وصحبت معاویة

بن ابی سفیانؓ فما رأیت رجلا اثقل حلما منه وصحبت عمرو بن

العاصؓ فما رأیت رجلا ابین او قال انصع ظرفا منه ولا اکرم

علہ: مسند امام احمد ص ۲۰۵ تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاصؓ (طبع مصر)

چند اہم مباحث اور ازالہ شبہات

گزشتہ اوراق میں "واقعہ صفین" کا ایک مختصر سا خاکہ تفصیلات سے اجتناب کرتے
ہوئے پیش کیا ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ اپنی نوعیت میں ایک بڑا نازک مسئلہ ہے۔
اس کے وقوع کے بعد اسلامی تاریخ میں کئی ایک پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے معترضین نے
مطاعن صحابہؓ کے لیے اس سے ایک مستقل دستاویز تیار کی۔ اعداء اسلام نے طعن و تشنیع کے لیے
اس کو ہدف بنا لیا اور تنقیص صحابہؓ نے طعن زنی کی خاطر اس کو زینہ قرار دیا۔

——— حقیقت یہ ہے کہ جمہور کی تدبیر پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب رہتی ہے۔ "جمل
وصفین" کے واقعات جن حالات میں پیش آئے ہیں۔ ان کے صحیح حالات کو منقح کر لینا چاہیے
یہ "معاملات ماضیہ" میں سے ہیں اور ان کے تکوینی حکم و مصالح کو دریافت کر لینا ہمارے
دائرہ اختیار سے بالاتر ہے۔

اکابرین امت کی ہدایات کی روشنی میں ان واقعات کے متعلق چند "مباحث" درج کیے
جاتے ہیں جو ان اکابر صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوء ظنی دفع کرنے اور بدظنی رفع کرنے
میں مفید ہوں گے اور مقام صحابہ کرامؓ کے تحفظ کے لیے سود مند ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ
نیز ان مباحث کے ساتھ ساتھ کچھ ازالہ شبہات کا سلسلہ بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ ان
مواقع میں پیش آمدہ اعتراضات کا ازالہ بر موقع ہو سکے۔ دوران کے لیے کوئی الگ فصل قائم
کرنے کی حاجت نہ رہے۔

گشتی مراسلہ

اس سلسلہ میں ہم بطور تمہید دہاری کے اولاً حضرت علی المرتضیٰؓ کا وہ فرمان درج کرتے ہیں جس میں خود انہوں نے اہل صفین کے ساتھ مابہ الاختلاف مسئلہ کی نوعیت واضح کردی ہے اور اس میں کوئی خفا باقی نہیں چھوڑا۔ حضرت مرتضیٰ کا ایک گشتی فرمان با الفاظ ذیل مذکور ہے اور شیعہ کی معتمد کتب میں منقول ہے۔

..... وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لانستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا یستزیدوننا۔ الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔ [1]

---

[1] نہج البلاغہ ص ۱۱۱ ج ۲ تحت ومن کتاب لہ علیہ السلام کتبہ الی اہل الامصار یقتص فیہ ما جری بینہ وبین اہل صفین ... طبع مصری۔

(۱) شرح نہج البلاغہ لابن میثم البحرانی جلد خامس طبع تہران۔ ص ۱۹۴ خطبہ ۵۸

(۲) شرح نہج البلاغۃ العربیۃ (نجفیہ) ص ۱۱۴۳ طبع قدیم تحت کلامہ علیہ السلام الی اہل الامصار یقتص فیہ ما جری الخ

حاصل یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو چٹھی اپنے مسلم شہروں کی طرف لکھ کر ارسال کی تھی اس میں
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کو ذکر کیا ہے جو ان کو صفین میں پیش آئے آپ نے فرمایا کہ ابتداء
ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم لوگ اور اہل شام کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کے لیے
جمع ہو گئے حالانکہ واضح بات ہے کہ ہم دونوں (فریقوں) کا رب ایک اور ہم دونوں کے نبی ایک
ہیں ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں نہ وہ ہم سے زیادہ
ہیں پس ان کا اور ہمارا تمام (دینی معاملہ) بالکل ایک جیسا ہے لیکن خون عثمان کے بارے
میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔ الخ

گویا مراسلہ ہذا کے ذریعے مسئلہ واضح ہو گیا کہ :-

(1) اہل صفین (حضرت معاویہؓ و جماعت معاویہؓ) کا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا اور
ان کی جماعت کا اختلاف مذہبی نہ تھا بلکہ دونوں فریق کا مذہب ایک تھا دونوں جماعتیں مسلمان
و مومن تھیں اور دونوں کی دعوت دینی ایک تھی۔

(2) تصدیق ایمانی میں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے فائق نہیں تھا دونوں
یکساں اور برابر تھے اور دونوں کامل الایمان تھے کوئی ناقص الایمان نہ تھا۔

(3) صرف ایک سیاسی مسئلہ باعث اختلاف تھا یعنی دم عثمانؓ کے معاملہ میں باہمی
وقتی نزاع درپیش تھا اس میں آپ نے فرمایا ہم خون عثمانؓ سے بری ہیں۔

مراسلہ ہذا کے ذریعہ بہت سے شبہات خود بخود مرتفع ہو جاتے ہیں۔ تاہم ان تمہیدی
اشیاء کے بعد اب اصل مباحث چند عنوانات کی صورت میں پیش خدمت ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں

(۱)

اظہار تاسف

واقعہ ہذا پر اکابرین حضراتؓ کی جانب سے اظہار تاسف پایا جاتا ہے۔ یہ قتال ان حضرات کے درمیان ضرور واقع ہوا ہے لیکن کئی غلط فہمیاں حائل تھیں جن کی بنا پر غیر اختیاری حالات پیدا ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی۔ یہ حضرات اس واقعہ پر نہایت کبیدہ خاطر اور نادم تھے اور اس کے وقوع پر ہر دو فریق نہایت متاسف و محزون تھے۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایات اس نوع کی کبار علماء نے نقل کی ہیں۔ ایک موقعہ پر جناب امام حسنؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے یوم صفین میں سنا آپ فرماتے تھے۔

(۱) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیت امی لم تلدنی ولیت انی مت قبل هذا بعشرین سنة

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے پریشانی کے عالم میں فرمایا کاش کہ مجھے میری ماں نے جنم نہ دیا ہوتا اور کاش کہ میں اس روز سے قبل فوت ہو گیا ہوتا۔[۲]

اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر یوم صفین میں جب آپ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو فیصلہ کرنے کے لیے اپنی جانب سے حکم تجویز کر کے روانہ کرنے کا قصد فرمایا تو اس مقام پر حضرت

۱۔ التاریخ الکبیر للامام البخاری ص ۲۸۶ ج ۲ قسم ثانی طبع دکن۔

۲۔ کتاب السنۃ للامام احمد ص ۱۹۲ طبع اول مکہ مکرمہ۔

علی المرتضیٰؓ کی ایک اضطرابی کیفیت علماء نے نقل کی ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہؒ نے اس واقعہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

(۲) ..... عن سلیمان بن مھران قال حدثنی من سمع علیاً یوم صفین وھو عاض علی شفتیہ لو علمت ان الامر یکون ھکذا ما خرجت، اذھب یا ابا موسیٰ فاحکم ولو حز عنقی۔ ۱؎

یعنی سلیمان بن مہران کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے موقع پر خود حضرت علی المرتضیٰؓ سے سنا تھا۔ اس وقت آپ کی اضطرابی کیفیت یہ تھی کہ آپ اپنے لب مبارک کو زیر دندان کرتے تھے اور فرماتے اگر اس معاملہ کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں تک پہنچے گا تو میں اس کے لیے خروج ہی نہ کرتا۔

حضرت ابو موسیٰؓ کے حق میں فرمان دیا کہ آپ تشریف لے جائیں اور فیصلہ کریں اگرچہ اس میں مجھے خسارہ ہو۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کا اسی طرح کا ایک فرمان کتاب الآثار میں امام ابو یوسف نے نقل فرمایا ہے اور اس میں بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو اپنی جانب سے حکم مقرر فرماتے ہوئے کہا کہ: "خلصنی منھا ولو بحز رقبتی" ۲؎

جس کا مفہوم یہ ہے کہ "مجھے اس معاملہ سے نجات دلایئے خواہ مجھے اس میں نقصان اٹھانا پڑے۔"

یہ طریق فرامین اظہار ندامت کے طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ سے صادر ہوئے ہیں جیسا کہ بیان

۱؎ (۱) المصنف لابن ابی شیبہ (قلمی) جلد [illegible] ص [illegible] کتاب الجمل۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ طبع کراچی جلد ۱۵ روایت ۱۹۶۹۹ تحت کتاب الجمل۔

۲؎ کتاب الآثار امام ابی یوسفؒ ص ۲۱۶ روایت ۹۴۹ طبع بیروت (لبنان)

حضرات کے تقویٰ اور دیانت اور خشیۃ الٰہی کے غلبہ پر محمول ہیں نہ کہ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد اس پر ندامت پر دلالت نہیں کرتے۔

نیز سطور بالا فرامین علویؓ کا محمل اور موقف جو تجویز کیا گیا ہے بعینہٖ اسی نوع کی اضطرابی کیفیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بعض اوقات طاری ہوتی تھی اور آں موصوفہ بھی واقعہ جمل پر اظہار تأسف اور گریہ فرماتی تھیں تو وہ کسی جرم کے ارتکاب کی تلافی پر ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کا یہ فعل کمال اتقا اور خشیت ربی کے غلبہ کی بنا پر تھا۔ اس چیز کو قبل ازیں بعد از جمل کے مباحث (بعض شبہات اور ان کا ازالہ) میں نقل کیا گیا ہے۔

(۲)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں نے اس مقام میں یہ طعن قائم کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دونوں فریق کے باہم قتال ذاتی عناد اور جماعتی عداوت کی بنا پر واقع ہوئے۔ ان حضرات کے درمیان دیرینہ عداوت تھی اور ایک دوسرے کے خلاف ان کے سینے کینہ و بغض سے پر تھے اور دنیاوی اغراض ان کے پیش نظر تھیں اس بنا پر انہوں نے یہ جمل و صفین کی جنگیں لڑیں اور ملت اسلامیہ میں عظیم فساد قائم کر دیا۔

ازالہ

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں ہم چند امور پیش کرتے ہیں ان پر نظر غائر فرمالیں ان شاء اللہ تعالیٰ شبہات بالا دور ہو جائیں گے صرف انصاف شرط ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول حضرت علی المرتضیٰؓ کے چند فرامین اور ان کی جماعت کے اکابر حضرات کے اس موقعہ کے فرمودات ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔

اور اس کے بعد فریق ثانی کی طرف سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی جو اپنی جگہ پر اس شبہ

کے ازالہ کا باعث ہوں گی۔

اوّل: سیدنا علی المرتضیٰؓ ایک شخص کے جواب میں جو آپ کے مقابلین کے حق میں غلو کرتے ہوئے ان کی طرف کفر کی نسبت کر رہا تھا یعنی سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلین کو کافر کہہ رہا تھا تنبیہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ ایسا مت کہو بلکہ ان کے حق میں کلمہ خیر ہی کہو۔ تحقیق ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی۔ اور ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا آپس میں کفر اور اسلام کا اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی جماعتیں دینی الگ الگ ہیں بات صرف اتنی ہے کہ انہوں نے گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف تجاوز کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے حقوق سے تجاوز کیا ہے اس نقطہ نظر پر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔

(۱) ۔۔۔۔۔۔ حدثنا ابو زرعة عن جعفر بن محمد عن ابيه قال سمع علیؓ يوم الجمل او يوم صفين رجلاً يغلو في القول يقول بكفر۔ قال لا تقولوا فانهم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا۔ [1]

(۲) ۔۔۔۔۔۔ قال اسحٰق بن راهويه حدثنا ابو نعيم حدثنا سفيان عن جعفر بن محمد عن ابيه قال سمع علیؓ يوم الجمل او يوم صفين رجلاً يغلو في القول فقال لا تقولوا الا خيرا انما هم قوم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم [2]

---

[1] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۲۴۹ ج ۱ طبع دمشق۔

[2] منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۶۱ ج ۳ تحت الکلام ولما قال سلمت ان الشیعہ
(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں بھی سوال حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہے کہ کیا اہلِ بغاوت (جمل و صفین والے) مشرک ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ لوگ تو شرک سے فرار کر کے مسلمان ہوئے یہ کیسے مشرک ہیں؟ پھر سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ منافق ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (یہ لوگ تو کثرت سے ذکر کرنے والے ہیں) پھر سوال کیا گیا کہ پھر ان کا کیا حکم ہے اور یہ لوگ کس درجہ میں ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے خلاف انہوں نے بغاوت کی ہے [1]

مسئلہ ہذا پر شیعہ کی طرف سے تائید

(۱) اور شیعہ اکابر نے اپنے ائمہ کرام سے حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ فرمان بعبارت ذیل نقل کیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

...... جعفر عن ابیه (محمد باقر) ان علیاً علیه السلام لم یکن ینسب احداً من اهل حربه الی الشرک ولا الی النفاق ولکن یقول هم اخواننا بغوا علینا۔ [2]

یعنی جعفر صادق حضرت محمد باقر سے حضرت علیؓ کا نظریہ نقل کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ اپنے محاربین کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے لیکن یوں فرماتے تھے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ۔

(بقیہ حاشیہ) امر بالاستغفار لاصحاب محمد..... الخ

(۳) المنتقیٰ للذہبی ص ۳۴۳ ۔

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۱ ج ۱۵ قلمی پر ص ۲۵۲ (باب الجمل)

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۸۲ ج ۸ کتاب قتال اہل البغی

(۳) الجامع للاحکام القرآن للقرطبی ص ۳۲۳ ج ۱۶ تحت آیت فاصلحوا بین اخویکم (سورۃ حجرات)

[2] قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری الشیعی ص ۴۵ طبع قدیم۔

(۲) اسی طرح امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ:

۔۔۔۔۔ جعفر عن ابیہ ان علیاً علیہ السلام کان یقول لاھل حربہ انا لم نقاتلھم علی التکفیر لھم ولم نقاتلھم علی التکفیر لنا۔ ولکنا رأینا انا علی حق ورأوا انھم علی حق۔[1]

مطلب یہ ہے کہ حضرت امام محمد جعفر صادق امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے مقابلین کے حق میں فرماتے تھے کہ ہم ان سے ان کی تکفیر کی بنا پر قتال نہیں کر رہے اور نہ ہی اس سے اس وجہ سے قتال کر رہے ہیں کہ وہ ہماری تکفیر کرتے ہیں (یہ بات نہیں) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ حق پر ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان کا اور ہمارا قتال کفر و اسلام کی وجہ سے نہیں بلکہ حق ہونے اور ناحق ہونے پر ہے۔

گزشتہ اوراق میں ہر ایک فریق کا اپنا اپنا موقف گزر چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے اصرار تھا کہ پہلے بیعت خلافت تمام کی جائے بعد میں مطالبات (قصاص وغیرہ) پیش کیے جائیں۔

فریق مقابل (حضرت معاویہؓ اور ان کے ہم نوا احباب) کا مطالبہ تھا کہ خلیفہ شہیدؓ کے قصاص کا مسئلہ اہم ہے اس کو پہلے حل کیا جائے مفسدین آپ کے گروہ میں موجود ہیں۔ اس لیے پہلے انہیں پکڑیں اس کے بعد بیعت ہوگی۔

دوم : اسی طرح ایک دوسرا واقعہ اس موقع میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت میں پیش آیا۔ ایک دن حضرت علی المرتضیٰؓ اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے تھے تو اس وقت ایک شخص عدی بن حاتم طائی بھی آپ کے ہمراہ تھا انہوں نے بنی طے کے ایک

---

[1] قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری ص ۴۵ طبع ایران

مقتول کو دیکھا جس کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت نے قتل کر ڈالا تھا تو عدی بن حاتم کہنے لگا کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ یہ بیچارہ کل مسلمان تھا اور آج کافر مرا پڑا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ کلام سن کر فرمایا کہ ایسا نہ کہو یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔

(۱) ۔۔۔۔۔ عن اسحاق بن ابراهيم قال خرج علي بن ابي طالب ذات يوم ومعه عدي بن حاتم الطائی فاذا رجل من طيء قتيل قد قتله اصحاب علی فقال عدي يا ويح هذا كان امس مسلماً واليوم كافراً فقال علیؓ مهلاً كان امس مؤمناً وهو اليوم مؤمن۔[1]

(۲) ایک دیگر مقام میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت نے آنجنابؓ سے اصحاب معاویہؓ کے مقتولین کے متعلق سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن ہیں (ان پر کفر کا اطلاق درست نہیں)

۔۔۔۔۔ محمد بن راشد عن مكحول ان اصحاب عليؓ سألوه عمن قتلوا من اصحاب معاويةؓ (وفي رواية سئل عن من قتل بصفين) ما هم؟ قال هم المؤمنون۔[2]

---

[1] (۱) تاریخ لابن عساکر کامل ص[illegible] جلد اول طبع دمشق۔
(۲) تلخیص ابن عساکر لابن بدران ص[illegible] جلد اول۔

[2] (۱) تاریخ لابن عساکر کامل ص[illegible] جلد اول۔
(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص۶۱ جلد ۳۔
(۳) المنتقی للذہبی ص[illegible] طبع مصر

سوم : نیز اس مقام میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا قول اپنے مقابلین اہل شام کے حق میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ : ایک شخص نے اہل شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اور ان کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمارؓ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبی ایک ہیں ان کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے یعنی ہم دونوں فریق اہل اسلام میں سے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو کر امر حق سے متجاوز ہو چکے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

۔۔۔ عن زیاد بن الحارث قال کنت الی جنب عمار بن یاسرؓ بصفین ورکبتی تمس رکبته فقال رجل کفر اهل الشام فقال عمار لا تقولوا ذلك نبینا ونبیهم واحد وقبلتنا وقبلتهم واحدة ولکنهم قوم مفتونون جاروا عن الحق فحق علینا ان نقاتلهم حتی یرجعوا الیه۔ له

مندرجہ بالا چیزیں نقل انہیں ہم نے اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی حصہ اول ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۵ تک سیدنا معاویہؓ کے حالات میں ذکر کی ہیں اور یہاں کچھ مزید حوالے اضافہ شدہ ہیں اور عنوانات دوسرے طریق سے مرتب کئے ہیں۔ یہ ایک فریق کے متعلق چیزیں نقل کی ہیں۔ آئندہ سطور میں فریق مقابل کی چند چیزیں درج کی جاتی ہیں۔

له (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۰ ج ۱۵ طبع جدید کراچی روایت نمبر ۱۹۷۸۸ تحت کتاب الجمل۔

(۲) منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۶۱-۶۲ ج ۳۔

(۳) فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۴۷ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن۔ طبع قدیم مصر۔

فریق مقابل کے متعلق حضرت امیر معاویہؓ کے تأثرات

ذیل میں چند چیزیں ایسی ذکر کی جاتی ہیں جو اس بات پر قوی قرائن ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان یہ قتال اور نزاعات بنا بر عناد نہیں تھے بلکہ اپنے اپنے نظریات کے تحت یہ امور صادر ہوئے لیکن جانبین ایک دوسرے کے حق میں نیک نیت تھے ان میں کوئی گروہی عداوت قائم نہیں تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کے حق میں کینہ نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً :-

① مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب ابو درداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ہر دو فریق کے درمیان رفع نزاع کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت معاویہؓ نے ان دونوں بزرگوں کو فرمایا تھا کہ :-

"قاتلین عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں نزاع ہے اور ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی جماعت میں پناہ لے رکھی ہے۔ حضرت علیؓ ان سے اگر قصاص دلا دیں تو اہل الشام میں سے پہلا شخص ہوں گا جو حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کروں گا۔"

"...... فسولاله خليفة ان امن قتلة عثمان ثم
انا اول من بايعه من اهل الشام"[1]

یہ مسئلہ قبل ازیں اپنے مقام میں ذکر ہو چکا ہے تاہم یہاں ایک دوسرے مقصد کے لیے درج کیا گیا۔

② نیز علماء نے اسی نوعیت کا ایک دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ

---

[1] البدایہ صفحہ ۲۵۹ ج۷ تحت سنہ ۳۷ھ۔

اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان قتال جاری تھا اور واقعہ تحکیم تک نوبت نہیں پہنچی تھی تو شاہ روم نے ان جنگی حالات پر نظر کرتے ہوئے اہل اسلام پر حملہ کر دینے کی تیاری کی اور موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں پر حملے کے لیے ایک عظیم لشکر بھیجا۔

ادھر حضرت معاویہؓ کو شاہ روم کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ روم کو خط لکھا کہ:

۔۔۔۔۔ والله لئن لم تنته وترجع الی بلادك یا لعین لاصطلحن انا وابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك ولاضیقن علیك الارض بما رحبت فعند ذلك خاف ملك الروم وانكف وبعث یطلب الهدنة[1]

یعنی حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اگر تو اس اقدام سے نہیں رکے گا اور اپنے بلاد کی طرف واپس نہیں لوٹ جائے گا تو اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے تیرے خلاف باہم صلح کر لیں گے اور میں تجھے تیری آبادیوں سے نکال دوں گا اور زمین کے فراخ ہونے کے باوجود تم پر اسے تنگ کر دوں گا۔

تو اس کے بعد بادشاہ روم نے خوف کھایا اور اپنے اقدام سے رک گیا اور قاصد بھیج کر صلح کا طلب گار ہوا۔

② اسی طرح ایک اور واقعہ مقصد مذکور پر دلالت کرتا ہے یہ واقعہ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد کا ہے تاہم مقصد کے لیے مفید ہے یعنی ایک فریق کے دوسرے کے حق میں نظریات واضح ہوتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضرت معاویہؓ کی خدمت میں موصول ہوئی تو حضرت معاویہؓ بے ساختہ گریہ کرنے لگے اور ان کی خوبیاں کے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۱۱۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ۔

پاس موجود تھیں وہ دیکھنے لگیں کہ آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے ہیں اور اب رونے لگے ہیں تو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی اہلیہ پر کلمہ ترحم کہنے کے بعد یوں فرمایا کہ تو نہیں جانتی کہ اہلِ اسلام کا فضیلت، فقہ اور علم میں کس قدر نقصان ہوا ہے اور کیسی گراں قدر ہستی سے قوم محروم ہو گئی۔

...... فلما جاء خبر قتل علیؓ الی معاویة جعل یبکی فقالت له امرأته أتبکیه وقد کنت تقاتله؟ فقال لها ویحک: انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم الخ[1]

(۲) اب ایک اور واقعہ مذکورہ مسئلہ کی تائید میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ ضرار الصدائی کا واقعہ ہے جو شیعہ علماء نے بھی تفصیل سے لکھا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاص ساتھی لوگوں میں سے ضرار الصدائی ایک شخص تھا حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ علی المرتضیٰؓ کے آپ اوصاف بیان کریں۔ تو وہ کہنے لگا کہ اگر آپ اس مسئلہ سے مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ضرور بیان کرے۔ پس ضرار نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اوصاف بیان کرنا شروع کیے۔ حضرت معاویہؓ سن کر رونے لگے حتیٰ کہ آنسوؤں سے ان کی ریش مبارک تر ہو گئی۔

...... وکان ضرار من اصحابه (علی) علیه السلام قد دخل علی معاویة بعد موته فقال: صف لی علیاً فقال او تعفینی عن ذالک فقال واللہ لتصفنه فتکلم

---

[1] البدایہ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ وذکر شیئ من ایامہ ودولتہ۔

بعد الفصل فبكى معاوية حتى اخضلت لحيته۔ [1]

ضرار الصدائی کا یہ واقعہ استیعاب لابن عبد البر وغیرہ میں اہل السنۃ کے ہاں بھی دستیاب ہوتا ہے۔ [2]

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ سابقہ سطور میں دونوں فریق کی جانب سے چند ایک چیزیں نقل کی ہیں اور اسی نوع کے واقعات مزید بھی تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں اس بات پر قرائن ہیں کہ ان ہر دو حضرات (حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ) کے درمیان مذکورہ جنگ و جدال جو واقع ہوئے ہیں وہ بنا بر عناد اور فساد نہیں تھے بلکہ صرف غلط تعبیروں پر مبنی تھے (جیسا کہ اس بحث کی ابتداء میں ہم نے ذکر کیا ہے) اور وقتی مسائل کے تحت اپنے نظریات کے موافق واقع ہوئے اور ختم ہو گئے۔

لیکن صاحب عناد لوگوں اور زائغین عن الحق ناقلین نے ان چیزوں کو دوامی کینہ و عداوت کی شکل دینے کی مذموم کوشش کی ہے۔

اب اس بحث کے آخر میں علماء سیرت، محدثین اور مؤرخین کے دو اقوال ذکر کیے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلہ واضح ہوتا ہے اور وارد کردہ شبہ دفع ہو جاتا ہے۔

(۱) ...... فيما كان بينهم من الفتن كموقعة صفين بين علي و معاوية رضي الله عنهم احسن التاويلات والمحامل

---

[1] (۱) درّہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۳۰۶ طبع ایران (قدیم طبع)۔ (قدیم)

(۲) شرح نہج البلاغہ لابن میثم البحرانی ص ۴۶۷ ج ۵ طبع تہران۔ (قدیم)

(۳) شرح نہج البلاغہ معتزلی طبع بیروت ص ۳۲ ج ۴ ص ۳۲۵ تحت ذکر من ضرار بن حمزہ

اقبال المعاویۃ عنہ منحولہ علی معاویہ۔

[2] الاستیعاب لابن عبد البر ص ۴۴ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب۔

لا انما امور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض النفسانية

ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة"[1]

یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے دور فتن میں جو واقعات پیش آئے تھے ان کے لیے عمدہ تاویل اور بہتر محمل قائم کیا جاتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات ان کے اجتہاد کی بنا پر ان سے صادر ہوگئے تھے۔ کسی نفسانی اغراض کی خاطر اور دنیاوی طمع و حرص کے لیے نہیں واقع ہوئے تھے جیسا کہ جاہل جہول لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔

(۳) مشہور مؤرخ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"۔۔۔۔ ولما وقعت الفتنة بين عليؓ ومعاوية وهي مقتضى العصبية كان طريقهم فيها الحق والاجتهاد ولم يكونوا في محاربتهم لغرض دنيوي او لايثار باطل او لاستشعار حقد كما قد يتوهمه متوهم وينزع اليه ملحد"[2]

یعنی جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان فتنہ واقع ہوا اور یہ عصبیت کا مقتضی تھا تو ان کا طریقہ اس معاملہ میں تلاش حق کی خاطر تھا اور بطور اجتہاد تھا۔ اور دنیاوی غرض کے لیے ان کے درمیان یہ محاربات نہیں تھے اور کسی باطل چیز کو ترجیح دینے کے لیے بھی نہیں تھے اور نہ ہی کینہ و بغض کی بنا پر تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو اس بات کا وہم ہوا ہے اور ملحد اس کو باطل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء شہاب الدین الخفاجی ج [illegible] تحت فصل ومن توقیرہ وبرہ توقیر اصحابہ الخ (مطبوعہ مطبع عثمانیہ ترکی)۔

[2] المقدمہ ابن خلدون ص [illegible] تحت انقلاب الخلافۃ الی الملک (طبع بیروت)۔

(۲)

"لعن وسبِ اہلِ شام سے منع"

فریقِ مقابل کے حق میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات میں مزید چند چیزیں قابلِ ذکر ہیں جو اکابر علماء اور مؤرخین نے تحریر کی ہیں وہ یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

مثلاً حضرت علیؓ کی خدمت میں اپنے مقابلین اہل الشام کا جب بھی تذکرہ ہوتا تو ان کے حق میں آنجنابؓ سب وشتم اور طعن کرنے سے لوگوں کو منع فرماتے اور اس کی وضاحت میں ارشاد فرماتے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اہلِ شام میں چالیس ابدال ہوں گے۔ جب ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا قائم مقام ابدال بھیج دیتے ہیں ان کی برکات سے اللہ تعالیٰ بارشیں بھیجتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور اہلِ شام سے عذاب پھیر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ مسند احمدؒ میں مروی ہے کہ:

(۱) ۔۔۔۔۔۔ حدثنی شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه وهو بالعراق فقالوا العنهم یا امیر المؤمنین. قال لا انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وهم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدل الله مکانه رجلاً یسقی بهم الغیث وینتصر بهم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بهم العذاب[1] [2]

---

[1] (۱) مسند احمد ص ۱۱۲ جلد اول تحت مسندات علیؓ

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۲ باب ذکر الیمن والشام۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(۲) اسی طرح جب یوم صفین میں ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ! اہل شام پر لعنت کر اور جناب مرتضیٰؓ کو علم ہوا تو آنجنابؓ نے ارشاد فرمایا کہ "اہل شام کو سب و شتم مت کرو۔ تحقیق شام میں بدال ہیں، ابدال ہیں، ابدال ہیں۔

"۔۔۔۔۔۔ عن عبد اللہ بن صفوان قال قال رجل یوم صفین اللّٰھم العن اھل الشام فقال علیؓ: لا تسب اھل الشام جما غفیراً فان بھا الابدال، فان بھا الابدال فان بھا الابدال"[1]

(۳) ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں منع سب کا ایک مستقل باب ذکر کیا ہے جس میں اس مسئلہ پر بہت سی باسند روایات درج کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت پیش خدمت ہے:

"۔۔۔۔۔۔ عن الحارث بن حرمل عن علی بن ابی طالبؓ قال: لا تسبوا اھل الشام، فان فیھم الابدال"

اور کنز العمال میں ہے کہ:

"یا اھل العراق: لا تسبوا اھل الشام فان فیھم الابدال"[2]

بقیہ حاشیہ (۲) تہذیب و تخلیص ابن عساکر لابن بدران ص ۵۹ جلد اول تحت ان بالشام یکون الابدال۔

[1] (۱) المصنف عبد الرزاق ص ۲۴۹ ج ۱۱ باب الشام

(۲) دلائل النبوۃ ص ۴۴۹ ج [illegible] تحت ما جاء فی خبرہ بملک معاویۃؓ (للبیہقی)

(۳) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص ۱۳۰ ج ۸ باب معاویۃ بن ابی سفیان وملکہ الخ

[2] (۱) تاریخ ابن عساکر کامل ص ۲۹۶ ج اول (طبع مجلس علمی دمشق) تحت باب النھی عن سب اھل الشام۔

(۲) کنز العمال ص ۲۸۴ ج ۶ قدیم طبع۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ (بحوالہ ابن عساکر)

یعنی حارث بن حرمل حضرت علی المرتضیٰؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آنجنابؓ نے فرمایا اے اہل عراق! اہل شام کو سب وشتم مت کرو بتحقیق ان میں ابدال ہیں۔

کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں ہم نے یہ روایات درج کی ہیں یہاں صفین کے معاملات کو صاف کرنے کے لیے یہ مضمون ہیں اس لیے ان کا اعادہ مفید سمجھا گیا ہے

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت علی المرتضیٰؓ کے کلام میں موجود ہے کہ صفین کے مقام میں آنجنابؓ نے اپنے ساتھیوں سے سنا کہ وہ جنگ صفین کے ایام میں اہل شام کو سب وشتم ولعن طعن کرنے لگے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لیے سب ولعان ناپسند کرتا جانتا ہوں لیکن اگر تم لوگ ان کے اعمال اور احوال کو ذکر کرو تو یہ اچھی بات اور درست قول ہوگا اور عذر قابل قبول ہوگا۔ نیز سب وشتم کی بجائے آپ لوگوں کو ان کے حق میں یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم کو اور ان کو خونریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی اصلاح کی صورت پیدا فرما دے اور راستے سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت نصیب فرما۔ حتیٰ کہ ناواقف آدمی حق بات کو پہچان لے اور جھگڑنے سے باز آجائے جو اس میں حریص بنے ہوئے ہے۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں یہ مضمون بعبارت ذیل مذکور ہے۔

—— ومن كلام له عليه السلام وقد سمع قوماً من أصحابه يسبون أهل الشام أيام حربهم بصفين إني أكره لكم أن تكونوا سبابين ولكنكم لو وصفتم أعمالهم وذكرتم حالهم كان أصوب في القول وأبلغ في العذر وقلتم مكان سبكم إياهم

اللّٰھم احقن دماءنا و دماءھم و اصلح ذات بیننا و بینھم

و اھدھم من ضلالتھم حتّی یعرف الحق من جھلہ

و یرعوی عن الغیّ و العدوان من لھج بہ [1]

(۲) ۔ اسی طرح احمد بن داؤد ابو حنیفہ الدینوری الشیعی مؤرخ نے اپنی کتاب الاخبار الطوال میں یہی فرمان مرتضوی مفصل طور پر ذکر کیا ہے جس میں حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے سے جناب مرتضیٰؓ نے منع فرمایا ہے اور اصلاح ذات البین کی ہدایت کی ہے اور ان کے حق میں دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ [2]

اتنی چیز ذکر کر دینا مناسب ہے کہ یہ فرمودات علوی قبل ازیں کتاب مسئلہ اقربا نوازی حصہ اول صفحہ ۔۔۔ پر بھی درج کئے گئے تھے لیکن یہاں ان مباحث میں ان کا اعادہ مفید ہے اور خصوصاً یہاں بعض ضروری چیزوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے ۔

(۳)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

مخالفین کی جانب سے یہاں ایک یہ اعتراض بھی قائم کیا جاتا ہے جس کے ازالہ کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے ۔

سوال یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی جماعت کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت پر سب و شتم اور لعن طعن کی بعض روایات کتابوں میں موجود ہیں۔

اور گزشتہ سطور میں آپ نے فرامین علوی میں جو حضرات قول لعن و طعن اور سب و شتم

---

[1] نہج البلاغۃ ص ۳۲۳ جلد اول تحت من کلام لہ علیہ السلام فی النہی عن سب اھل الشام ۔ طبع مصر۔

[2] الاخبار الطوال للدینوری الشیعی ص ۱۶۵ تحت وقعۃ الصفین ۔ طبع مصر۔

سے منع کے ذکر کئے ہیں ۔ تو پھر ان میں تعارض کے رفع کی کیا صورت ہوگی ؟ اور اس کا ازالہ کس طرح کیا جائے گا ؟

الجواب

اس کے متعلق ذیل میں چند ضروری گزارشات درج کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اشتباہ مذکور زائل ہو جائے گا۔

اوّلاً : یہ چیز قابل ذکر ہے کہ جن روایات میں حضرت علیؓ کے فریق مقابل (حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت) کو سب وشتم اور طعن کیا گیا ہے وہ روایات از روئے قواعد فن درست نہیں ان کے راوی اور ناقلین مجروح اور مردود الروایت ہیں مثال کے طور پر اس نوع کی روایات کے راوی ابو مخنف (لوط بن یحییٰ) ابو جناب کلبی (یحییٰ بن ابی حیہ) اور ہشام بن محمد بن السائب الکلبی وغیرہ وغیرہ ناقلین طعن ہیں اور یہ لوگ علماء رجال کے نزدیک کذاب، مجروح، مفتری اور شیعہ امامیہ ہیں ۔

اور روایت میں اپنی طرف سے ملاوٹ اور آمیزش کرنے والے اور دروغ گوئی سے کام لینے والے ہیں ۔ ان کی تشریح مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ فرمائیں نیز دیگر رجال کی کتب کی طرف بھی توجہ کریں تسلی ہو جائے گی ۔

۱ - میزان الاعتدال للذہبی ——— تحت یحییٰ بن ابی حیہ
۲ - میزان الاعتدال للذہبی ——— تحت ہشام بن محمد بن السائب الکلبی
۳ - میزان الاعتدال للذہبی ——— تحت لوط بن یحییٰ (ابی مخنف)
۴ - المغنی فی الضعفاء للذہبی ——— تحت ہشام بن محمد بن السائب الکلبی
۵ - کتاب المجروحین لابن حبان تحت یحییٰ بن ابی حیہ ——— (ابو جناب الکلبی)

دوم : یہ بات ہے کہ سب وشتم بین الفریقین کی جو روایات پائی جاتی ہیں اولاً تو باعتبار سند کے صحیح نہیں بلکہ مجروح و مقدوح ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا ہے ۔

ثانیاً اگر ان میں سے بعض سند کے اعتبار سے صحیح ہوں تو وہ محکم اور واضح روایات کی روشنی میں قابل تاویل ہوں گی اور اگر ان میں تاویل نہ ہو سکتی ہو تو وہ ان نصوص کے جن میں صحابہ کرام کی عظمت وصداقت ثابت ہے خلاف ہوں گی۔ لہٰذا وہ متروک اور ناقابل اعتبار ہوں گی۔

اور نیز حضرت علی المرتضیٰؓ سے جب لعن وطعن عدم ثابت ہے تو محکم روایات کی روشنی میں ان متشابہ روایات سے اعراض کیا جائے گا اور وہ ہرگز لائق التفات نہ ہوں گی۔ یہ اصول یاد رکھیں۔

قاعدہ

۔۔۔۔ واذا اختلف قول امام اخذنا منه بما یوافق الادلة الظاهرة ویعرض عما خالفها۔

۱۔ الزواجر لابن حجر مکیؒ ص۸ ج اول تحت کبیرہ نمبر اول۔

۲۔ فتاویٰ شامی صفحہ ۳۰۱ جلد ۳ باب المرتد طبع قدیم۔

یعنی جب امام کے کسی کلام میں اختلاف پایا جائے تو وہ بات جو ادلۃ ظاہرۃ کے موافق ہو گی وہ اختیار کی جائے گی اور جو اس کے خلاف ہو گی اس سے اعراض کیا جائے گا۔

لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے لعن وطعن اور سب وشتم کی مذکورہ روایات قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہوں گی۔

ملحوظہ: نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات کلام میں الفاظ تو سب وشتم کے پائے جاتے ہیں لیکن ان سے مراد گالی گلوچ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات باہمی درشت کلامی، حق گوئی اور تلخ نوائی کو روایت کرنے والے سب وشتم سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسے موقع میں صرف فریق مخالف کے عیوب کی نشان دہی کرنا اور دوسرے کی رائے کا تخطیہ اور اپنی رائے کو درست ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی بعض دفعہ کلام مذکورہ بالا معانی اور مفاہیم کی صورت میں ہوتا ہے لیکن ناقل اسی کو سب وشتم اور لعن طعن سے تعبیر کر دیتا ہے۔

بالفرض والتقدیر کہیں روایات میں سب وشتم اور لعن طعن پایا بھی جائے تو اس
کے مقابل ان روایات پر بھی نظر ڈالنے کی اشد ضرورت ہے جن روایات میں سب وشتم اور
لعن وطعن سے منع کیا گیا ہے۔ پھر ان متقابل روایات میں درج ذیل قاعدہ کے مطابق تطبیق
اور ترجیح قائم کی جائے گی۔

قاعدہ

۔۔۔۔ والمحرم مقدم علی المبیح (یعنی اذا اجتمعا)

مطلب یہ ہے کہ جب حرام کرنے والی چیز اور مباح کرنے والی چیز باہم متقابل پائی جائے
تو حرام کرنے والی چیز کو مباح کرنے والی چیز پر ترجیح دی جاتی ہے۔

فلہذا سب وشتم اور لعن وطعن سے منع کرنے والی روایات کو اپنی متقابل اباحت کی
روایات پر ترجیح قائم ہوگی۔

چہارم: اب اس مرحلہ میں ایک چیز قابل تشریح باقی ہے وہ یہ ہے کہ بعض روایات
میں پایا جاتا ہے کہ ہر دو فریق سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ نمازوں میں ایک دوسرے
پر بددعا کرتے تھے۔

اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح ہو تو یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہاں ایام کا واقعہ ہے جس
ایام میں باہمی قتال شروع تھا اور جنگ کے موقعہ پر یہ چیز مورخین نے نقل کی ہے۔ تو یہ
ایک وقتی مسئلہ تھا نہ کہ دائمی۔

نیز ہر ایک فریق اپنے شرعی حق اور اپنے اجتہاد صادق کی بنا پر دوسرے فریق کے حق
میں یہ کلمات کہنا جائز سمجھتا تھا۔ ہر ایک فریق کی مجتہدانہ حیثیت تھی۔ اپنی اجتہادی فکر کی
بنا پر قنوت نازلہ پڑھی پھر موقعہ گزر جانے کے بعد اس فعل کو ترک کر دیا لیکن ناقلین واقعہ نے
کلام کی تعبیر اس شکل میں کر دی گویا یہ فعل دواماً ہوتا رہا ہو حالانکہ یہ فعل دائمی نہ تھا بلکہ ایک
وقتی فعل تھا جو موقعہ گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

قرینہ

اس پر قرینہ یہ ہے کہ ان روایات میں " سبّ معاویہ" کے الفاظ پائے جاتے ہیں جو اپنی جگہ اس فعل کو وقتی اور عارضی قرار دیتے ہیں اور اس کے دائمی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس چیز کو بالدوام قرار دینا حقیقت کے برعکس اور واقعات کے برخلاف ہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ پیش کردہ روایات باعتبار عدم صحت کے قابل توجہ نہیں ہیں۔ (جن میں سبّ و شتم پایا جاتا ہے) اگر بالفرض درست بھی ہوں تو مذکورہ بالا قواعد کی رو سے وہ قابل عمل و قابل اعتماد نہیں۔ اور جو واقعہ وقتی طور پر پیش آیا تھا اور موقعہ گزرنے کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس کو دوامی فعل قرار دینا صحیح نہیں۔ اب اہل شام کو سبّ کرنے سے منع کی روایات ہیں وہ اپنی جگہ پر صحیح ہیں اور اہل اسلام کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی تعلیم یہی ہے کہ اہل شام اور دیگر اہل شام کو سبّ و شتم نہ کیا جائے اور برائی سے یاد نہ کیا جائے۔ بلکہ خیر سے ذکر کیا جائے۔

نیز اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا آپس میں تعلق باوجود فرق مراتب کے برادرانہ رہا ہے اور باہم برادر حضرات اگر بعض اوقات ایک دوسرے کے ساتھ سخت کلامی کر دیں۔ تو یہ کوئی عجیب بات نہیں لیکن ایک اجنبی شخص کو ان حضرات کے حق میں طعن و تشنیع کرنے یا بدگوئی کرنے کا ہرگز کوئی جواز نہیں پہنچتا۔

ثم ... وبالجملة اذا وقع بينهم الطعن باللسان فالطعن باللسان يسهل منه الا انه لا يجوز لغيرهم والاخوان يتسابون ولا يجوز للاجنبي سب بعضهم[1]

---

[1] الناهية عن طعن امير المؤمنين معاوية از مولانا عبد العزيز صاحب پرہاروی ص ۳۳ طبع ملتان

خیالات ہیں جو اہل علم کے مناسب ہیں۔ اور اس روایت کے متعلق بعض مباحث دیگر بھی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اگر سیر معاویہؓ کے سلسلہ میں کچھ ابحاث مرتب کرنے کی توفیق ہوئی تو ان کو وہاں درج کیا جائے گا۔

اولاً یہ گزارش ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی حروب و قتال یہ اپنی اپنی جگہ پر بنا بر تاویل واجتہاد تھے اگرچہ بعض ان میں اپنے تاویل و اجتہاد میں حق پر تھے اور بعض اس تاویل میں خطا پر تھے۔ اور جن کی تاویل صحیح اور فکری رائے درست ہوئی وہ دوہرے اجر کے مستحق ہیں اور دوسرے فریق ایک اجر کے لائق ہیں۔

چنانچہ یہ قاعدہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا اجتهد الحاكم فاصاب فله اجران واذا اجتهد فاخطأ فله اجر" [1]

یعنی جو حاکم اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اجتہاد کرے اور خطا پر ہے اس کے لیے ایک اجر ہے۔

اسی مسئلہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بعبارت ذیل تحریر کیا ہے۔

۔۔۔۔ والظن بالصحابة في تلك الحروب، انهم كانوا فيها متأولين وللمجتهد المخطئ اجر واذا ثبت هذا في حق آحاد الناس فثبوته للصحابة بالطريق الاولى [2]

یعنی صحابہ کرامؓ کے باہمی قتال کے متعلق گمان یہی ہے کہ وہ لوگ ان حروب میں متأول

---

[1] ابوداؤد ص ۱۴۶ ج ۲ بحوالہ صحیح بخاری۔

[2] الاصابہ لابن حجر العسقلانی ص ۱۵۱ ج ۴ تحت ابن الغادیہ۔

(۳) نصب الرایۃ للزیلعی ص ۶۹ جلد رابع کتاب السیر تحت حدیث الخامس۔

تھے اور مجتہد مخطی کے لیے ایک اجر ہوتا ہے جب یہ بات عام لوگوں کے لیے ثابت ہے تو
صحابہ کرامؓ کے لیے اس کا ثبوت بطریق اولیٰ درست ہے۔

دوم: روایت مندرجہ بالا کی رو سے حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت پر بغاوت
کا اطلاق پایا جاتا ہے مگر اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ اس فعل سے ان کی تکفیر لازم نہیں
آتی جیسا کہ مخالفین امیر معاویہ نے اس سے طعن تکفیر مرتب کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

..... ولا يلزم من تسمية اصحاب معاويةؓ بغاة
تكفيرهم كما يحاوله جهلة الفرقة الضالة من
الشيعة وغيرهم لانهم وان كانوا بغاة في نفس
الامر فانهم كانوا مجتهدين فيما تعاطوه من القتال
وليس كل مجتهد مصيباً بل المصيب له اجران و المخطئ
له اجر ۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ اصحاب معاویہؓ کے حق میں بغاوت کے اطلاق سے ان کی تکفیر لازم
نہیں آتی جیسا کہ شیعہ کے جاہل فرقے نے اس چیز کی کوشش کی ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ یہ لوگ
نفس الامر میں باغی ہوں تو بھی یہ اپنے قتال میں مجتہد ہیں۔ اور ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا
مجتہد مصیب کے لیے دو اجر اور مخطی مجتہد کے لیے ایک اجر ہوتا ہے۔

اور علماء نے اس مقام میں یہ چیز بھی بالصراحت درج کی ہے کہ اہل سنت والجماعت
اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ امام برحق تھے ان کے خلاف جس نے

---

[1] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۱۸ ج ۷ تحت فصل بناء مسجد الشریف (نبوی)
(۲) البدایہ ص ۲۷۹ جلد سابع تحت خروج الخوارج۔
(۳) البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہؓ۔

خروج کیا ہے وہ ان کا خروج بنا بر اجتہاد ہے اور وہ ان کے حق میں معاف ہے۔

۱؎ ۔۔۔۔ بل اهل السنة اجمعوا على ان من خرج على علي كرم الله وجهه خارج على الامام الحق الا انه البغي الاجتهادي معفو عنه۔

سوم : اس مقام پر کبار علماء نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ باغی کے افعال و احکام موجب فسق نہیں ہیں۔ اور اس پر اکابر علماء نے دلائل پیش کئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ باغی کی شہادت اور گواہی بالاتفاق عند الشرع مقبول ہے۔

۲۔ باغی کی طرف سے جنگ کرنا، نماز جمعہ، نماز عید اور قضا کے لیے قاضی متعین کرنا وغیرہ وغیرہ کے تصرفات شرعاً درست اور صحیح ہیں۔ اور باغی اپنے افعال میں متأول ہے۔ باغیوں کی خطا کبائر میں شمار نہیں کی جاتی۔ لہٰذا اس پر فسق کا اطلاق نہیں ہوتا۔
چنانچہ ابو الشکور السالمی نے اس مسئلہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

۲؎ ۔۔۔۔ وقال: ان الباغي لا يفسق لان شهادته مقبولة بالاتفاق ولئن قالوا ان الباغي على الباطل في دعواه قلنا لان حد الباغي ان يدعي الامارة مع شبهة الدعوى وكان لهم شبهة الدعوى تأولوا في ذلك واخطأوا في تأويلهم وخطأهم ما كان من الكبائر في الدين حتى يوجب الفسق او الكفر ۔۔۔۔ ولانه يجوز الصلوة والجمعة والعيد وتولية القضاء وغير ذلك من الولاية من جهة الباغي دل انه ما كان فاسقاً۔ ؎

۱؎ الناهية عن طعن امير المومنين معاویة ، مولانا عبد العزیز پرہاروی ص۲۸ تحت جواب الرابع طبع ملتان۔

۲؎ کتاب التمہید لابی الشکور السالمی ص۱۶۵، ۱۶۶ تحت القول السابع طبع حزب الاحناف لاہور۔

(۲) اسی طرح سعد الدین علامہ تفتازانیؒ نے شرح مقاصد میں اہل صفین کے متعلق تصریح کر دی ہے کہ:

"۔۔۔۔ ولیسوا کفارا ولا فسقة ولا ظلمة لما لھم من التاویل وان کان باطلا فغایة الامر انھم اخطؤا فی الاجتھاد وذالک لا یوجب التفسیق فضلا عن التکفیر ولھذا منع علیؓ اصحابہ من لعن اھل الشام وقال اخواننا بغوا علینا۔" [1]

(۳) نیز ملا علی قاریؒ نے اس بحث میں صفین والوں کے حق میں اس مسئلہ کو اسی طرح ذکر کیا ہے کہ:

"۔۔۔۔ ثم کان معاویة مخطئا الا انہ فعل ما فعل عن تاویل فلم یصر بہ فاسقا۔" [2]

(۴) حضرت امام ربانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اس مسئلہ میں فسق کا قول کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"۔۔۔۔۔ کتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتہادی کما صرح بہ الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرھما۔ پس تفسیق وتضلیل در حق محاربان حضرت امیر علی جائز نباشد ۔۔۔ الخ"

---

[1] شرح مقاصد علامہ سعد الدین تفتازانی ج ۲ ص ۳۰۶ تحت بحث سابع طبع استنبول۔

[2] شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۷۱ طبع مجتبائی دہلی۔

[3] (۱) مکتوبات امام ربانی ص ۲۴۳، ۲۴۲ جلد اول دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۵۱ طبع قدیم لکھنؤ۔
طبع جدید لاہور ص ۱۰۲ حصہ چہارم دفتر ششم نور کمپنی لاہور۔

(۲) مکتوبات امام ربانی ص ۸۳ تا ص ۸۵ جلد ثانی مکتوب ۳۶ بنام خان خاناں طبع قدیم لکھنؤ۔

⑤ اسی طرح امام غزالیؒ نے اس مقام پر "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں ناصحانہ کلام فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ:

۔۔۔۔ والظن بمعاویۃ انہ کان علی تاویل وظن فیما کان یتعاطاہ وما یحکی سوی ہذا من روایات الآحاد فالصحیح منہ مختلط بالباطل والاختلاف اکثرہ اختراعات الروافض والخوارج وارباب الفضول الخائضون فی ہذہ الفنون الخ

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص۔۔۔ طبع مصر، الباب الثالث فی الامامۃ۔

مختصر یہ ہے کہ اکابر علماء کی مذکورہ عبارات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ میں قتال کرنے والے یعنی حضرت امیر معاویہؓ و ان کی جماعت اس قتال کی وجہ سے نہ کافر ہیں اور نہ فاسق ہیں اور نہ ہی گمراہ ہیں اور جو کچھ ان سے صادر ہوا ہے وہ بنا بر ظن و تاویل کے ہے لہٰذا حضرت معاویہؓ جمہور علماء سلفاً و خلفاً کے نزدیک معذور ہیں اور قابل طعن و مذمت نہیں۔

حدیث مذکورہ "الفئۃ الباغیۃ" ولہذا ان تمام اکابر علماء امت کے سامنے ہے اور اس کی روشنی میں ان حضرات کے یہ فرمودات ہیں جو ہم نے نقل کیے ہیں

لہٰذا مسئلہ ہذا کے سلسلہ میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت کو مورد طعن نہ بنایا جائے اور ان کے حق میں سباب و مطاعن تیار نہ کئے جائیں۔ اور جن بعض متکلمین مثلاً شارح مواقف وغیرہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ و ان کی جماعت کے حق میں تفسیق کا قول ذکر کیا ہے وہ درست نہیں اور تفسیق کا یہ قول تحقیق ہونے سے معلوم ہوا ہے کہ جمہور معتزلہ کا مذہب ہے چنانچہ کتاب جامع الاصول من احادیث رسول لابن اثیر الجزری میں یہ مسئلہ بعبارت ذیل دستیاب ہے۔ انہوں نے اس کو نقل کرنے کے بعد اس کا رد بھی تحریر کیا ہے بقدر ضرورت اہل علم کے لیے عبارت نقل کی جاتی ہے۔

۔۔۔۔ وذہب جمہور المعتزلۃ الی ان عائشۃؓ و

وطلحة و الزبیرؓ و معاویةؓ وجمیع اهل العراق والشام

فساق بقتالهم الامام الحق، یعنون علیاً کرم الله وجهه[1]

پھر آگے چل کر علامہ ابن اثیر الجزری نے اس قول کا بایں طور رد پیش کیا ہے:

"۔۔۔۔ وکل هذا جرأة علی السلف بمخالفة السنة، فان

ما جری بینهم کان مبنیاً علی الاجتهاد، وکل مجتهد

مصیب، والمصیب واحد مثاب والمخطی معذور لاترد

شهادته"[2]

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے مقابلہ میں قتال کرنے والے حضرات کو فاسق قرار دینا جمہور معتزلہ کا مذہب ہے اور اہل سنت والجماعت کا یہ قول نہیں۔

اور ابن اثیر نے اس تفسیق کے قول کے جواب میں واضح کر دیا ہے کہ یہ بات سلف صالحین کے خلاف جرأت کرنے کے مترادف ہے اور سنت طریقہ کے مخالف ہے۔

اس لیے کہ جو کچھ ان حضرات کے درمیان واقع ہوا وہ مبنی علی الاجتہاد تھا اور ہر مجتہد مصیب ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن مصیب ایک ہی ہوتا ہے اور دوسرا مخطی معذور ہوتا ہے۔ اور اس کی شہادت رد نہیں کی جاتی۔

نیز حافظ ابن کثیرؒ نے "الباعث الحثیث" میں یہی مسئلہ بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

"۔۔۔۔۔ وقول المعتزلة الصحابة عدول الا من قاتل

---

[1] جامع الاصول من احادیث رسول الله لابن اثیر الجزری ص[illegible] ج۱ تحت الفرع الثالث فی بیان طبقات المجروحین۔

[2] جامع الاصول من احادیث رسول الله لابن اثیر الجزری ص[illegible] ج۱ تحت الفرع الثالث فی بیان طبقات المجروحین۔

منتخب ہو گئے تھے اور اسی بنا پر اس سال کو "عام الجماعۃ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔
چنانچہ اس چیز کو صاحب "الصواعق المحرقہ" نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

...... فی الحسن ثبوت الخلافة لمعاوية من حينئذ وانه بعد ذالك خليفة حق وامام صدق۔[1]

اور چند سطور کے بعد اس مسئلہ کو بعبارت دیگر تحریر کیا ہے کہ:

...... علمنا انه بعد نزول الحسن له خليفة حق و امام صدق۔[2]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسنؓ کے بیعت کر لینے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی "خلافت صحیح" ہے اور وہ "خلیفہ برحق" ہیں۔ اور اہل اسلام کے لیے "امام صادق" ہیں۔

ان حالات میں حضرت معاویہؓ کے خلیفہ برحق اور امام صادق منتخب ہو جانے کے بعد ان کے حق میں "طاغی و باغی" ہونے کا قول کرنا حقیقت واقعہ کے برخلاف ہے اور اس دور کے تمام صحابہ کرامؓ اور تمام ہاشمی حضرات کے متفقہ فیصلہ کی تغلیط کرنا ہے نیز اس دور کے منافرات اور تنازعات جو اکابرین امت نے ختم کر دیئے تھے اور "اتحاد بین المسلمین" کی جو صورت قائم کر دی تھی اس کو پارہ پارہ کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ مزید برآں یہ چیز حقیقت واقعہ کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ "اتفاق بین المسلمین" میں رخنہ اندازی کی قبیح تدبیر ہے اور صحابہ کرامؓ کے حق میں بدگوئی نشر کرنے اور ائمہ کبار کے خلاف منافرت پھیلانے کا نیا انداز ہے اللہ تعالیٰ ایسے اشخاص کو ہدایت

---

[1] الصواعق المحرقة مع تطهير الجنان ص۲۱۳ تحت الخاتمة في بيان الاعتقاد اهل السنة في الصحابة ...... الخ

[2] الصواعق المحرقة مع تطهير الجنان ص۲۱۳ تحت الخاتمة في باب الاعتقاد اهل السنة في الصحابة ...... الخ

نصیب فرمائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ صلح و مصالحت کے بعد حضرت معاویہؓ نہ باغی ہیں نہ طاغی ہیں، نہ فاسق ہیں، نہ جابر ہیں نہ ظالم ہیں، بلکہ اہل اسلام کے لیے برحق خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین ہیں اور امام صادق ہیں۔

تنبیہ: مندرجہ بالا امور میں سے بعض کے حوالہ جات قبل ازیں کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" میں ذکر کر دیئے تھے لیکن یہاں بعض اہم امور کا اضافہ کیا گیا ہے اس وجہ سے امید ہے کہ قارئین کرام اس سے سود مند پائیں گے۔

(۷)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ ایک اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ جمل و صفین میں جو قتال اکابر صحابہ کرامؓ میں واقع ہوئے ہیں بظاہر یہ قرآن مجید کی آیت (جس میں صحابہ کرامؓ کی صفت "رحماء بینھم" وارد ہے) کے برخلاف ہیں اور ان کا یہ عمل آیت مذکورہ کے مفہوم کے متعارض ہے حالانکہ یہ حضرات بالیقین قرآن مجید کے عامل اور حامل تھے۔

ازالہ

اعتراض ہذا کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر بنظر انصاف غور کر لینے سے مسئلہ ہذا حل ہو جائے گا۔ اور اعتراض پوری طرح زائل ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۱)

اس مقام میں مسئلہ ہذا کی تفہیم کے لیے اہل علم یہ قاعدہ بیان کیا کرتے ہیں کہ جب کسی جماعت یا گروہ کی تعریف کی جاتی ہے یا ان کے اوصاف اور احوال ذکر کیے جاتے ہیں تو ان کا

بیان کرنا ایک عمومی حیثیت سے مقصود ہوتا ہے۔ اور وہاں غالب احوال کے اعتبار سے اوصاف کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کا عمومی طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔

پھر اگر وہاں اس کا وجودی طور پر خلاف پایا جائے یا اس جماعت کے بعض افراد سے بعض اوقات کوئی اس کے متعارض چیز صادر ہو جائے تو وہ اس حکم کلی اور قاعدہ عمومی کے خلاف تصور نہیں ہوتی۔

مختصر یہ ہے کہ کسی موجودی کا کسی امر کلی کے متعارض پایا جانا اہل فہم کے نزدیک قادح نہیں سمجھا جاتا۔

(۲)

دوسری یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات ہر دو فریق میں اختلافات رونما ہوتے ہیں اور قتال تک نوبت پہنچی ہے تاہم ان سے رحمت کی صفت بالکل مفقود نہیں ہوتی اور شان شفقت بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔

یہ دونوں فریق نیک نیتی کے ساتھ اپنے فریق کو حق بجانب خیال کرتے ہوئے دوسرے فریق سے محارب ہوئے تھے لیکن ذاتی عداوتوں اور نفسانی اغراض کے لیے برسر پیکار نہیں ہوئے تھے۔ اس چیز پر قرائن موجود ہیں:

① کسی فریق نے دوسرے فریق کے ایمان کا انکار نہیں کیا اور ان کو بے دین قرار نہیں دیا۔ نیز ایک فریق نے دوسرے فریق کے فضائل اور دینی کارناموں کا انکار تک نہیں کیا۔

② اسی طرح کوئی فریق دوسرے فریق کو ذلیل و رسوا کرنے کے درپے نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ اپنے مقابل کو قید نہیں کیا۔ مال غنیمت نہیں لوٹا ان کی خواتین کی بے حرمتی نہیں کی۔ اور ان کے کسی زخمی کو مزید زخمی نہیں کیا۔

(۳)

جمل و صفین کے واقعات میں ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا تھا اور اجتہاداً یعنی

دوسرے فریق کے ساتھ مناقشہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک حق شرعی کی خاطر فریق مخالف کے ساتھ تشدد پر آمادہ تھے اور یہ چیز "رحماء بینھم" کے مفہوم کے خلاف نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ایک امر دینی اور اپنے شرعی حق کو قائم رکھنے کے لیے بعض اوقات شدت اختیار کی جاتی ہے جیسے اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور صحابہ کرامؓ کے ادوار میں پیش آئے۔ باوجودیکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور مومنوں پر رؤف الرحیم ہیں اور صحابہ کرامؓ میں انما المؤمنون اخوۃ کی صفت موجود ہونے کے باوجود اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات رونما ہوتے۔ اور کبار صحابہؓ کے درمیان بعض دینی مسائل اور معاشرتی معاملات میں اختلافات پیش آتے رہے۔

پھر ان حضرات کے باہم شاکی ہونے کی نوعیت اسی قسم کی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو مومنین کے بعض اعمال پر غصہ آتا ہے۔ اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے برے اعمال پر ناراض ہوتے ہیں۔ یا ماں کو اپنی اولاد کے افعال بد پر بعض دفعہ ناراضگی ہوتی ہے۔ حالانکہ ان سب میں رحمت اور شفقت کی صفت موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود غیظ و غضب بھی پایا جاتا ہے یعنی ان امور کی روشنی میں مسئلہ بالا حل کیا جا سکتا ہے۔

(۴)

اس مقام میں بعض علماء کرام مثلاً شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے موضح القرآن میں ایک عمدہ چیز تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آوے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ"

اس قول کی روشنی میں مشاجرات اور نزاع بین الصحابہؓ کا مسئلہ بہتر طریق سے سمجھا جا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان حضرات نے سختی کی جگہ پر سختی اختیار کی ہے اور نرمی کے مقام

میں نرمی اختیار کی۔ پس اس طریقہ سے ان کے یہ افعال آیت کے خلاف نہیں ہیں۔

(۵)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو منازعات جاری ہوئے ان کا درجہ اسی طور پر ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان ماجرا پیش آیا۔ اس بات کے باوجود یہ لوگ حدِ ولایت اور نبوت سے خارج نہیں ہوئے۔

اسی طرح جو کچھ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافی واقعات پیش آئے وہ بھی اسی درجہ میں ہیں۔

(۱) ۔۔۔ قال ابن فورك ومن اصحابنا من قال ان سبيل ما جرت بين الصحابة من المنازعات كسبيل ما جرى بين اخوة يوسف مع يوسف، ثم انهم لم يخرجوا بذلك عن حد الولاية والنبوة فكذلك الامر فيما جرى بين الصحابة۔ [1]

(۲)۔ اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں پایا جاتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام میں ایک مسئلہ پر اختلاف رائے ہوا اور اس پر تنازع پیش آیا حتیٰ کہ سر کے بال کشید کرنے اور دست بگریبان ہونے تک نوبت پہنچی۔

یہ تنازع دشمنی کی بنا پر وقوع نہیں ہوا اور اس واقعہ کو کوئی بھی عداوت پر محمول نہیں کرتا۔

(۳)۔ اسی طرح باپ کا بیٹے کو تادیب و تنبیہ کی خاطر زدوکوب کرنے کے واقعات محبت اور شفقت پدری کے خلاف نہیں سمجھے جاتے نیز جراح اور ڈاکٹر (سرجن) کا نشتر لگانا حتیٰ کہ بعض اعضاء کا کاٹ دینا اور مریض کو تکلیف پہنچانا مریض کے حق میں رحمت اور شفقت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

---

[1] تفسیر القرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت آیت وان طائفتان من المؤمنین ۔۔۔۔ الخ (الحجرات)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین منازعات کے ان واقعات کو مذکورہ تمثیلات اور تشبیہات کی روشنی میں اہل فہم حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں اور ان واقعات کے لیے آیت "رحماء بینھم" کے درمیان تطبیق پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

مذکورہ بالا چند چیزیں مسئلہ ہذا کو قریب الی الفہم کرنے کے لیے پیش کر دی گئی ہیں ورنہ اہل علم و فکر حضرات پر یہ مسئلہ کوئی مخفی و پوشیدہ امر نہیں۔

(۷)

جمل و صفین کے مقتولین سے حسن معاملہ

ماقبل میں اپنے متابعین کے حق میں حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے اکابر رفقاء کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں، اب فریق مقابل کے مقتولین کے ساتھ جو حسن سلوک روا رکھا گیا اس کے بعض واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ مؤرخین نے یہ چیز لکھی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جس طرح اپنی جماعت کے مقتولین پر نماز جنازہ ادا فرمائی اسی طرح اپنے مخالف فریق کے قتلی پر بھی نماز جنازہ ادا کی۔ ان لوگوں میں اہل بصرہ، اہل کوفہ اور مکہ و مدینہ کے بعض قریش میں سے بعض حضرات شامل تھے مطلب یہ ہے کہ جنازہ کے معاملہ میں کوئی تفریق نہیں کی گئی بلا امتیاز سب پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور ایک عظیم قبر میں اعضاء مقطوعہ کو حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمان سے دفن کر دیا گیا۔

سیف بن عمرو ضبی لکھتے ہیں کہ :

"۔۔۔ وصلی علی قتلاھم من اھل البصرۃ، وعلی قتلاھم من اھل الکوفۃ وصلی علی قریش من ھؤلاء وھؤلاء فکانوا مدنیین ومکیین ودفن علیؓ الاطراف فی قبر عظیم ۔"[1]

---

[1] الفتنۃ ووقعۃ الجمل ص[illegible] تحت دفن القتلی وتوجیہ علیؓ علیھما۔

نیز اسی طرح جب امیر معاویہؓ کی جماعت کے کچھ زخمی افراد کو سیدنا اس
احباب نے اسیر بنا لیا اور ان میں سے بعض کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف
سے ان کو غسل اور کفن دیا گیا اور ان پر نماز (جنازہ) پڑھی گئی۔

چنانچہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ :

۔۔۔۔۔ قال عقبة بن علقمة اليشكري شهدت مع عليؓ
يوم صفين فأتي بخمسة عشر أسيرا من أصحاب معاوية
فكان من مات منهم غسله وكفنه وصلى عليه [1]

(۸)

صفین کے قتلی جنتی ہیں

نعیم ابن ابی ہند ایک بزرگ ہیں جو اپنے چچا سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں وہ اس طرح ہے کہ ان کے چچا کہتے ہیں کہ میں صفین میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ تھا نماز کا وقت ہو گیا تو ہم نے نماز کے لیے اذان کہی اور فریق مقابل نے بھی اپنی جگہ پر نماز کے لیے اذان دی۔ ہم نے بھی (جماعت کے لیے) اقامت کہی انہوں نے نماز ادا کی ہم نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ہم لوگوں کے سامنے یہ منظر تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان مقتولین صفین پڑے تھے اس منظر کو دیکھ کر میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

ما تقول في قتلانا وقتلاهم؟ فقال من قتل منا ومنهم
يريد وجه الله والدار الآخرة دخل الجنة [2]

---

[1] تلخیص تاریخ لابن عساکر لابن بدران ص [illegible] جلد اول باب ما ورد من اقوال المنصفين
فيمن قتل من اهل الشام بصفين۔

[2] السنن سعید بن منصور ص [illegible] القسم الثانی من المجلد الثالث روایت ۲۹۶۸ طبع مجلس علمی کراچی۔

ے مقتولین کے حق میں آپ کا کیا ارشاد ہے ؟ تو جناب

اور نگر آخرت کے ارادہ پہ ہم دونوں فریق میں سے مقتول

بنا پر قتل ہونے والے فریق میں سے شہید ہیں اور جنت میں

جائیں گے یہ سب ... جنگ نہیں صرف اختلاف رائے پر جنگ ہوئی ہے اور اس میں

غرض فاسد نہیں ہے۔

اسی نوع کی ایک دیگر روایت کبار علماء نے باسند نقل کی ہے اس میں بھی یہی مسئلہ درج

ہے کہ جناب علی المرتضیٰ سے صفین کے قتل کے متعلق حکم دریافت کیا گیا تو آنجناب نے واشگاف

الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ "قتلانا وقتلاهم في الجنة" سلہ

یعنی ہمارے مقتولین اور ان کے قتلیٰ دونوں فریق جنت میں جائیں گے۔

مندرجات بالا کے ذریعہ واضح ہوگیا کہ ان حضرات کے درمیان تحاسد و تعاند کی بنا پر

واقعات نہیں پیش آئے جہاں حسد و عناد دونوں جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ وہاں اس نوع

کے عمدہ مکالمات اور حسن معاملات مفقود ہوتے ہیں۔

اسی طرح اس مضمون کو علامہ الشعبیؒ نے اپنی عبارت میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے :

قال الشعبي : هم اهل الجنة لقي بعضهم بعضاً فلم

يفر احد من احد ۔ سلہ

سلہ (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۰۳ ج ۱۵ تحت باب ما ذکر فی الصفین۔

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۳۵۷ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیانؓ بحوالہ طبرانی

(۳) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۹۳ ج ۳ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

(۴) کنز العمال لعلی متقی ہندی ص ۸۷ ج ۶ تحت وقعۃ الصفین طبع اول۔

سلہ البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۷ تحت امر قصہ تحکیم ۔ طبع اول

یعنی اہل صفین (جو) جنت میں سے ہیں ان کے بعض کا بعض کے ساتھ قتال ہوا ہے۔ لیکن کسی ایک نے بھی دوسرے سے فرار نہیں کیا۔ اور چونکہ ان کا قتال اخلاص کی بنا پر تھا (اور دل میں عناد نہیں رکھتے تھے) اس وجہ سے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں۔

تنبیہ : متعدد حوالہ جات میں سے بعض حوالے "مسئلہ اقربا نوازی" کے مسئلہ میں درج ہو چکے ہیں یہاں مزید اس مضمون میں اضافہ کیا گیا ہے۔

نیز یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ دونوں فریق کے قتلی کی مغفرت کے متعلق چند ایک بشارات بطریق خواب ان ابحاث کے آخر میں درج ہوں گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) قلیل انتظار فرمائیں۔

(۹)

اہلِ جمل و صفین کے متعلق چند فقہی احکام

جمل و صفین کے واقعات سے علماء سلف نے بعض فقہی احکام مرتب کیے ہیں۔ ان کی توضیح اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ دور نبوت میں کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگیں ہوئیں تو ان کے متعلق احکام اس دور میں معلوم ہو گئے۔ چنانچہ جب بعد میں کفار کے ساتھ قتال پیش آ گئے تو ان کے حق میں سابقاً تو اعد و احکام موجود تھے۔ لیکن جب اہل تاویل و اہل بغی کے ساتھ یعنی اہل اسلام میں باہمی احروب و قتال واقع ہو گئے۔ (مثلاً جنازہ، غسل، کفن و دفن اور فراہم شدہ مال وغیرہ) کے متعلق فقہی احکام قبل ازیں معلوم نہ تھے اور نہ مدون تھے اور نہ ہی ان کی کوئی مثال و نظیر سامنے تھی۔

جمل و صفین پیش آنے کے بعد ان واقعات کے ذریعے احکام ہذا معلوم ہوئے اور بعد کے علماء و فقہاء کرام نے باغیوں کے احکام یہیں سے حاصل کیے۔ گویا یہ جنگیں ان مسائل کی تشریح کے لیے ایک تکوینی مصلحت و حکمت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ابن جریر کلبیؒ نے تطہیر الجنان میں لکھا ہے کہ وقد صح عن الشافعیؒ انہ قال اخذت احکام البغاۃ والخوارج

من مثل ہذہ علی اہل الجمل وصفین والخوارج[1] اور صاحب الجامع لاحکام القرآن فاضل القرطبیؒ نے درج ذیل عبارت میں اس مسئلہ کو نقل کیا ہے کہ:

..... ان حکمۃ اللہ تعالیٰ فی حرب الصحابۃ التعریف منہم لاحکام قتال اہل التاویل اذ کان احکام قتال اہل الشرک قد عرفت علی لسان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وفعلہ[2]

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس موقع پر متعدد فرامین جاری کیے تھے قبل ازیں ان میں سے بعض فقہی احکام بطور استفادہ و عبرت کے درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جس شخص نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو ایذا نہ دی جائے اس پر امان ہے۔

۲۔ ہتھیار ڈال دینے والے پر امان ہے۔

۳۔ مدبر یعنی پیٹھ پھیر کر جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۴۔ اسیر یعنی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے۔

۶۔ مقتولین سے لباس و ہتھیار سلب نہ کیے جائیں۔

۷۔ مسلمان مرد کو غلام اور مسلمان عورت کو لونڈی نہ بنایا جائے۔

۸۔ کسی عورت کی پردہ دری نہ کی جائے یعنی اسے بطور لونڈی کے حلال تصور نہ کیا جائے۔

۹۔ شکست خوردہ لوگوں کے اموال کو مال غنیمت کا حکم نہ دیا جائے اور اس مال سے خمس نہ نکالا جائے۔

---

[1] تفسیر للقرطبی ص ۳۱۷ ج ۱۶ سورۃ الحجرات تحت آیۃ فاصلحوا بینہما بالعدل۔

[2] تطہیر الجنان واللسان لابن حجر مکی مع الصواعق المحرقۃ ص [illegible] در الفصل الثالث تحت تنبیہ طبع مصر

۱۰۔ جس مال کا مالک متعین طریق سے معلوم ہو جائے اسے مالک کی طرف لوٹا دیا جائے۔

یہ چند احکام بطور نمونہ کے درج کر دیئے ہیں۔

یہ احکام جو حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہیں ان کی اصل وہ فرمان نبوی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ ابن قدامہؒ نے المغنی میں اسے نقل کیا ہے۔

... عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

یا ابن ام عبد: ما حکم من بغی من امتی؟ فقلت: اللہ ورسولہ اعلم۔

فقال: لا یتبع مدبرھم ولا یجاز علی جریحھم ولا یقتل اسیرھم

ولا یقسم فیئھم الخ

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ سے فرمایا: جو میری امت سے بغاوت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ تو ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ان کے (جنگ سے) پشت پھیر کر بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے ان کے زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے اور ان کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور ان کے اموال کو فیٔ کا حکم دے کر تقسیم نہ کیا جائے۔

مندرجہ بالا فقہی احکامات کو محدثین و فقہاء و مؤرخین ذی کار علماء نے اپنی تصانیف میں بصراحت نقل کیا ہے یہ مسئلہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے اہل علم حضرات کو معلوم ہے۔ البتہ جن حضرات کو ان مسائل کی طرف توجہ نہیں ان کے اطمینان کے لیے مصنفین کی اصل عبارات میں سے چند ایک چیزیں پیش خدمت ہیں۔ دیگر باقی حوالہ جات کو حواشی میں ذکر کر دیا ہے۔ تمام عبارات بلفظہٖ نقل کرنے میں بے حد طوالت ہے۔

(۱) عن جعفر عن ابیہ ان علیاً امر منادیہ فنادی یوم البصرۃ۔

انہ لا یتبع مدبر ولا یذفف علی جریح ولا یقتل اسیر...

۱۔ المغنی لابن قدامہ جلد ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔

ومن اغلق بابه فهو آمن ومن القى سلاحه فهو آمن

ولا نأخذ من متاعهم شيئا"[1]

(۲) "عن الضحاك ان عليا لما هزم طلحة واصحابه امر مناديه

ان لا يقتل مقبل ولا مدبر ولا يفتح باب ولا يستحل

فرج ولا مال"[2]

(۳) "ثم قال: لا تتبعن من فرّ شيئا فما خذوه فلكم ...

خذوا ما كان في العسكر وغيره"[3]

(۴) "عن شقيق ابن سلمة ان عليا لم يسب يوم الجمل

ولم يقتل جريحا"[4]

نیز اسی طرح واقعہ صفین کے متعلق بھی احکام علماء نے باسند ذکر کیے ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ نے اور ابن سعد نے بعبارت ذیل یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔

"...... عن ابی امامة قال: شهدت صفين

فكانوا لا يجهزون على جريح ولا يطلبون موليا

ولا يسلبون قتيلا"[5]

---

[1] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۷۳ ج ۱۲ طبع کراچی۔ کتاب الجہاد روایت ۱۵۱۳۰۔

(۲) کتاب السنن لسعید بن منصور ص ۳۳۶ ج ۳ قسم ثانی تحت باب جامع الشہادۃ۔

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۶۳-۲۶۴ ج ۱۵ طبع کراچی۔ کتاب الجمل روایت ۱۹۴۲۵۔

(۲) کنز العمال ص ۸۳ ج ۶ کتاب الفتن من قسم الافعال (رجنی) روایت ۱۳۳۰۔

[3] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۰ ج ۱۵ طبع کراچی۔ کتاب الجمل روایت ۱۹۴۹۹۔

[4] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۲ ج ۱۵ طبع کراچی۔ کتاب الجمل۔

[5] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۱۲ طبع کراچی۔ کتاب الجہاد روایت ۱۵۱۴۸۔

یعنی ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے اپنی اپنی سند کے ساتھ ابو امامۃ الباھلی سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں واقعہ صفین میں حاضر تھا۔ اس میں زخمی کو مجروح نہیں کرتے تھے اور پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہیں کرتے تھے اور کسی مقتول کا لباس و ہتھیار نہیں سلب کرتے تھے۔

اس کے بعد مسئلہ ہذا کے متعلق فقہاء کرام اور دیگر مؤیدین علماء کے صرف حوالہ جات ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔ ارباب تحقیق رجوع فرما کر تسلی حاصل کر سکیں گے

۱۔ المبسوط للسرخسی ص۱۲۴ ج۱۰ (باب الخوارج)
۲۔ المبسوط للسرخسی ص۱۲۶ ج۱۰ باب الخوارج
۳۔ نصب الرایۃ للزیلعی ص۴۶۳ ج۳ کتاب السیر باب البغاۃ
۴۔ فتح القدیر ص۴۱۳ ج۴ باب البغاۃ طبع مصر قدیم
۵۔ فتح الباری ص۴۷ ج۱۳ (باب قصہ جمل)
۶۔ فتح الباری ص۴۲ ج۱۳ (باب واقعہ جمل)
۷۔ کنز العمال ص۸۳ ج۶ کتاب الفتن من قسم الافعال (جمل) روایت ۱۳۰۲ طبع اول دکن
۸۔ الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص۱۸۱ باب سیرۃ علی فیمن قاتل یوم الجمل
۹۔ تاریخ لابن جریر الطبری ص۴ ج۶ تحت سنہ ۳۷ھ

مذکورہ بالا احکامات جو جمل و صفین کے متعلق ذکر کیے گئے ہیں ان احکامات کو شیعہ کے کبار علماء نے بھی اسی نوعیت کے ساتھ درج کیا ہے۔ ہم صرف ان کے حوالہ جات درج کرتے ہیں عبارت درج کرنے میں طوالت ہوتی ہے۔ ناظرین کرام تسلی فرما دیں حوالہ جات پیش کردہ صحیح ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:

(۱) کتاب الطبقات لابن سعد ص۱۳۳ ج۷ قسم ۲ تحت ابی امامۃ الباھلی طبع اول لیڈن۔

جمل وصفین کے واقعات

اکابرین امت کی نظروں میں

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مابین جس دور میں باہمی محاربات و مشاجرات وقتی طور پر پیش آگئے ہیں اس دور کا نام "دور فتن" ہے اور اسے "اختلاف" کے ایام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ان نئے پیش آمدہ حالات کے احکام دیگر پر امن دور کے ایام سے کچھ مختلف ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ان مشاجرات میں دونوں فریق سے الگ اور غیر جانبدار رہی اور کسی فریق کے ساتھ حمایت نہیں کی۔ ان حضرات کو "قاعدین" اور "معتزلین" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :

"۔ ۔ ۔ وکان من الصحابۃ فریق لم یدخلوا فی شیئ من القتال" [1]

یعنی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو قتال اور جنگ و جدال کے ان واقعات میں کسی فریق کے ساتھ شامل نہیں ہوئی وہ الگ رہی ہے۔

قاعدین حضرات کا موقف : قاعدین حضرات کا موقف یہ تھا کہ بعض نصوص سے یہ مسئلہ وارد ہے کہ :

۱۔ مسلمانوں کے درمیان فتنہ وقتال کے ایام میں علیحدہ رہنا بہتر ہے۔

---

[1] الاصابۃ لابن حجر العسقلانیؒ ص ۵۰۱-۵۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ علی بن ابی طالبؓ۔

۳ - نیز اہل اسلام پر ہتھیار اٹھانے کے حق میں وعیدات وارد ہیں یہ بات بھی ان کے پیش نظر تھی

۴ - دیگر یہ چیز بھی اہل نظر و بصیرت کے سامنے تھی کہ اس فتنہ کے مفاسد اس کے مصالح پر غالب آنے جا رہے ہیں (اور ان کی اصلاح کی کوئی صورت سامنے نہیں آرہی) - اسی وجہ سے بھی ان امور سے اجتناب کرنا لازم ہے ۔

چنانچہ جناب ابو مسعودؓ کا نظریہ فتح الباری شرح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ :

① "۔۔۔۔ وکان ابو مسعودؓ علی رأی ابی موسیٰؓ فی الکف عن القتال تمسکا بالاحادیث الواردۃ فی ذلک وما فی حمل السلاح علی المسلم من الوعید"[1]

یعنی کف عن القتال کے معاملہ میں اور مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے مسئلہ میں وعید کی وجہ سے ابو مسعودؓ کا خیال وہی تھا جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا خیال تھا یعنی وہ ان امور میں عملاً حصہ نہیں لیتے تھے۔

اور شرح الطحاویہ میں مسئلہ ہذا اس طرح منقول ہے کہ :

② ۔۔۔۔ "وقعد عن القتال اکثر الاکابر لما سمعوہ من النصوص فی الامر بالقعود فی الفتنۃ"[2]

③ ۔۔۔۔ "ولما رأوہ من الفتنۃ التی تربو مفسدتھا علی مصلحتھا"[3]

قاعدین کے بعض اسماء

قاعدین حضرات کے اسماء علماء نے بہت سے ذکر کیے ہیں جنہوں نے ان قتال و مشاجرات میں عملی طور پر حصہ نہیں لیا اور کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا تھا ۔ ان میں سے چند ایک حضرات کے

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ص۴۹ ج۱۳ تحت باب نصر الجبل۔

[2][3] شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ ص۴۸۳ تحت بحث ۔ طبع مکتبہ الریاض۔

لوگوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تنازعات واختلافات کا ذکر کیا تو حضرت ابو سعیدؓ نے بڑا عمدہ نصیحت آمیز جواب فرمایا اور توقف کی تلقین کی۔

—— عن سعید بن یزید عن ابی نضرۃ قال ذکروا علیاً وعثمان وطلحۃ والزبیر عند ابی سعید فقال اقوام سبقت لہم سوابق واصابتہم فتنۃ فردوا امرہم الی اللہ۔[1]

یعنی فرمایا کہ یہ وہ جماعت ہیں کہ ان کے بہت نیک اعمال سابقاً ان سے صادر ہو چکے ہیں اب ان پر فتنہ اور ابتلا کا دور آپڑا ہے ان کا معاملہ خداوند کریم کے سپرد کر دیا جائے

(۲)

اسی طرح جلیل القدر تابعی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے عدل وانصاف میں ممتاز ومشہور ہیں، ان کی خدمت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کے اختلافات وتنازعات کا ذکر کسی دور کے بعض افراد نے کیا (جیسا کہ لوگ اپنی مجالس میں گذشتہ واقعات کا تجزیہ وتبصرہ کیا کرتے ہیں) تو ایسی صورت حالات کو دیکھ کر سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ نے ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمایا کہ:

... قال (محمد بن النضر) ذکروا اختلاف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم عند عمر بن عبد العزیز فقال امر اخرج اللہ ایدیکم منہ ما تُعملون السنتکم فیہ؟[2]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۵ ج ۱۵ طبع جدید کراچی روایت ۱۹۶۳۴

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۸۲ ج ۵ تحت عمر بن عبد العزیزؒ۔

یعنی یہ وہ معاملات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو روک رکھا ہے تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں خوض کرتے ہو؟

یعنی ان چیزوں میں تعبیہ زبان استعمال کر کے حصہ نہیں لینا چاہیے اور آخرت کی فکر کرنا چاہیے۔

(۳)

نیز اسی نوعیت کی ایک دوسری روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی صاحب طبقات نے نقل کی ہے اس روایت میں مذکور ہے کہ:

حضرت سیدنا علیؓ، حضرت سیدنا عثمانؓ نیز جمل و صفین کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق عمر بن عبدالعزیزؒ سے سوال کیا گیا تو خلیفہ عادل نے حقیقی انداز میں بہترین جواب دیا۔

... سئل عمر بن عبد العزیز عن علی و عثمانؓ و الجمل و صفین و ما کان بینهم . فقال تلک دماء کف اللہ یدی عنها و انا اکره ان اغمس لسانی فیها۔

فرمایا کہ یہ وہ خون ریزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو روک رکھا ہے تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنی زبان کو اس میں ڈبو دوں (اور استعمال کروں)

ان عبارات کے حق میں خلیفہ منصف کے یہ نصائح صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ ان واقعات میں عمومی طور پر زبان استعمال نہ کی جائے اور صحابہ کرامؓ کے معاملات میں حرف شکایت زبان پر نہ لایا جائے۔

مقصد یہ ہے کہ ان مسائل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اس میں خوض کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۲۹۴ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز۔

(۴)

علامہ القرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں مسئلہ "مشاجرات بین الصحابۃ" کے متعلق اکابرین امت کے اکابر اوران کی ہدایات نہایت عمدہ پیرائے میں درج کی ہیں ایک بزرگ "المحاسبیؒ" نے امام حسن بصریؒ سے یہ ارشادات نقل کیے ہیں۔ علامہ القرطبی لکھتے ہیں کہ :

"۔۔۔ وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم وغبنا، وعلموا وجهلنا، واجتمعوا فاتبعنا، واختلفوا فوقفنا. قال المحاسبي فنحن نقول كما قال الحسن، ونعلم ان القوم كانوا اعلم بما دخلوا فيه منا، ونتبع ما اجتمعوا عليه، ونقف عند ما اختلفوا فيه ولا نبتدع رأيا منا. ونعلم انهم اجتهدوا وأرادوا الله عز وجل، اذ كانوا غير متهمين في الدين ونسأل الله التوفيق" [1]

یعنی صحابہ کرامؓ کے باہمی قتال و مشاجرات کے حق میں حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا (یہ کیسے پیش آئے تھے ؟ ان کا کیا حکم ہے ؟ ہمیں ان امور میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے ؟ وغیرہ) تو حضرت حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

(۱) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرامؓ ان معاملات میں موجود و حاضر تھے ہم لوگ موجود نہ تھے بلکہ غائب تھے۔

(۲) (خلوائے واقعہ) صحابہ کرامؓ ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے ہم نہیں جانتے (کہ یہ واقعات کیسے اور کس طرح پیش آئے) ؟

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت آیت "وان طائفتان من المؤمنین ۔۔۔ الخ" (الحجرات)

(۶)

نیز علامہ قرطبیؒ نے صحابہ کے قتال کے حق میں یہ نصیحت کی ہے اور ساتھ دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک صحابی کے حق میں خطاء کو متعین طور پر نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لوگ ان قتال میں مجتہد کی حیثیت میں تھے اور اخلاص کی بنا پر ان سے یہ افعال صادر ہوئے تھے یہ تمام حضرات ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں جب ان کے باہمی اختلاف کے متعلق رکنے کے لیے ہم پابند ہیں حکم ہے کہ ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں برائی کے ساتھ ذکر نہ کریں۔

۱۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہے اور اس کا بہت بڑا احترام ہے۔

۲۔ دوسری یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سب کرنے سے ہمیں منع فرمایا۔

۳۔ تیسری یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں معاف فرما دی ہیں۔

۴۔ چوتھی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے حق میں رضامندی کی خبر دے رکھی ہے۔

لا یجوز ان ینسب الی احد من الصحابة خطأ مقطوع به اذ کانوا کلهم اجتهدوا فیما فعلوه واراد والله عز وجل وهم کلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالکف عما شجر بینهم والا نذکرهم الا باحسن الذکر لحرمة الصحبة ولنهی النبی صلی الله علیه وسلم عن سبهم وان الله غفر لهم واخبر بالرضا عنهم۔ [1]

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص۳۲۱ ج۱۶ طبع مصر تحت آیۃ وان طائفتان الخ

(۷)

مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سلسلہ میں اکابرین امت کے فرمودات ہم نے ایک تسلسل کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ ہم اس کے مطابق حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا فرمان نقل کرتے ہیں اس میں حضرت شیخؒ نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے مشاجرات کے حق میں کف لسان کرنے اور ان کے عیوب بیان کرنے سے رکنے پر اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہل سنت متفق ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے جس طریقے پر واقع ہوا حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلاف جاری ہوا ہے ان تمام چیزوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ ہر صاحب فضیلت والے کو اس کے لائق فضیلت دینا چاہیے۔

"۔۔۔۔۔۔ واتفق اهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم والامساك عن مساويهم واظهار فضائلهم ومحاسنهم وتسليم امرهم الى الله عز وجل على ما كان وجرى من اختلاف علي وطلحة والزبير وعائشة ومعاوية رضي الله عنهم على ما قدمنا بيانه واعطاء كل ذي فضل فضله الخ [1]

(۸)

منازعات و مشاجرات بین الصحابہؓ کے متعلق جس طرح ہم نے سابقاً اکابرین امت کے اقوال ذکر کئے ہیں اسی طرح اب اس مسئلہ کے اختتام پر حافظ ابن حجرؒ کا قول نقل کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے فتح الباری شرح بخاری شریف میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] غنیۃ الطالبین ص۱۶۲ مترجم للشیخ عبد القادر جیلانیؒ فصل و معتقد اہل السنت، طبع نولکشور لاہور۔

ابن حجر العسقلانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں جو تنازعات پیش آئے ان کی وجہ سے کسی ایک پر بھی طعن کرنے اور عیب لگانے سے اہل سنت والجماعت نے منع کیا ہے اور اس منع پر اہل سنت کا اتفاق ہے اگرچہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون حق پر تھے اور کون حق پر نہیں تھے وجہ یہ ہے کہ یہ حروب باہمی اجتہاد کی بنا پر تھے (عناد کی بناء پر نہ تھے) اور اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے والے کو معاف فرما دیا ہے بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجتہد مصیب کو دو اجر دیئے جاتے ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر دیا جاتا ہے۔

"۔۔۔۔ واتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذالك ولو عرف المحق منهم لانهم لم يقاتلوا في تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالى عن المخطئ في الاجتهاد - بل ثبت انه يوجر اجراً واحداً وان المصيب يوجر اجرين كما سياتي بيانه في كتاب الاحكام"[1]

یہ تمام فرمودات اپنے مفہوم میں واضح ہیں ان میں مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں ہے

- ماحصل یہ ہے کہ تنازعات صحابہ کرامؓ میں بطور نقد و تنقید حصہ لینے سے اکابرین امت نے منع فرمایا ہے اور کف لسان کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کر دینے کی نصیحت فرمائی ہے۔
- دوسروں کے ان معاملات میں حسن ظن رکھنے کا فرمان دیا ہے۔
- اس چیز پر بنیاد عقیدہ کی سلامتی منحصر ہے اور حفاظت دین و ایمان کے لیے اسلم طریق یہی ہے۔
- اسی طویل سمع خراشی سے مقصد یہ ہے کہ جمل و صفین والوں کے حق میں ہمارے نظریات سلف صالحین کے فرمودات کے موافق ہونے چاہئیں اور ہمارے تاثرات ان کے

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف ج ۱۳ ص ۳۴ کتاب الفتن (باب اذا التقی المسلمان بسیفیهما)

خلاف نہیں ہونے چاہییں۔

اب ہم اہلِ صفین کے حق میں دو بشارتیں بطریقِ خواب ذکر کرتے ہیں جو مسئلہ ہٰذا کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین کرام انہیں بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔

اہلِ صفین کے حق میں رؤیا صالحہ

(۱)

بشارت اولیٰ

گزشتہ صفحات میں اکابرینِ امت کی چند روایات پیش خدمت کی ہیں۔ اب ان کے آخر میں اہلِ صفین کے متعلق ہم رؤیا صالحہ یعنی عمدہ خواب ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کو اکابر محدثین و مؤرخین نے اپنی معتبر تصانیف میں ذکر کیا ہے اور یہ اہلِ صفین کے حق میں بشارت عظمیٰ ہے۔
علماء فرماتے ہیں کہ دلائلِ شرعیہ و روایاتِ تاریخی کی موجودگی میں اگرچہ اس کی چنداں حاجت نہیں ہے تاہم فطری طور پر رؤیائے صالحہ اور مبشرات صادقہ سے ایک قسم کا اطمینان اور سکونِ طبائع میں پیدا ہو جاتا ہے۔ بنا بریں ذیل میں اس واقعہ کے متعلق چند مبشرات صحیحہ درج کیے جاتے ہیں جنہیں کبار علماء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس کو ردّ نہیں کیا۔ یہ چیز عند العلماء قبولیت کی علامت ہے۔

ابو میسرہؒ کا خواب

تابعین میں ایک بزرگ عمرو بن شرحبیل ہیں جن کی کنیت ابو میسرہ ہے۔ یہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشہور تلامذہ اور ثقہ راوی ہیں۔ آپ بڑے ثقہ اور معتمد شخصیت ہیں۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو میسرہ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں

شریک جنگ تھے۔

ابو میسرہؒ فرماتے ہیں کہ اہل صفین کے معاملے کے متعلق میں پریشانی میں تھا اور میں ان دونوں فریق کے درمیان کوئی فیصلہ کن بات معلوم نہیں کر سکا تھا۔

میں اسی حالت میں مجھے ایک خواب میں دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہو کر اہل صفین کے پاس پہنچا ہوں۔ وہ ایک سرسبز باغ بہہ میں اور وہاں نہریں چل رہی ہیں۔ وہاں میں نے جنتیوں کے خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے خیمے ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ یہ خیمے ذوالکلاع اور حوشب کے لیے ہیں (یہ دونوں بزرگ حضرت معاویہؓ کی حمایت میں جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے)

اس کے بعد میں نے پوچھا کہ عمار بن یاسرؓ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ ان کا مقام اور قیام آگے ہے میں نے کہا یہ کیسے ہو گیا ان کو ان کے بعض نے بعض کو قتل کیا تھا؟ تو جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو واسع المغفرت پایا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کی مغفرت فرمادی ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ اہل نہروان کا کیا ہوا تو اس کے متعلق جواب تھا کہ وہ شدت اور سختی میں ڈال دیئے گئے۔

ابن ابی شیبہؒ نے اس واقعہ کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے۔

۱۔ ۔۔۔ ۔ عن ابی وائل قال رأى في المنام ابو ميسرة عمرو بن شرحبيل وكان افضل اصحاب عبد الله ابن مسعود قال رأيت كاني ادخلت الجنة فرأيت قباباً مضروبة فقلت لمن هذه؟ فقيل هذه لذي الكلاع وحوشب وكانا ممن قتل مع معاوية يوم صفين قال قلت واين عمار واصحابه؟ قال امامك قلت وكيف وقد قتل بعضهم بعضاً ؟

قال فضیل: فهو لعمر الله فوجدته واسع المغفرة، قال قلت: فما فعل أهل العراق؟ قال فضيل: نعوا عمرًا۔"[1]

ابو عمروؒ کے اس واقعہ خواب کو متعدد جید ذی علم محدثین، ومؤرخین نے اپنی اپنی عبارات کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کے صرف حوالہ جات نقل کرتے ہیں تاکہ اہل تحقیق رجوع فرما کر تسلی کر سکیں۔ تمام عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ان تمام حوالہ جات میں سب سے مفصل واقعہ سعید بن منصور نے ذکر کیا ہے۔

٢۔ طبقات لابن سعد (المتوفی ٢٣٠ھ) ص١٩٨، ١٩٩ ج٦ آخر ترجمہ عمار بن یاسر (طبع لیڈن)

٣۔ کتاب السنن لسعید بن منصور الخراسانی (المتوفی ٢٢٧ھ) ص٣٩٩ ج٢ باب جامع الشہادۃ (القسم الثانی) روایت ٢٩٥٥۔

٤۔ کتاب المعرفۃ والتاریخ ص٣١٣ ج٣ طبع بیروت از ابو یوسف یعقوب بن سفیان البسوی (المتوفی ٢٧٧ھ)

٥۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی (المتوفی ٤٣٠ھ) ص٢٠٣ ج٤ تحت عمرو بن شرحبیل۔

٦۔ السنن الکبریٰ للبیہقی (المتوفی ٤٥٨ھ) ص١٧٣ ج٨ تحت قتال اہل البغی طبع حیدرآباد دکن

٧۔ العبر للذہبی (المتوفی ٧٤٨ھ) ص٧٤ ج اول تحت سنہ ٦٣ھ طبع کویت۔

٨۔ مرآۃ الجنان للیافعی (المتوفی ٧٦٨ھ) ص١٤٣ جلد اول تحت سنہ ٦٣ھ۔

٩۔ الاصابہ لابن حجر العسقلانی ص٢٩٢ ج اول تحت حوشب ذو ظلیم (المتوفی ٨٥٢ھ)

تنبیہ

مذکورہ بالا علماء کرامؒ میں سے بعض حضرات نے اس اسناد کے صحیح ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ (المتوفی ٢٣٥ھ) ص٢٩٠-٢٩١ جلد ١٥ تحت روایت ١٩٦٩٠ تحت باب ما ذکر فی صفین، طبع کراچی۔

مثلاً حافظ ذہبی، یعقوب الفسوی، شیخ یاسین اور ابن حجر نے اس روایت کے اسناد کی صحت کی تصریح کی ہے بنابریں ہاں تمام حضرات نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے لیکن کسی ایک بزرگ نے بھی اس کی تردید نہیں کی جیسا کہ سابقاً ہم نے ذکر کیا ہے پس یہ چیز اس کے قابل تسلیم ہونے کے لیے کافی ہے ۔

(۲)

بشارت ثانیہ

خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا رویائے صالحہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے دور کے اکابر تابعین میں سے مشہور ثقہ اور معتمد شخصیت ہیں ان کا خواب محدث ابوبکر ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور دیکھا ہوں کہ جناب ابوبکر الصدیقؓ اور عمر بن الخطابؓ جناب کی خدمت میں تشریف فرما ہیں میں نے جناب صلعم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا تھوڑی دیر میں حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ تشریف لائے پھر ان دونوں کو ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا پھر جلدی ہی حضرت علی المرتضیٰؓ اس مکان سے باہر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ رب کعبہ کی قسم! اس معاملہ کا میرے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے پھر تھوڑی ہی دیر گزری کہ حضرت امیر معاویہؓ اس مکان سے باہر تشریف لائے اور یوں کہہ رہے تھے۔ رب کعبہ کی قسم! میرے لیے مغفرت فرما دی گئی ہے"

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں ابوبکر ابن ابی الدنیا کے حوالے سے یہ تمام واقعہ نقل کیا ہے اہل علم اصل عبارت ملاحظہ فرما کر اطمینان فرمائیں ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عن عمر بن عبد العزیزؒ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام و ابوبکرؓ و عمرؓ جالسان عندہ فسلمت علیہ وجلست۔ فبینما انا جالس اذ اُتی بعلیؓ و معاویۃؓ فادخلا بیتاً واجیف علیہما الباب وانا انظر فما کان باسرع من ان خرج علیؓ وھو یقول قُضی لی ورب الکعبۃ۔ ثم ما کان باسرع من ان خرج معاویۃؓ وھو یقول غُفر لی ورب الکعبۃ۔[1]

مندرجہ بالا منامیہ واقعہ کو جناب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مشہور تصنیف "کیمیائے سعادت" میں فارسی عبارت میں کلمات ذیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے بعینہ عبارت تحریر کی جاتی ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

عمر بن عبد العزیزؒ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدم با ابوبکرؓ و عمرؓ نشستہ بودند، بالیشان نشستہ بودم ناگاہ علیؓ و معاویہؓ را بیاوردند۔ و در خانہ فرستادند و در ببستند۔ در وقت علیؓ را دیدم کہ بیروں آمد و گفت قضی لی ورب الکعبۃ یعنی حق مرا بدادند۔ پس زود معاویہؓ بیروں آمد و گفت غفر لی ورب الکعبۃ مرا نیز عفو کردند و بیامرزیدند۔[2]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص [illegible] ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیانؓ ذکر شیء من مناقبہ و فضائلہ۔

[2] کیمیائے سعادت فارسی للغزالیؒ ص [illegible] (مطبوعہ بمبئی) تحت پیدا شدن احوال مردگان بر مکشوف شدہ است بطریق خواب۔

وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا حضرت ابوبکر و عمرؓ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جب میں بھی آپ کی خدمت میں بیٹھ گیا تو ناگہاں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو لایا گیا۔ وہ ایک مکان میں داخل کیے گئے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا وہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے اور پھر جلدی ہی حضرت امیر معاویہؓ باہر تشریف لائے اور کہا۔ رب کعبہ کی قسم مجھے معاف کر دیا گیا ہے اور بخش دیا گیا ہے۔

ان بشارات کے ذریعہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی شان کریمی نے صفین والے حضرات کے ساتھ عفو و معافی کا معاملہ فرما دیا ہے اور ان کی باہمی آویزشوں سے درگزر فرما کر مغفرت فرما دی ہے۔

لہٰذا ہمیں بھی ان لوگوں کے حق میں حسن ظن رکھنا لازم ہے اور ان کے متعلق بدگمانی سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے)

تنبیہ

بحث ہذا کے آخر میں رفع شبہ کے طور پر چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواب محض خیال اور وہم ہوتا ہے اس بنا پر اس پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی صحیح تاثر لیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں چند معروضات تحریر کی جاتی ہیں۔

دراصل خواب کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض رؤیا صالحہ صحیح ہوتے ہیں اور بعض محض وہم اور پریشان خیالی ہوتی ہے جس کو "اضغاث احلام" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صحیح خواب (یعنی رؤیا صالحہ) کے متعلق قرآن مجید میں متعدد واقعات مذکور ہیں مثلاً

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کے متعلق

(انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ)

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب (انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین)۔

(۴) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب مبارک جس کو لقد صدق اللہ رسوله الرویا بالحق ...... الخ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح اور بھی کئی واقعات ذکر کئے جا سکتے ہیں۔

حدیث شریف میں صحیح رؤیا کے متعلق متعدد روایات صحیحہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

(۱) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں ہے الا المبشرات۔ لوگوں نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں تو آنجناب نے فرمایا الرویا الصالحة یراها الرجل الصالح او تری له۔[1]

یعنی مبشرات کی تشریح فرماتے ہوئے آنجناب صلعم نے فرمایا کہ وہ نیک خواب ہیں جو نیک انسان خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا شخص دیکھتا ہے۔

(۲) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں مگر الرؤیا صالحہ ہے۔

لیس یبقی بعدی من النبوة الا الرؤیا الصالحة[2]

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں حدیث شریف میں بہت سے واقعات رؤیا صالحہ کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب موطا امام مالک باب ما جاء فی دفن المیت میں مذکور ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند

---

[1] الموطا امام مالک صفحہ ۳۲۳ طبع مجتبائی دہلی (باب ما جاء فی الرؤیا)

[2] المسند للدارمی صفحہ ۲۰۲ کتاب الرؤیا باب فی قول تعالی لهم البشری ...... الخ

[3] الموطا امام مالک صفحہ ۳۲۳ طبع مجتبائی دہلی (باب ما جاء فی الرؤیا)

میرے حجرے میں آکر گرے ہیں پس میں نے اس خواب کو اپنے والد صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بیان کیا پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور میرے حجرے میں ہی آنجناب کا دفن ہوا تو اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے مجھے فرمایا ھذا احد اقمارک وھو خیرھا[1]

یعنی یہ ان تین چاندوں میں سے ایک ہیں اور یہ ان سب سے بہتر ہیں۔

(۲) دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جو آنجناب نے جمعہ کے روز خطبہ میں ذکر فرمایا:

"ایھا الناس انی رأیت دیکاً احمر نقرنی نقرتین

ولا اری ذالک الا حضور اجلی"[2]

یعنی اے لوگو! میں نے ایک سرخ مرغے کو دیکھا ہے کہ اس نے دو چونچیں مجھ پر لگائی ہیں اور اس سے میں نے اپنے انتقال کا قریب ہونا سمجھا ہے۔

اسی نوع کے بہت سے منامات سیرت میں دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن تاہم مسئلہ کے لیے مندرجہ بالا اشارہ کافی ہیں۔

مذکورہ ہر دو خواب اہل صفین کے حق میں جو ذکر کئے گئے ہیں ان کو حجت شرعی کے درجہ میں رکھا جا سکتا ہے۔

اور ان کو محض وہم و خیال قرار دے کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ پس ان کی وہی حیثیت ہے جو ایک سچے خواب کے لیے ہوتی ہے۔ اور ایک ایمان دار شخص کے لیے قابل اطمینان ہے اور سکون قلبی کی خاطر مفید ہے۔

لہٰذا اہل صفین کے حق میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ مالک کریم نے ان کی مغفرت کا سامان فرما کر ان کو نجات دے دی ہے۔

---

[1] موطا امام مالک ص ۸۰ طبع مجتبائی دہلی باب "ما جاء فی دفن المیت"۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۲۴ جلد ۱۱ بحث ما ذکر فی عمرؓ طبع کراچی۔

خروج الخوارج

واقعہ صفین سے فارغ ہو کے اور "تحکیم" میں ناکامی کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک اور اہم واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ فرقہ خوارج نے خروج کیا۔

"خوارج" ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنی جماعت کے افراد تھے اور مسئلہ تحکیم کو قبول کر لینے پر معترض ہو کر ان الحکم الا للہ کا نعرہ لگاتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے الگ ہو گئے۔ اس وقت ان کی تعداد بعض نے سولہ ہزار اور بعض نے بارہ ہزار لکھی ہے اور عند البعض بارہ ہزار سے بھی کم تھی۔[1]

ان کے سرکردہ افراد عبداللہ بن وہب، حرقوص بن زہیر، شریح بن اوفی، فروہ بن جریر، یزید [illegible] اور عبداللہ بن الکواء وغیرہ وغیرہ ذکر کیے جاتے ہیں۔

کوفہ کے علاقہ میں ایک مقام حروراء تھا وہاں انہوں نے پہلے اپنا مرکز قائم کیا اور پھر جو لوگ ان کے ہم نوا تھے وہ سب افراد نہروان کے مقام میں مجتمع ہو گئے اور جدا فرقہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور یہ لوگ اپنے نظریات میں نہایت تیز تھے۔

واجتمع الجميع بالنهروان وصارت لهم شوكة ومنعة وهم جند مستقلون وفيهم شجاعة وعنف الخ[2]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ان کے پیش کردہ مسائل میں گفتگو و بحث کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس فہمائش اور تبلیغ سے بعض لوگ نے سمجھنا لازم سمجھ کر رجوع کر کے واپس ہو گئے اور بعض اپنی ضلالت و گمراہی

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۹ ج ۷ تحت حوادث ۳۷ھ
[2] البدایہ ص ۲۸۶ ج ۷ تحت ذکر خروج الخوارج من الکوفہ۔

پر قائم رہے۔[1]

یہ لوگ اپنے عبادت میں انتہا پسند بے باک اور سخت متشدد تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس بات پر سخت ناراض تھے کہ انہوں نے "تحکیم" کیوں قبول کی ہے؟

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنی جگہ پر خطبہ دے رہے تھے کہ خارجیوں میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ:

اے علیؓ! آپ نے اللہ کے دین میں لوگوں کو شریک کر ڈالا ہے حالانکہ لا حکم الا للہ۔ اس شخص کے اور بھی جتنے مجلس میں موجود تھے ان سب نے یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ "اللہ" کے بغیر کسی کے لیے حکم نہیں ہے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ منظر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ھذہ کلمۃ حق یراد بھا باطل۔[2]

یعنی یہ کلمہ حق ہے لیکن اس کا مفہوم غلط لیا جا رہا ہے۔

خوارج کے معاملہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں نرم رویہ اختیار فرمایا تھا تاکہ ان کی کچھ اصلاح ہو سکے اور یہ اپنے تشدد سے باز رہیں۔ اس سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک دفعہ ان کے حق میں رعایت فرماتے ہوئے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ

"۔۔۔ ان لکم علینا ان لا نمنعکم مساجد اللہ ان تذکروا فیھا اسمہ ولا نمنعکم نصیبکم من ھذا الفیء ما دامت ایدیکم مع ایدینا ولا نقاتلکم حتی تقاتلونا۔"[3]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۷۹ ج ۷ تحت احوال خوارج۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۷ تحت احوال خوارج۔

[3] (۱) البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۷ تحت ذکر خروج الخوارج من الکوفۃ الخ

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص ۲۴۳-۲۴۴ تحت احکام الارض وارزاق اھل الذمۃ من الاسلام

یعنی ہم تمہیں اپنی مساجد سے منع نہیں کرنا چاہتے جب تک کہ تم ہمارے خلاف خروج نہ کرو اور مالِ فئ سے بھی ہم تمہارا حصہ بند کرنا نہیں چاہتے جب تک کہ تمہارا تعاون ہمارے ساتھ رہے اور ہم تمہارے خلاف قتال نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے خلاف قتال نہ قائم کرو۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ قول بطور رفعِ الزام کے ہے لیکن یہ لوگ اپنے تشدد اور تقشف میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور اپنے اندر غلط مقاصد رکھتے تھے جو اسلام کے برخلاف تھے چنانچہ ان کی یہ چیزیں انتہا کو پہنچ گئیں یہاں تک کہ جو ان کے نظریات کے خلاف ہو اور ان کو تسلیم نہ کرے اس کو کافر یقین کرتے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں ان لوگوں کے شر و فساد کی رپورٹ پہنچائی گئی اس طرح پر کہ انہوں نے زمین میں فساد پھیلا رکھا ہے اور خونریزی اختیار کر رکھی ہے۔ راستوں پر ڈاکہ زنی اختیار کر لی ہے اور شریعت کے محارم کو حلال کر ڈالا ہے۔

چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن خباب صحابی رسول اور دیگر حضرات کو قتل کر دیا تھا۔

"...... ان الخوارج قد عاثوا في الارض فسادا وسفكوا الدماء وقطعوا السبل واستحلوا المحارم وكان من جملة من قتلوه عبد الله بن خباب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم"[1]

اس کے بعد بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو ہدایت کرنے کے لیے بعض صحابہؓ مثلاً قیس بن سعد بن عبادہ، ابو ایوب انصاریؓ وغیرہم کو بھی روانہ فرمایا تھا تاکہ ان کو نصائح کریں لیکن ان لوگوں پر ان نصائح اور ہدایات کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر کار ان کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] ج ۷ تحت خروج الخوارج من الکوفہ

[2] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] ج ۷ تحت مسیر امیر المؤمنین علی الی الخوارج

کے قتال کی نوبت آئی

خوارج کیساتھ جنگ نہروان خوارج کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے قتال کی نوبت پیش آئی تاہم اس میں حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے خاص ہدایات تھیں مثلاً [1]

۱۔ ایک بات تو یہ تھی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی جماعت کی طرف سے ایک علم کھڑا کیا تھا اس کے متعلق فرمایا کہ جو شخص اس جھنڈے کی طرف آجائے (اپنی جماعت کو چھوڑ کر ہماری جماعت سے مل جائے) تو وہ امان میں ہے۔

۲۔ اسی طرح جو شخص اس مخالف جماعت کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف آجائے یا مدائن کی طرف چلا جائے وہ بھی امان میں ہے۔

۳۔ آپؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جب تک کہ مخالف فریق ہم پر چلنے کی ابتدا نہ کرے تب تک اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (ابتداء بالقتال نہ کرو)

ان حالات میں خارجی تشدد پر ترکے ہوئے تھے لاحکم الا للہ کا نعرہ لگاتے اور حملہ کرتے تھے اس صورت میں شدید قتال پیش آیا۔ ان کے بہت سے لوگ مارے گئے اور مورخین کے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت کے سات آدمی قتال میں شہید ہوئے اور بقول بعض ۱۲۔۱۳ آدمی شہید ہوئے اور یہ واقعہ شعبان ۳۸ھ میں پیش آیا تھا (خلیفہ بن خیاط ص ۱۹۷ جلد اول تحت ۳۸ھ)

ایک واقعہ جنگ نہروان کے اختتام پر ایک واقعہ پیش آیا کہ ابو کثیر مولیٰ انصار کہتے ہیں کہ میں نہروان کے قتال میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ تھا۔ وہاں بے شمار خارجیوں کو حضرت علیؓ کی طرف سے قتل کیا گیا تو اس موقعہ پر بعض لوگوں کے دل میں ان کے مقتول ہونے کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا تو حضرت علی نے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۲۸۹ تحت امیر المومنین علیؓ و الخوارج۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ بعض لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اور پھر واپس نہیں لوٹیں گے۔ ان لوگوں میں ایک سیاہ رنگ کا شخص ہوگا جس کی پستان عورتوں کی طرح بڑھا ہوا ہوگا اور اس کے گرد سات عدد سیاہ بال ہوں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس شخص کو تلاش کیا جائے وہ ان مقتولین میں ہوگا چنانچہ سے جنگل میں تلاش کیا گیا تو اس حلیہ کا ایک شخص دوسرے مقتولین کے نیچے دبا ہوا پایا گیا۔ اس کے گلے میں کمان تھا۔ اس شخص کے دستیاب ہونے پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے زور سے فرمایا: اللہ اکبر، صدق اللہ و رسولہ۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس طرح لوگوں کے دل میں جو قتال کے جواز کے متعلق اشتباہ تھا دور ہو گیا۔[1]

شرپسند عناصر کی سرکوبی

حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں بہت سے فسادی عنصر موجود تھے جنہوں نے ابتدا میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی حمایت اور موافقت کی مگر حقیقت میں آنجنابؓ کے خلاف شورشیں کھڑی کرتے رہے۔ یہ وہی شرپسند تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف تحریک اٹھائی اور ملت اسلام میں فساد کے باعث بنے اور شہادت عثمانؓ کے مرتکب ہوئے۔

پھر اس کے بعد جمل و صفین کے واقعات بھی انہی عناصر کی شہ پر پیش آئے جو نزاع و اختلاف کے داعی تھے۔ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ان کا دینی مقصد تھا۔ جمل و صفین کے بعد بھی یہی تخریبی عناصر حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں جنگ و قتال وقتاً فوقتاً کھڑا کرتے رہے اور اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔

---

[1] مسند امام احمد ص [illegible] جلد اول تحت مسندات علیؓ۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے دور میں ان کی وجہ سے خاص مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی لیے آپؓ نے ان کو ختم کرنا ضروری خیال کیا۔

چنانچہ قبیلہ بنی ناجیہ کے رئیس الخریت بن راشد ناجی نے علم بغاوت بلند کیا اور اس کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جماعت نے قتال کر کے اسے ختم کر دیا۔

اسی طرح عدی بن حاتم نے آپ کے خلاف نزاع کھڑا کیا نیز اشرس بن عوف الشیبانی الاشہب بن بشر البجلی سعید بن قفل التیمی وغیرہ لوگ خلاف ہو گئے اور قتال پر آمادہ ہوئے مگر اس قسم کے شر کھڑا کرنے والے لوگوں کا حضرت علی المرتضیٰؓ نے استیصال کر دیا۔[1]

غالیوں کا خصوصی گروہ

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں جس طرح خوارج ایک مستقل فتنہ تھا۔ اور حضرت موصوف کی مخالفت میں انتہا پسند گروہ تھا ان کی سرکوبی کے لیے آنموصوفؓ نے پوری جدوجہد کی۔ (جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے)

اسی طرح ان کے مقابل ایک دوسرا گروہ غالیوں کا تھا جنہوں نے محبت علیؓ اور محبت اہل بیتؓ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا یہ لوگ اپنے آپ کو شیعان علیؓ کہتے تھے۔ بعد میں اس گروہ کو روافض کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ روافض جناب علی المرتضیٰؓ کی ذات بابرکات کے متعلق مدح و ثنا میں بے حد غلو کرتے تھے ان کے ابتدائی مراحل کے معتقدات ملاحظہ ہوں۔ یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نبی اقدس ﷺ کے وصی ہیں اور خاتم الاوصیاء ہیں جیسا کہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص۳۱۰-۳۱۱ ج۷ تحت فصل

اور ان کے بعد ان کے تمام مقام بھی ہوتے ۔

لہٰذا دراصل خلافت کا حق صرف حضرت علی المرتضیٰؓ کو ہے اور ان کی خلافت و امامت پر یقین رکھنا فرض ہے اور ان کے اعداء (یعنی اکابر صحابہؓ) سے تبرّیٰ واجب ہے کیونکہ ان خلفاء نے ان کا حق غصب کر لیا ہے وغیرہ وغیرہ ۔

نیز یہ لوگ خصوصاً حضرات شیخینؓ کی عیب جوئی اور تنقیص شان کرتے تھے ۔ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان سے افضل قرار دیتے تھے اور جو شخص ان کے یہ مخصوص نظریات کا ذہن تسلیم نہ کرتا اسے کافر کہتے تھے ۔ اس گروہ کا مرکزی سرغنہ عبداللہ بن سبا یہودی النژاد تھا جو بظاہر آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور مذکورہ بالا نظریات فاسدہ کا بانی یہی شخص ابن سبا تھا ۔ اس نے اپنے مکر سے ان خیالات سے بہت سے ناواقف لوگوں کو متاثر کیا اور ان لوگوں نے ایک مستقل گروہ کی شکل اختیار کر لی ۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے ابتدائی حالات میں ان کے ساتھ نرمائش کی خاطر کچھ نرمی اختیار کی لیکن جب ان لوگوں نے شدت اختیار کر لی اور اہل اسلام میں ان کی وجہ سے تفریق پیدا ہونے لگی تو شدید طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی ان پر گرفت سخت کر دی اور آخر کار ان غالی لوگوں کی ٹولی کو آگ میں جلوا دیا اور ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں فرمائی ۔

ناظرین کرام مطلع رہیں کہ ابن سبا اور اس کے گروہ کے متعلق ہم نے قبل ازیں متعدد مقامات پر ان کے نظریات اور حالات بقدر ضرورت ذکر کر دیئے ہیں مثلاً

(۱) کتاب رحماء بینہم ۔ حصہ فاروقی صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۹۳ تحت روایت دوازدہم [۱۲]

(۲) مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۲۴۹ تا صفحہ ۲۵۲ تحت بحث خامس

مندرجہ مقامات میں مسئلہ ہٰذا کے لیے سنی و شیعہ کتب سے مستند حوالہ جات درج کر دیئے ہیں نیز ان غالیوں کے متعلق کچھ کلام آئندہ سطور میں تحفظ الکل میں غلو کے عنوان کے تحت ذکر کیا جائے گا ۔

(ان شاء اللہ تعالیٰ)

غرض یہ ہے کہ سابق دور میں ترتیب کے یہ خیالات فاسدہ ابھر آئے تھے اس موقعہ پر حضرت مرتضیٰؓ

نے اس غالی فرقہ کو مٹانے کی تمام تر سعی کی جیسا کہ سابقہ مقامات میں ذکر کیا گیا ہے لیکن وقتی طور پر منتشر یافتہ ہونے کی وجہ سے کچھ فرو ہو گئے تاہم کئی لوگوں میں ان کے باطل نظریات کے اثرات قائم تھے۔ پھر حسب موقع یہ لوگ بڑھتے رہے اور ان کے عقائد مخصوصہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور دونوں مسلمانوں کے لیے ایذا رسانی کرتے رہے اور فتنہ عظیم کا باعث بنے رہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت سے لے کر آج تک یہ لوگ افتراق و انتشار بین المسلمین کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں دین اسلام کے تقاضوں کے برخلاف اور آخرت میں سراسر خسران کا باعث ہیں۔

بعض انتظامی امور

حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عثمانؓ کے تعین کردہ حکام و ولاۃ کو عموماً معزول کر دیا تھا اسی سلسلہ میں آپؓ نے عبداللہ بن ابی سرحؓ کو معزول کر کے قیس بن سعد کو مصر کا والی بنایا تھا پھر آنجنابؓ کی یہ رائے ہوئی کہ محمد بن ابی بکر کو قیس بن سعد کی جگہ پر والی بنایا جائے چنانچہ آپؓ نے قیس بن سعدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو والی بنا کر مصر روانہ فرما دیا۔

محمد بن ابی بکرؓ ناتجربہ کار نوخیز جوان تھے اہل مصر نے ان کی ولایت کو خفت کی نگاہ سے دیکھا اور یہ بعض امور میں جلد باز ثابت ہوئے اور صحیح طور پر اہل مصر پر اقتدار قائم کرنے میں ناکام رہے خصوصاً خربتا کے علاقہ میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے طرفدار تھے اور ان کی مظلومانہ شہادت سے خاصے متأثر تھے ان لوگوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔

ان حالات کی اطلاع جب حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں پہنچی تو آپؓ نے الاشتر النخعی کو محمد بن ابی بکر کی معاونت کے لیے روانہ فرمایا۔ اشتر النخعی ابھی مصر نہیں پہنچے تھے کہ

راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ کو اشتر النخعی کے انتقال کی خبر موصول ہوئی تو آپ مغموم اور متأسف ہو گئے۔

ادھر ان حالات کی خبر جب حضرت امیر معاویہ کو ہوئی تو انہوں نے عمرو بن العاصؓ کو ایک جماعت کے ساتھ مصر کی طرف روانہ فرمایا اور حسب ذیل ہدایات کیں۔

...... اوصاه بتقوى الله والرفق والمهل والتؤدة وان يقتل من قاتل ويعفو عن من ادبر وان يدعوا الناس الى الصلح والجماعة [1]

"یعنی حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اللہ کے خوف، نرمی اور تحمل مزاجی کی ہدایت فرمائی۔ مقابلہ کرنے والے کے خلاف قتال کرنے اور پیٹھ پھیرنے والے کو معاف کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں۔"

جب عمرو بن العاصؓ اپنی جماعت کے ساتھ علاقہ مصر میں پہنچے تو عثمانیہ کے لوگ بھی آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ان حضرات کا محمد بن ابی بکرؓ سے مقابلہ ہوا اور محمد بن ابی بکرؓ مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور معاویہ بن حدیجؓ کے ہاتھوں مقتول ہو گئے اور علی المرتضیٰؓ ان کی بروقت کوئی امداد نہ کر سکے اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور عمرو بن العاصؓ نے مصر کے انتظامات اپنی تحویل میں کر لیے۔

یاد رہے کہ محمد بن ابی بکرؓ اور الاشتر النخعی دونوں نے حضرت عثمانؓ پر حملہ آوری اور ان کے خلاف شورش میں بیشتر حصہ لیا تھا۔

تنبیہ

یہاں مؤرخین (طبری وغیرہم) نے الاشتر النخعی کے انتقال کے اسباب بیان کرتے

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] ج [illegible] تحت سنہ ۳۸ھ

ہوئے تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ان کی موت کی خاطر حیلہ گری کی تھی اور الاشتر کو شہد کا شربت پلانے والے شخص کو انعامات کے وعدے دے کر زہر دینے پر مامور کیا تھا۔ جس نے الاشتر کو مسموم شربت پلا کر ہلاک کر دیا۔

اس واقعہ کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

"۔۔۔ فی ھذا النظر" یعنی یہ واقعہ قابل تامل ہے اور اس کی صحت میں شک وشبہ ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے قول کی تائید طبقات ابن سعد میں مندرجہ قول سے ہوتی ہے۔

۔۔۔۔ وولاہ علی علیہ السلام مصر فخرج الیھا فلما کان بالعریش شرب شربۃ عسل فمات۔ [2]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے الاشتر کو مصر کا والی بنا کر روانہ کیا جب وہ العریش کے مقام پر پہنچا تو اس نے شہد کا شربت پیا اور فوت ہو گیا۔

اور خلیفہ ابن خیاط نے تحریر کیا ہے کہ:

۔۔۔۔ "وفیھا (سنۃ ۳۸ھ) ولی علیؓ الاشتر المصر فمات بالقلزم من قبل ان یصل الیھا۔" [3]

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ نے الاشتر کو مصر کا والی بنایا مگر وہ قلزم کے مقام پر مصر پہنچنے سے قبل ہی فوت ہو گیا۔

ابن سعد و خلیفہ ابن خیاط یہ دونوں مورخین طبری سے باعتبار سن وسال کے متقدم ہیں۔ انہوں نے الاشتر کی موت جس طرح نقل کی ہے وہ قرین قیاس ہے۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ص ۳۱۳ ج ۷ تحت ۳۸ھ طبع اول مصر۔

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۱۳ ج ۶ تحت الاشتر (مالک بن الحارث) النخعی

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت ۳۸ھ

نیز یہ بات نہایت عجیب ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو الاشتر کا اس شخص کے پاس پہنچنا اور وہاں سے پانی پینے کا معاملہ آپ کو قبل از وقت کیسے معلوم تھا؟ کہ انہوں نے اس شخص کو الاشتر کی ہلاکت پر مامور کر دیا؟

اسی طرح محمد بن ابی بکرؓ جو معاویہ بن خدیج کے ساتھ معرکہ مصر میں مقتول ہوئے تھے ان کی میت کو گدھے کی کھال تلاش کر کے پھر اس میں آپ کو لپیٹ کر جلا دینے کی تجویز کرنا یہ سب حضرت امیر معاویہؓ پر الزام تراشی ہے اور داستان کو ہولناک بنانے کی مساعی ہیں اور ان کے حق میں نفرت اور منافرت نشر کرنے کی تدبیریں ہیں۔

محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کے متعلق مؤرخین نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں جو اپنے مقام میں درج ہیں ان میں سے جو چیز قرین قیاس ہے اس کو ہم نے یہاں نقل کر دیا ہے۔

۲۔ زیاد پر اعتماد

اسی طرح ان ایام میں کئی اور واقعات مؤرخین نے تحریر کیے ہیں ان میں سے ایک واقعہ علاقہ فارس اور کرمان سے متعلق ہے۔

وہاں کے لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کی اطاعت میں شامل نہیں رہے تھے اور خراج وغیرہ کے معاملہ میں انہوں نے سرکشی اور خود سری اختیار کر لی تھی۔ تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰؓ نے انتظامات کو درست کرنے اور ان لوگوں کو اطاعت میں ماتحت رکھنے کے لیے اپنے ساتھیوں ابن عباسؓ اور جاریہ بن قدامہ سے مشورہ کیا چنانچہ زیاد بن ابیہ کو اس مہم کے لیے موزوں خیال کیا گیا کیونکہ زیاد مذکور صائب الرائے شمار ہوتا تھا اور سیاست دان تھا۔ لہٰذا اس پر پورے اعتماد کی بنا پر مذکورہ علاقوں میں اس کو والی بنا کر ارسال کیا۔

زیاد بن ابیہ نے فارس اور کرمان کے علاقوں میں پہنچ کر ان لوگوں کی شورشوں کو فرو کیا اور ان کو مغلوب کر کے ماتحت کر دیا۔ اس طرح وہ مطیع ہو گئے اور خراجات کی آمدن پھر بحال ہو گئی۔ زیاد بن ابیہ نے یہ مہم عدل گستری اور دانشمندی کے ساتھ سرانجام دی۔[1]

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ۳۱۲ تحت سنہ ۳۹ھ

۳۔ زیاد کو نائب بنانا

اس موقعہ پر مورخین نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے بصرہ پر والی تھے۔ انہیں حضرت علیؓ کی خدمت میں کوفہ جانے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اور خود کوفہ تشریف لے گئے۔ اس دوران حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو الحضرمی کی وساطت سے اہل بصرہ کی طرف ایک مکتوب پہنچا۔ اس میں انہوں نے اہل بصرہ کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی تھی۔ عبداللہ بن عمرو الحضرمی قبیلہ بنی تمیم کے پاس ٹھہرے۔ بنی تمیم حضرت علی المرتضیٰؓ کی اطاعت سے برگشتہ ہو کر عبداللہ کے حامی بن گئے جب یہ خبر بصرہ پہنچی تو زیاد بن ابیہ نے ایک دستہ سپاہ حالات کی درستی کے لیے روانہ کیا جس کا وہاں قبیلہ تمیم سے مقابلہ ہوا اور امیر دستہ قتل ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے عہد میں زیاد نہایت معتمد شخص تھا اور اس کی کارکردگی اہم امور کی سرانجام دہی بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔

(۱) واقعہ احراق

جب اس واقعہ کی خبر علی المرتضیٰؓ کی خدمت پہنچائی گئی تو انہوں نے اس شورش کو ختم کرنے کے لیے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو فوجی دستہ کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اور جاریہ نے موقع پر پہنچ کر ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا جن کا امیر عبداللہ بن عمرو الحضرمی تھا۔ بعدہ جاریہ بن قدامہ نے ان کو رجوع کی دعوت دی مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے قتال کی نوبت آئی۔ جاریہ بن قدامہ نے انہیں شکست دی اور ان کو جلا ڈالا۔[1]

۲۔ واقعہ احراق

ایک واقعہ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یمن کے علاقہ میں بسر بن ارطاۃ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے پہنچا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے یمن کے حاکم عبیداللہ بن عباس تھے۔ آپؓ بسر بن ارطاۃ

---

[1] البدایہ ص ۳۱۱ تحت ۳۸ھ۔

کا اعادہ ذکر کر کے اور کوفہ چلے گئے۔ وہاں حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حالات بیان کیے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے بسر کی سرکوبی کے لیے جاریہ بن قدامہ کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ فرمایا جب جاریہ بن قدامہ نجران (یمن) پہنچے تو بسر بن ارطاۃ بھاگ گیا مگر اس کے حامی شیعان عثمان کو جاریہ بن قدامہ نے قتل کر دیا اور آگ میں جلا دیا۔

...... فسار جاریۃ بن قدامۃ حتی بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شیعۃ عثمان وهرب بسر واصحابه[1]

جاریہ بن قدامہ کے اقدامات میں یہ احراق کے واقعات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

عبید اللہ بن عباس کے فرزندوں پر ظلم کا واقعہ اور اس پر نقد

اس مقام میں بقول بعض مؤرخین (طبری وغیرہم) یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن لڑکوں کو قتل کر دیا تھا جن میں ایک کا نام عبد الرحمان اور دوسرے کا نام قثم تھا۔

اس کے متعلق قابل ذکر یہ بات ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کی صحت میں کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ وفی صحتہ عندی نظر[2] یعنی اس واقعہ کی صحت میرے نزدیک مشکوک اور مشتبہ ہے۔

اور بسر بن ارطاۃ کے اسی واقعہ کو قدیم مؤرخ خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ کے جلد اول میں سنہ ۴۰ھ کے تحت درج کیا ہے[3]

---

[1] و [2] البدایہ لابن کثیر ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۴ ج ۱ تحت سنہ ۴۰ھ

لیکن اس میں عبید اللہ بن عباس کے فرزندوں کے قتل کا ذکر تک موجود نہیں حالانکہ یہ چیز واقعہ ہذا میں بہت اہم تھی۔

یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ بعض مؤرخین نے اس واقعہ کو المناک بنانے کے لیے اس میں اضافہ کر دیا ہے اور حضرت امیر معاویہؓ کے مطاعن میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور حضرت معاویہ کے مطاعن کے جوابات مرتب کرنے کی صورت پیدا ہوئی تو اس وقت عبید اللہ مذکور کے فرزندوں کے قتل کے مسئلہ کو مزید تشریحات کے ساتھ درج کیا جائے گا تا کہ اس واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو سکے ان شاء اللہ تعالیٰ

اہم مصالحت

جنگ صفین کے بعد تحکیم میں ناکامی کی صورت میں اہل شام نے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنا امیر بنا لیا۔

اس چیز کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے ماتحت بعض علاقوں میں بعض اوقات شورشیں ہوتی رہی ہیں (جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کر دیا ہے) ان کو فرو کرنے میں حضرت علی المرتضیٰؓ مصروف کار رہے۔

آخر کار دونوں حضرات سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ باہمی صلح کے لیے مراسلت اور مکاتبت کا سلسلہ جاری ہوا جسے مؤرخین نے اپنے اپنے مقام میں ذکر کیا ہے۔

انجام کار ۴۰ھ میں ان دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان درج ذیل نکات پر صلح ہو گئی جس کو معاہدہ جنگ بندی کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ ملک عراق اور اس کے علاقہ جات حضرت علی المرتضیٰؓ کے تحت متعلق ہوں گے۔

۲۔ ملک شام اور اس کے علاقہ جات حضرت امیر معاویہؓ کے ماتحت ہوں گے۔

۳۔ کوئی فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔

۴۔ ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال کرنے سے گریز کریں گے

فریقین کے درمیان اس معاملہ پر معاہدہ ہو گیا اور حضرت عبداللہ بن عباس اس مصالحت کے شاہد تھے۔

جیسا کہ ابن جریر الطبری نے مصالحت ہذا کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

"۔۔۔۔ وفی ھذہ السنۃ (سنہ ۴۰ھ) جرت بین علیؓ ومعاویۃؓ المھادنۃ بعد مکاتبات یطول ذکرھا علی وضع الحرب بینھما وان یکون ملک العراق لعلیؓ ولمعاویۃؓ الشام ولا یدخل احدھما علی صاحبہ فی عملہ بجیش ولا غارۃ ولا غزوۃ ۔۔۔۔۔۔ وامسک کل واحد منھما عن قتال الآخر۔ وبعث الجیوش الی بلادہ واستقر الامر علی ذالک[1]"

اور ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے کہ:

وانہ (ابن عباسؓ) کان شاھداً للصلح[2]

مختصر یہ ہے کہ واقعہ تحکیم کے بعد چند واقعات حضرت علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں پائے جاتے ہیں جن میں فریقین کے درمیان مناقشات اور معارضات پیش آتے رہے اور بعض اوقات شدت معارضہ میں باہمی قتال تک نوبت پہنچتی رہی۔

لیکن انجام کار ان کشیدہ حالات کی اصلاح کے لیے فریقین کی باہمی مصالحت و موافقت

---

[1] دیکھیے تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبریؒ ص ۱۴۰ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

[2] (۱) البدایہ لابن کثیرؒ ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ بحوالہ ابن جریرؒ۔

(۲) الکامل لابن اثیر الجزری ص ۱۹۳ ج ۳ طبع مصر تحت سنہ ۴۰ھ

(۳) المنتظم لابن الجوزی ص ۱۶۹ جلد ۵۔

بہر کیف یہ مصالحت ۳۷ھ میں ہوئی تھی۔

پھر اس کے بعد اسی سال رمضان المبارک ۴۰ھ میں خوارج کے ہاتھوں حضرت علی المرتضیٰؓ کی المناک شہادت کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر عنقریب اپنے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ کیا جائے گا۔

فضائل ومناقب

آیاتِ قرآنی

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ قرآن مجید کی وہ آیات جن میں فضائل صحابہ کرامؓ ذکر کیے گئے ہیں ان آیات کے مصداق جس طرح دیگر صحابہ کرام ہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ہیں۔ خصوصاً وہ آیات جن میں مہاجرین کرامؓ کی مدح وثنا کے ساتھ ان کا استحقاقِ خلافت بیان فرمایا گیا ہے ان آیات کے مفہوم اور استحقاقِ خلافت میں آنجنابؓ شامل ہیں اور صحیح مصداق ہیں۔ اس نوع کی آیات قرآنی کا کافی ذخیرہ ہے۔

اوّلاً: وہ آیات جن میں اعلیٰ فضائل ودرجات مذکور ہیں۔

۔۔۔۔۔ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم (سورة توبه - پ ۱۱)

ترجمہ: "اور جو لوگ قدیم الاسلام ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو کار ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں۔ رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔"

آیت ہذا کے مدلول کی روشنی میں درج ذیل فضائل و کمالات بصراحت مذکور ہیں۔

۱۔ السابقون الاولون : دین اسلام میں داخل ہونے کے شرف میں سبقت کرنے والے اور تقدیم الاسلام ہیں۔

۲۔ المہاجرین : فضیلت ہجرت کے ساتھ موصوف ہیں جو اسلام میں ایک عمل اور امتیازی منصب ہے۔

۳۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ : اللہ تعالیٰ کا ان پر راضی ہونا اور ان کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا ان کے حق میں بشارت عظمیٰ ہے۔

۴۔ اعدلھم جنّٰت : دخول جنت کی نعمت ان کے لیے دائمی ہے۔

الفوز العظیم : مذکورہ چیزیں ان کے حق میں عظیم کامیابی کی سند ہیں۔

دیگر صحابہ کرام کے ساتھ ان سب امور کے مصداق سیدنا علی بن ابی طالبؓ بھی ہیں اور مذکورہ اوصاف و فضائل کے ساتھ متصف ہیں۔

دوم : ذیل آیت وعدہ خلافت کے متعلق ہے جو موجودہ مؤمنین صالحین کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۔۔۔۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفٰسقون۔

(سورۃ نور پ ۱۸)

ترجمہ : وعدہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ہیں البتہ حاکم کر دے گا ان کو ملک میں

جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے پہلے لوگوں کو۔ اور جما دے گا ان کے لیے دین
ان کا جو پسند کیا ان کے لیے اور ان کو امن دے گا ان کے خوف کے بدلہ
میں میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو اور جو
ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان "

مندرجہ بالا آیت کریمہ کے مفہوم سے صحابہ کرام ؓ کے حق میں درج ذیل فضائل و مناقب
مستخرج و مستنبط ہیں۔

۱۔ استخلاف : اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ خلافت کا وعدہ فرمایا ہے
جس طرح کہ سابقہ امم کو خلافت کے شرف سے نوازا گیا تھا۔

۲۔ تمکین : جو دین ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے ان کو اس دین کے
قیام کی خاطر تمکین فی الارض یعنی قدرت نصیب ہو گی۔

۳۔ امن : اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرما دے گا (یعنی یہ کہ
اسلام غالب آ جائے گا اور مخالفین سے خطرات ختم ہو جائیں
گے)۔

۴۔ توحید : یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ
کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

۵۔ کفران نعمت پر وعید : جو ان حالات کے بعد کفران نعمت کرے گا وہ فساق میں
شمار کیا جائے گا اور بے دینی کی راہ پر ہو گا۔

حاصل یہ ہے کہ آیات قرآنی کا ایک ذخیرہ موجود ہے جن میں سابقین مہاجرین
کے لیے فضل و کمال، رضائے خداوندی کی سند اور خلافت کا حصول نیز جنت کی بشارتیں
وغیرہ اشیاء مذکور ہیں۔ ان سب میں دیگر صحابہ کرام ؓ کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ ؓ بطریق احسن شامل
و شریک ہیں۔

فلہذا جناب سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فضل و کمال اور علو مرتبت میں کوئی شک و شبہ نہیں جس جماعت کی اللہ تعالیٰ خود مدح و ثنا فرمائیں ان کی فضیلت سے انکار کرنا دین سے برگشتگی اور اسلام سے روگردانی کے مترادف ہے۔

احادیث نبویؐ

اسی طرح امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کے بہت سے فضائل احادیث نبویؐ میں صحیح اسانید کے ساتھ موجود ہیں۔

ان میں سے چند ایک روایات اختصاراً ذیل میں پیش کی جاتی ہیں اگرچہ قبل ازیں ان کا ذکر اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔

اوّلاً : غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے جہاد میں شرکت سے متخلف ہونے کی پریشانی کا ازالہ فرماتے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تسلی کے ارشاد فرمایا:

---- اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔[1]

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس موقع پر) حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ آپ کیا پسند نہیں کرتے کہ میری جانب سے اس مقام پر ہوں جس مقام پر ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھے مگر بات یہ ہے کہ کوئی نبی میرے بعد نہیں ہوگا۔

اس فرمان نبوت میں جناب علی المرتضیٰؓ کے لیے ایک عظیم منصب کا ذکر فرمایا گیا ہے

---

[1] (۱) بخاری شریف جلد اول ص ۵۲۶ تحت مناقب علی ابن ابی طالبؓ۔ طبع دہلی۔

(۲) مسلم شریف ص ۲۷۸ جلد ثانی باب فضائل علیؓ۔ طبع دہلی۔

کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی نسبت سے جناب علیؓ کی وقتی نیابت کی فضیلت بیان فرمائی۔

لیکن دائمی نیابت و خلافت مراد نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں اس کی وضاحت بیان کر دی گئی ہے۔

دوم: حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں غدیر خم کے مقام پر بعض شکایات کے ازالہ کے لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

... من کنت مولاہ فعلی مولاہ ...

یعنی جس شخص کے لیے میں محبوب اور دوست ہوں پس علی بن ابی طالب اس کے محبوب اور دوست ہیں۔

اس مقام پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے معترضین کے اعتراضات کا ازالہ فرمایا گیا۔ اور حضرت موصوف کے ساتھ دوستی اور محبت کی ترغیب دلائی گئی یہ چیز جناب علیؓ کے لیے شرف بالائے شرف ہے۔ اور قبل ازیں اس روایت کی تشریح بقدر کفایت حجۃ الوداع کے عنوان میں درج کی جا چکی ہے وہاں مراجعت فرما لیں۔

حضرت عمرؓ کا ایک قول

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخری اوقات میں ایک اہم ارشاد فرمایا تھا وہ ناظرین کرام کے پیش خدمت ہے۔

... عن عمرؓ قال: ما احد احق بهذا الامر من هؤلاء النفر الذين توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو راض فسمى عليا و عثمان و الزبير

وطلحةؓ وسعداؓ وعبد الرحمٰنؓ (رواہ البخاری)۱؎

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ یعنی مسئلہ خلافت میں ان افراد (حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ ابن عوام، حضرت طلحہؓ ابن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، اور حضرت عبد الرحمٰنؓ ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے بہتر کوئی شخص زیادہ حق دار نہیں دیکھتا کیونکہ یہ وہ افراد ہیں جن سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رضامند ہو کر اس عالم سے رخصت ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ اپنی قابلیت وصلاحیت کے علاوہ ان حضرات کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کی سند فضیلت بھی حاصل ہے اور ان حضرات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر نمایاں طور پر موجود ہے اور یہ آپؓ کے مقام رفعت کا یقینی ثبوت ہے۔

فضائل علوی کا اجمالی خاکہ

اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فضائل وکمالات احادیث نبویؐ میں صحیح اسانید کے ساتھ بہت مواقع میں مذکور ہیں ان کا احاطہ اور شمار کر لینا ایک مشکل امر ہے تاہم ذیل میں چند ایک فضائل ایک نظر میں بحوالہ پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام صحابہ کرامؓ کا اپنی اپنی نوعیت کی صورت میں جس طرح تعلق قائم ہے اور رابطہ عقیدت مستحکم ہے۔ اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰؓ کا نسبی تعلق اور خاندانی انتساب قائم ہے۔

(۲) جناب علی المرتضیٰؓ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ مقدس کی سربرآوردہ شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ آپؓ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔

۱؎ بخاری شریف ص ۵۲۴ ج اول باب قصۃ البیعۃ

(۳) امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ شفقت میں ابتدا ہی سے تربیت پانے کا شرف حاصل ہے۔

(۴) ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر سید نا علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پاک پر آنجناب صلعم کے حکم کی تعمیل میں استراحت کرنے کی فضیلت ان کو نصیب ہوئی اور نبی اقدس علیہ وسلم کے ودائع اور امانات کو متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کی سعادت ان کو حاصل ہوئی۔

(۵) اسلام میں ہجرت مدینہ کی عظیم فضیلت سے آپ کا مشرف ہونا مسلمات میں سے ہے۔ آنجناب مہاجرین کا ملین سے ہیں۔

(۶) مشہور مشہور غزوات (غزوہ بدر، احد، احزاب وغیرہ) میں آپ کے شجاعانہ کارنامے مشہور ہیں۔ بخصوصاً جنگ خیبر میں آپ کے ہاتھوں آخری قلعہ (قموص) کے فتح ہونے کی بشارت ان کے لیے اسلام میں مشہور و معروف ہے۔ اسی بنا پر فاتح خیبر ہونے کا لقب عوام و خواص کی زبانوں پر پایا جاتا ہے۔

(۷) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے مختلف مواقع (بیعت رضوان وغیرہ) میں آپ کا شامل ہو کر مستفیض ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

(۸) امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی ہونا اور دیگر کئی مکاتیب و وثائق کا محرر ہونا امر مسلم ہے۔

(۹) اسلام میں عشرہ مبشرہ حضرات کا مقام دیگر افراد امت سے بہت رفیع ہے ان میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شریک و شامل ہیں اور زبان نبوت کے ذریعہ انہیں جنت کی بشارت حاصل ہے۔

(۱۰) سنہ ۹ھ میں جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سورۃ براءۃ (توبہ) کی بعض آیات

کی تبلیغ کے منصب پر فائز فرمایا اور آپ نے مکہ مکرمہ جا کر اس فریضہ کا حق ادا کیا۔

(۱۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری اوقات میں تیمار داری کے فرائض سرانجام دینے کا شرف حاصل ہوا۔

(۱۲) سیدنا علی المرتضیٰؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دیگر اکابر صحابہ کرام کی معیت میں غسل نبوی کی خطیر خدمات تکمیل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۱۳) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت راشدہ کے اعلیٰ مناصب میں آپ کو راشد خلیفہ رابع ہونے کا رفیع منصب نصیب ہے اور گزرنے والے تمام خلفاء امت پر فوقیت تامہ ہے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ قلیل سے فضائل اختصاراً ذکر کیے ہیں اب ان کا اختتام ان کلمات پر ہم کرنا چاہتے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے آنجناب کی فضیلت میں اجمالاً بیان کیے ہیں۔

شاہ صاحب حضرت علی المرتضیٰؓ کی فضیلت میں فرماتے ہیں کہ:

"....... باید دانست کہ شبہ نیست کہ حضرت مرتضیٰؓ از انسان افضل است است و خدا تعالیٰ در وی وجوہ فضیلت بے حساب جمع کردہ است از قدم وشجاعت وحضور مشاہد خیر و قرب نسب و صحبت کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وشدت در امر خدا تعالیٰ و تابع امر الحق شدن و زہد در دنیا کردن و غیر آن" لہ

یعنی اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ امت کے افضل کاملین میں سے ہیں خدا تعالیٰ نے ان میں بے حساب شرف وفضیلت کی اقسام جمع فرما دی ہیں مثلاً

لہ ... قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۷۶ تحت بحث فضائل علوی۔ طبع مجتبائی دہلی

۲ہ ازالۃ الخفاء ص۲۷۲ مقصد دوم تحت فضائل علوی۔ طبع اول بریلی۔

پرہیزگاری، تقویٰ اور بہادری اور مشاہد خیر میں حاضر رہنا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی قرابت اور محبت کا عزاز اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں شدید ہونا اور حق بات کہنا بیچ رہنا اور دنیا کا تارک اور زاہد ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نیز اکابر صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ بزرگان دین کے بیشتر سلاسل کا مرکز فیض اور مصدر سند جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے اور یہاں سے فیوض و برکات جاری ہیں۔

تنبیہ

اہل تحقیق کی خاطر یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" جلد سابع (طبع اول) کے آخر میں ص۳۲۲ سے ص۳۶۱ تک حضرت علی المرتضیٰؓ کے واقعہ شہادت اور آپؓ کی اولاد شریف کا ذکر کرنے کے بعد آپ کے فضائل کے لیے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ اس باب میں فضائل کی بہت سی چیزیں ذکر کی ہیں اور ساتھ ساتھ قابل نقد چیزیں بھی بیان کر دی ہیں۔ گویا اہل علم کے لیے بہت سی مفید چیزیں نقد و تحقیق کے بعد یکجا سامنے آگئی ہیں۔

گزشتہ سطور میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے چند ایک مسلم فضائل و کمالات اجمالاً و اختصاراً ذکر کیے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل و کمالات کتابوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں جیسا کہ امام احمدؒ اور دیگر علماء کبار سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی فتح الباری میں اس کو نقل کرتے ہیں کہ

... لم یرد فی حق احد من الصحابۃ بالاسانید الجیاد اکثر مما جاء فی علیؓ[1]

---

[1] فتح الباری ص۷۱ ج۷ باب مناقب علیؓ بن ابی طالب۔

یعنی صحابہ کرام ؓ میں سے کسی صحابی ؓ کے حق میں اتنی کثیر عمدہ روایات وارد نہیں ہوئیں جتنی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے حق میں پائی گئی ہیں ۔

کثرت فضائل کا سبب

آپ کے فضائل و مناقب میں روایات کی کثرت کی وجہ بیان فرماتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ آپ ؓ کے مخالفین کی کثرت تھی بعض مخالفین آپ کے فضائل و مناقب کے منکر نہ تھے مگر ان کا تعلق سیاسی نوعیت کا تھا ۔ اور بعض مخالفین آپ کی مخالفت میں انتہا درجہ کے متشدد تھے جو سیاسی و مذہبی اختلاف میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے ساتھ شدید عناد اور بغض رکھتے تھے ان لوگوں کو خوارج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

چنانچہ اس مخالفت کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ اور دیگر اکابر حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے فضائل و کمالات کی روایات کو ترتیب و تشریح کیا اور ان روایات کا بار بار اعادہ کیا تاکہ مخالفین حضرت علی ؓ کے اعتراضات کا مکمل جواب ہو سکے ۔ اس طرح یہ طریق کار حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے حق میں کثرت روایات کا موجب ہوا ۔ اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے فضائل میں افراط اور غلو کی راہ اختیار کی اور اس معاملہ میں حد سے متجاوز ہو گئے ۔ ان لوگوں کو روافض کہا جاتا ہے ۔

فضائل میں غلو

علماء نے لکھا ہے کہ جتنا قدر اس امت میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ پر جھوٹ بنایا گیا ہے اس قدر کسی شخصیت پر جھوٹ نہیں باندھا گیا ۔ اس سلسلہ میں حافظ ذہبی نے عامر الشعبی کا قول بالفاظ ذیل نقل کیا ہے ۔

--- ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علیؓ ۔

لہ ۱۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص ۷۹ ج ۱ تحت ذکر ابو عمرو عامر الشعبی ۔

۲۔ میزان الاعتدال للذہبی ص ۲۹ ج ۱ تحت تذکرہ حارث بن عبداللہ الاعور طبع قدیم مصر ۔

اسی طرح حافظ ابن قیمؒ نے کتاب "المنار المنیف" میں ابو یعلیٰ الخلیلی کا قول کتاب الارشاد سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"..... قال الحافظ ابو یعلی الخلیلی فی کتاب الارشاد وضعت الرافضة فی فضائل علیؓ واهل البیت نحو ثلاث مائة الف حدیث"

یعنی حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل میں رافضیوں نے تین لاکھ کے قریب روایات وضع کر کے چلا دی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ اس قول کی تائید میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"..... لا تستبعد هذا فانك لو تتبعت ما عندهم من ذالك لوجدت الامر کما قال"

یعنی اس روایت کو بعید نہ جاننا چاہیے کیونکہ اگر تم اس مواد کا تتبع اور تجسس کرو جو ان لوگوں کے پاس موجود ہے تو تم اس معاملے کو اسی طرح پاؤ گے جیسا کہ (ابو یعلیٰ الخلیلی) نے کہا ہے۔

شیعہ کی طرف سے تائید

مسئلہ ہذا کے متعلق بعض شیعہ علماء نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں کثرت سے دروغ تصنیف کیا گیا ہے اور جماعتی عصبیت نے ایسی روایات کو جنم دیا ہے جن کی کوئی اصل نہیں اور وہ بالکل بے سروپا ہیں۔

چنانچہ شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الشیعی معتزلی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس مضمون کی تصریح کر دی۔

"..... وکانت الثقات تحب الصحیح ما یروی عنه علیه السلام من فضله، أکثر الکذب علیه وولدت العصبیة

احادیث لا اصل لہا ۔

حضرت علیؓ کے ارشادات

زیر بحث مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے کے اپنے بیانات شیعہ سنی (دونوں فریق) کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کو بہ نظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔

اہلِ سنت کے نزدیک

حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق لوگ (محبت میں) افراط اور (حقوق) میں تفریط کریں گے، اور یہ دونوں قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔

(1) ..... عن ابی مریم قال سمعت علیاً یقول یہلک فی رجلان مفرط فی حبی و مفرط فی بغضی ۔[1]

۲۔ اور یہی مسئلہ جناب مرتضیٰؓ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دوسرے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس روایت میں اس طرح ہے کہ:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ارشاد فرمایا کہ: تمہاری مثال ایسی ہے جیسی عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے نہایت مبغوض سمجھا حتیٰ کہ اس کی والدہ پر بہتان لگا دیا اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی حد سے زیادہ محبت کی حتیٰ کہ انہوں نے اس مقام اور مرتبہ میں اتار دیا جو ان کے شایان نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے حق میں بھی دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ لوگ جو محبت میں افراط اور زیادتی کرنے والے ہیں اور وہ مدح سرائی کرتے ہیں جس کا میں اہل نہیں ہوں۔

اور دوسرے وہ لوگ ہلاک ہوں گے جنہیں میرے ساتھ عداوت اور بغض ہے اس

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ص ۴۲۲ ج ۴ تحت [illegible] ترجمہ حار دین مرہ [illegible] و اعتقل ...

[2] کتاب السنۃ لامام احمدؒ ص ۲۴۲ طبع اول مکہ مکرمہ۔

بنا پر انہوں نے مجھ پر بہتان باندھ رکھا ہے۔

(۲) ۔۔۔۔۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیک مثل من عیسیٰ ابغضتہ الیہود حتی بہتوا امہ واحبتہ النصاریٰ حتی انزلوہ بالمنزلۃ التی لیست لہ۔ ثم قال (علیؓ) یہلک فیّ رجلان محب مفرط یقرظنی بما لیس فیّ۔ ومبغض یحملہ شنآنی علی ان یبہتنی۔ رواہ احمد[1]

شیعہ کے نزدیک مسئلہ مذکورہ کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرامین صحیحہ شیعہ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بقدر ضرورت چند ایک حوالے پیش خدمت ہیں۔

نہج البلاغہ میں علی المرتضیٰؓ کا فرمان موجود ہے جس میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں مدح سرائی میں مبالغہ کرنے کے متعلق وعید موجود ہے نیز حضرت علیؓ کے حق میں ان کے حقوق کی کوتاہی کرنے اور تنقیص کرنے کے متعلق حضرت علیؓ کی زبان سے زجر و توبیخ منقول ہے۔

۔۔۔۔۔ قال علیہ السلام یہلک فیّ رجلان محب مفرط وباہت مفتر۔ وھذا مثل قولہ علیہ السلام: ہلک فیّ رجلان محب غال ومبغض قال۔[2]

یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں میرے حق میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک محبت

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۵ باب مناقب علی۔ الفصل الثالث۔ بحوالہ احمد

[2] (۱) نہج البلاغۃ ص ۲۲۳/۲ تحت قول علی المرتضیٰؓ۔ طبع مصر

(۲) امالی شیخ صدوق ص ۲۷۳ تحت مجلس ۹۱ طبع قدیم۔

یعنی افراط و درمیانی کرنے والا ہے اور دوسرا تو مجھ پر بہتان اور افتراء باندھنے والا ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ محب غالی اور بغض و عداوت رکھنے والا دونوں ہلاک ہوں گے ۔

الحاصل

مندرجات بالا میں حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰؓ کے فرامین کی روشنی میں یہ مسئلہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و حقوق میں لوگوں کی طرف سے بہت افراط و تفریط کی گئی ہے اور یہ شریعت میں ناپسندیدہ ہے

حضرت علی المرتضیٰؓ کے فضائل میں غلو کرنے والے طبقے سے خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے براءۃ کا ذکر کیا ہے اور تفریط کرنے والے طبقے سے بھی اظہار نفرت فرمایا ہے ۔

ان طبقات کے درمیان "اہل السنۃ والجماعۃ" کا طریقہ نہایت بہتر اور متوسط ہے ۔ وہ نہ اس مسئلہ میں غلو کے قائل ہیں اور نہ ہی شان مرتضوی میں تقصیر و تفریط کو جائز سمجھتے ہیں ۔ "خیر الامور اوسطھا" کے قاعدہ کے مطابق ان کا طریقہ صحیح ہے اور بین الافراط والتفریط ہے ۔

چنانچہ اہل السنۃ کے مسلک اعتدال کی تائید میں اس موقعہ پر ہم حضرت علی بن الحسین (سیدنا زین العابدینؒ) کا فرمان ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں ۔

...... عن یحیی بن سعید قال کنا عند علی بن الحسین فجاءہ

نفر من الکوفیین فقال علی یا اهل العراق احبونا حب

الاسلام سمعت ابی یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم یا ایها الناس لا ترفعونی فوق قدری فان اللہ

اتخذنی عبدا قبل ان یتخذنی نبیا ۔ ؎1

؎1 المستدرک للحاکم مع التلخیص للذهبی ص [illegible] کتاب معرفة الصحابہ

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت زین العابدین کی خدمت میں موجود تھے
اس اثناء میں کوفیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ امام زین العابدینؒ ان لوگوں کی غلو عقیدت
سے واقف تھے۔ تو حضرت زین العابدین نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے
اہل عراق تم لوگ اسلام کے قاعدے کے مطابق ہمارے ساتھ محبت رکھا کرو۔ غلو سے کام
نہ لیا کرو۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنے والد گرامی سیدنا امام حسینؓ سے سنا ہوا ہے کہ وہ نبی
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! ہمارے مرتبے سے ہم کو بلند نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے
سے پہلے اپنا عبد بنایا ہے۔"

خلاصہ "فرمودات نبوی" اور "ائمہ کرام کے بیانات" کی روشنی میں مندرجہ ہدایات کی پیروی
اور افراط و تفریط کو نہیں اختیار کرنا چاہیے۔ رفض اور خوارج و نواصب کے طریقے
کو متروک کرکے میانہ روی اعتدال پر قائم رہنا چاہیے۔

افتاء و قضاء

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام صحابہ کرامؓ میں بہت بلند ہے اور آپ بہت
مختلف اوصاف جمیلہ کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت میں بے شمار کمالات
ودیعت فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک افتاء و قضاء کی اعلیٰ صلاحیت ہے۔

چنانچہ ہم آئندہ سطور میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی اس صفت کمال کے متعلق چند
چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اصل مسئلہ سے قبل تمہیدی چیزوں میں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ
کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ علی المرتضیٰؓ کی اس فن میں
مہارت کا اصل باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مبارک ہے جو ان کے حق میں اکسیر

ثابت ہوئی وراس کی تاثیر کی وجہ سے امت مسلمہ کو فوائد حاصل ہوسکے۔

دعائے نبوی صلعم

احادیث اور روایات کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک بار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو یمن کی طرف روانہ کرنے کا قصد فرمایا تاکہ آپؓ وہاں جاکر لوگوں میں تنازعات کے فیصلہ کرنے کا کام سرانجام دیں۔

تو اس موقعہ پر جناب علی المرتضیٰؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ میں اس میدان میں نووارد شخص ہوں۔ مجھے قضا کے معاملہ میں معلومات نہیں ہیں میں ان لوگوں کے درمیان کس طرح فیصلہ کرسکوں گا؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے سینہ پر اپنا دست مبارک لگایا اور ان کے حق میں شرح صدر کی دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کے دل کو ہدایت دینا اور ان کی زبان کو درست رکھنا اور ساتھ ہی اس مسئلہ کے بنیادی ضوابط تعلیم فرمائے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب بھی مجھے دو شخصوں کے درمیان قضاء اور فیصلہ کا موقعہ ملا ہے تو مجھے کبھی تردد نہیں ہوا اور معاملہ فہمی میں کبھی کوئی اشکال نہیں رہا۔

"۔۔۔۔ عن علیؓ قال بعثنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اهل الیمن لاقضی بینهم۔ فقلت یا رسول اللہ! انی لا علم لی بالقضاء فضرب بیده علی صدری وقال اللهم اهد قلبه وسدد لسانه۔ قال فما شککت فی قضاء بین اثنین حتی جلست مجلسی هذا۔" [1]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۰ ج ۱۲ تحت کتاب اقضیۃ رسول اللہ صلعم۔ طبع کراچی
۲۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۶۳ ج ۱۲ تحت کتاب الفضائل۔ طبع کراچی۔
۳۔ طبقات لابن سعد ص ۱۰۰ ج ۲ القسم الثانی تحت ذکر علی بن ابی طالب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) ...... عن عبد اللہ بن [illegible] لما استعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب علی الیمن قال علی رضی اللہ عنہ [illegible] فقال [illegible] ضع الشریف وقدم الضعیف فضل القوی وقدم الرجال علی النساء [illegible]

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یمن کے علاقہ پر حضرت علی المرتضیٰ کو عامل و حاکم بنا کر روانہ فرمانے لگے تو علی المرتضیٰؓ کو بلوا کر متعلقہ ہدایات ارشاد فرمائیں۔

فرمایا کہ معاملات میں شریف آدمی سے معمولی آدمی کو اور قوی آدمی سے ضعیف آدمی کو مقدم رکھنا اور مردوں کو عورتوں پر مقدم قرار دینا۔

ان نصائح کے ذریعے معاشرتی زندگی کے آئین اور قضاء کے ضوابط معلوم ہو سکے۔ اور کمزور و ضعیف افراد کے حقوق کی مراعات کا نمونہ دکھایا گیا۔

عہد نبوت میں قضاء و افتاء کا مسئلہ

صحابہ کرام کی جماعت میں اکابر حضرات بڑی بڑی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اور اسی بنا پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو مختلف مناصب پر حسب حیثیت متمکن فرماتے تھے۔ چنانچہ محدثین اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ عہد نبوت میں افتاء کا کام حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سپرد تھا اور یہ چاروں حضرات عہد نبوی صلعم میں مفتی تصور کیے جاتے تھے اور مسلمان ان حضرات کی طرف اپنے مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔

چنانچہ قاسم بن محمد ذکر کرتے ہیں:

۱؎ المراسیل لابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ص۲۴ (طبع مصر) تحت باب فی القضاء

...... قال : كان ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ یفتون

علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" لہ

ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین کی ابتداء میں ذکر کیا ہے کہ اس عہد میں افتاء کے منصب پر صحابہ کرامؓ میں سے سات حضرات فائز تھے اور فتوی کے باب میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان حضرات میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی نمایاں حیثیت تھی۔

..... " وکان المکثرون منهم سبعة عمر بن الخطابؓ و علیؓ بن ابی طالب و عبد اللہ بن مسعودؓ و عائشة ام المومنین و زید بن ثابتؓ عبد اللہؓ بن عمرؓ و عبد اللہ بن عباسؓ" کہ

خلافت راشدہ میں فقہی و علمی مذاکرات

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں ان حضرات نے علمی و فقہی مسائل میں مذاکرات کے لیے مختلف حلقے قائم کئے ہوئے تھے۔ ان حلقوں میں چند اکابر حضرات جمع ہوتے تھے اور آپس میں مسائل پر گفت و شنید کرتے اور علمی بحث و تمحیص کی اگر ضرورت ہوتی تو وہ بھی کی جاتی تھی۔

بعض مصنفین کی روایت کے مطابق ان میں دو حلقے نمایاں مشہور تھے۔ ایک حلقہ اس طرح قائم تھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور عبد اللہ ابن مسعود اور زید بن ثابتؓ یہ حضرات باہم فقہی مذاکرات کرتے تھے۔ اور دوسرا حلقہ اس طرح قائم تھا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور ابو موسیٰ الاشعریؓ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم یہ حضرات ایک دوسرے کے سامنے علمی و فقہی مسائل پیش کرتے تھے۔

لہ طبقات ابن سعد ص ۳۹/۲ القسم الثانی تحت ذکر من کان یفتی بالمدینة و یقتدی بہ۔

کہ اعلام الموقعین لابن قیمؒ ص ۱۲ طبع قدیم دہلی۔

اس طریقہ کے ذریعے پیش آمدہ مسائل منقح ہو جاتے تھے اور اس کی روشنی میں مسائل بیان کئے جاتے تھے۔

(۱) ۔۔۔۔ عن مسروق قال تفقدت من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ رھط۔ ثلاثۃ منھم یلقی بعضھم علی بعض وثلاثۃ منھم یلقی بعضھم علی بعض۔ فکان ابن مسعود وعمر بن خطاب وزید بن ثابت یلقی بعضھم علی بعض وکان علی بن ابی طالب وابو موسی الاشعری وابی بن کعب یلقی بعضھم علی بعض [1]

(۲) ۔۔۔۔ اخبرنا ابو حنیفۃ عن الھیثم عن الشعبی قال کان ستۃ من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم یتذاکرون الفقہ منھم علی بن ابی طالب وابی وابو موسی علی حدۃ وعمر وزید وابن مسعود [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہؓ میں سے باہم فقہی مذاکرات کیا کرتے تھے حضرت علی المرتضیؓ اور ابی بن کعبؓ ابو موسی اشعریؓ کا ایک حلقہ تھا۔
اور حضرت عمرؓ زید بن ثابتؓ عبداللہ بن مسعود کا دوسرا حلقہ تھا اور ان حضرات کے درمیان مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔

---

[1] کتاب الآثار للامام ابی یوسف الانصاری ص ۲۱۲ تحت باب الغزو والجیش۔ طبع بیروت
[2] کتاب الآثار امام محمد الشیبانی ص ۱۶۳ طبع قدیم نور محمد کتب خانہ تحت باب فضائل الصحابہ (ومن اصحاب النبی صلعم من کان یتذاکر الفقہ)
کتاب الآثار امام محمد ص ۱۹۰ باب فضائل الصحابہ۔ طبع کراچی۔

خلافت راشدہ میں اہم مناصب

خلافت راشدہ کے عہد میں اکابر صحابہ کرامؓ کو ان کی اہلیت و صلاحیت کی بنا پر خلیفہ راشد کی طرف سے اہم مناصب تفویض کیے جاتے تھے اور ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فراست کاملہ سے لوگوں کو تلقین اور ترغیب دلاتے تھے۔

اس سلسلہ میں محدثین نے حضرت عمر فاروقؓ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جو آپؓ نے "جابیہ" کے مقام پر اپنے کارکنوں اور دیگر اہل اسلام کے اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا۔ وہ اس طرح ہے کہ:

.... ان عمر بن الخطاب خطب الناس بالجابية فقال في خطبته من جاء يسأل عن القرآن فليأت أبي بن كعب ومن جاء يسأل عن الحلال والحرام فليأت معاذ بن جبل ومن جاء يسأل عن الفرائض فليأت زيد بن ثابت ومن جاء يسأل عن المال فليأتني فان الله جعلني خازنا فاني بادئ بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم فمعطيهن ثم بالمهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم انا واصحابي ثم بالانصار الذين تبوؤا الدار والايمان من قبلهم ثم من اسرع الى الهجرة اسرع اليه العطاء ومن ابطأ عن الهجرة ابطأ عنه العطاء[1]

---

(۱) کتاب السنن سعید بن منصور ص ۱۴۳ ج ۳ القسم الثانی۔ تحت باب ما جاء فی فضل المجاہدین علی القاعدین (طبع مجلس علمی)

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص ۲۲۴ تحت باب فرض الاعطیہ من الفئ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے شام میں جابیہ کے مقام پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

- کہ جو شخص قرآن مجید سے متعلق چیزوں کا سوال کرنا چاہتا ہے وہ ابی بن کعبؓ کے پاس آئے۔
- اور جو شخص حلال و حرام کے متعلق مسائل کا حل دریافت کرنا چاہے پس معاذ بن جبلؓ کے پاس آئے۔
- اور جو شخص مسئلہ وراثت اور فرائض کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس آئے۔
- اور جس شخص کو مال کی طلب ہو وہ میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المال کا خازن بنایا ہے۔ یعنی تقسیم اموال میں امہات المومنینؓ کو ترجیح دوں گا پھر اس کے بعد مہاجرین کو دوں گا۔ (اور مہاجرین میں میں اور میرے ساتھی شامل ہیں) اس کے بعد میں انصار کو دوں گا۔ پھر جو شخص ہجرت میں جلدی کر کے پہنچا ہے اس کو اموال دیئے جائیں گے اور جو شخص ہجرت میں مؤخر ہو گیا ہے اس کو عطائے اموال میں بھی مؤخر رکھا جائے گا۔

مذکورہ بالا بیان میں دینی مسائل میں ایک گونہ طریق کار ذکر ہوا ہے اور تقسیم اموال میں اسلامی خدمات اور دینی تفوق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ فراست فاروقیؓ کا کمال ہے۔ فاروقی عہد خلافت میں اس طرح شخصیت کی صلاحیتوں کے اعتبار سے دینی اور انتظامی امور تفویض کئے جاتے تھے۔

اسی سلسلے کے موافق سیدنا علی المرتضیٰؓ عہد نبوت سے ہی منصب قضاء پر فائز چلے آ رہے تھے ان کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

"علی بن ابی طالبؓ مدینہ میں سب سے زیادہ قضاء کے مناسب ہیں"۔

یہ مضمون صحابہ کے ذیل اقوال میں مذکور ہے نیز محدثین و مؤرخین نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے مسئلہ قضاء کو کئی عبارات کی شکل میں مندرج کیا ہے:

(بقیہ) ۱ السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۱۰ ج ۶ تحت کتاب الفرائض۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے خطبہ میں فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب ہمارے " اعلیٰ قاضی " ہیں اور ابی بن کعبؓ ہمارے " اعلیٰ قاری " ہیں ۔

(۱) " ۔۔۔ ۔۔ عن ابن عباس خطبنا عمرؓ فقال علی اقضانا وابی بن کعب اقرؤنا "[1]

(۲) " ۔۔۔۔ عن علقمۃ عن عبد اللہ (بن مسعود) قال کنا نتحدث ان من اقضی اھل المدینۃ علی بن ابی طالب "[2]

(۳) ۔۔۔۔۔ " و اقرأھم ابی بن کعب وکان یقال اعلمھم بالقضاء علی "[3]

(۴) اور ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہو گئے تو انہوں نے مدینہ طیبہ پر حضرت علیؓ کو قاضی متعین فرمایا :

" وفیھا ولی عمر بن الخطاب یوم الثلاثاء لثمان بقین من جمادی الاخری منھا فولی قضاء المدینۃ علی بن ابی طالب " ۔ الخ[4]

---

[1] (۱) بخاری شریف ص [illegible] ج ۲ تحت کتاب التفسیر آیت ما ننسخ من آیۃ ۔

(۲) طبقات ابن سعد ص ۱۰۲ ج ۲ القسم الثانی تحت علی المرتضیٰ

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ ص [illegible] ج ۱۰ کتاب فضائل القرآن

(۴) امالی شیخ الطوسی ص ۲۵۶ جلد اول طبع نجف

[2] طبقات لابن سعد ص ۱۰۲ ج ۲ القسم الثانی تحت باب اصحاب الفتیٰ ۔

[3] کتاب سنن سعید بن منصور ص ۲ ج ۳ القسم الاول تحت باب اصحاب الفتیٰ ۔

[4] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] جلد سابع تحت ۱۳ھ ۔

(۵) اور کبار تابعین میں سے سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول نقل کیا ہے۔

اس میں مذکور ہے کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک چیز ثقہ طریقہ سے حضرت علیؓ سے پہنچ جائے تو پھر ہم اس (قول علیؓ) کے برابر کسی چیز کو قرار نہیں دیتے اور ان کے فیصلہ کو قضا کے باب میں اولیت دیتے ہیں۔

۔۔۔۔ وقال سعید بن جبیر کان ابن عباسؓ یقول اذا اتانا الثبت عن علیؓ لم نعدل به؟ [1]

مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہوا کہ منصب قضا خلفاء حضرات کے دور میں جناب مرتضیٰؓ کے لیے متعین تھا اور آپ اس دور کے چیف قاضی شمار کیے جاتے تھے۔ اور ان کے فیصلہ جات میں معیاری حیثیت کے حامل تھے۔

اجرائے حدود اور حضرت علی المرتضیٰؓ

اس کے بعد چند ایک واقعات سیدنا علی المرتضیٰؓ کے قضا کے متعلق پیش خدمت ہیں۔ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے قضا کے بے شمار واقعات علماء نے روایات اور فقہ کی کتابوں میں ذکر کیے ہیں جن کا ضبط تحریر میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم چند ایک واقعات کا ذکر کر دینا مفید خیال کیا گیا ہے۔

زنا پر سزا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بعض دفعہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو شرعی حد لگانے کے لیے مقرر فرمایا جاتا تھا۔

چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک عورت (جاریہ) پر شرعی حد جاری کرنے کا حکم فرمایا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ عورت ایام

[1] الاصابۃ لابن حجر العسقلانی ص ۵۰۷ ج ۲ تحت رقم ۵۶۹۰ (علی بن ابی طالبؓ)

نفاس میں ہے اور مجھے خوف ہوا کہ اگر اس پر حد لگائی تو برداشت نہ کر سکے گی بلکہ مر جائے گی۔
اس چیز کو میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گزارش کی تحسین فرمائی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب میں نے اس کے ایام نفاس میں ہونے کی اطلاع عرض کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایام نفاس کے ختم ہونے تک اجرائے حد کو ملتوی کرنے کا حکم فرمایا۔

۔۔۔۔ فامرنی ان اجلدها فاذا هی حدیث عهد بنفاس۔ فخشیت ان انا جلدتها ان اقتلها۔ فذکرت ذالك للنبی صلی اللہ علیه وسلم فقال احسنت۔ رواہ مسلم
وفی روایة ابی داؤد قال دعها حتی ینقطع دمها ثم اقم علیها ۔۔۔۔ الحدیث[1]

دوسرا واقعہ اسی طرح اجرائے حد کا ایک اور واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جس نے زنا کا اقرار کیا تھا۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے تو اس نے کہا "جی ہاں"۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ اسے رجم کیا جائے گا اور اسے محبوس رکھا۔ جب شام کو حد جاری کرنے کے لیے اسے پیش کیا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے لوگوں کو اس کے جرم سے مطلع فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس کا نکاح تو ہو چکا ہے لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔

تو حضرت علی المرتضیٰؓ یہ چیز معلوم کر کے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کو سنگسار

---

[1] (۱) مشکوٰۃ شریف ص۳۱۱ کتاب الحدود، آخر فصل اول، طبع نور محمدی دہلی بحوالہ مسلم و ابی داؤد۔
(۲) مسند امام احمد ص۹۵ جلد اول طبع اول مصری تحت مسندات علیؓ۔
(۳) مسند امام احمد ص۱۱۶ جلد اول طبع اول مصری تحت مسندات علیؓ۔

رجم نہ کیا جائے بلکہ اس پر زنا کی شرعی حد (اسّی) تازیانے جاری کی جائے۔

(۹۸۵۴) ۔۔۔ عن حنش بن المعتمر قال: اتی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ برجل قد اقر علی نفسہ بالزنا فقال لہ: احصنت؟ فقال: نعم قال: اذا اخرجتم فارتقبوہ الی الحبس فلما کان بالعشی دعا بہ وقص امرہ علی الناس فقال لہ رجل: انہ قد تزوج امرأۃ ولم یدخل بھا۔ ففرح علیٌ بذلک فضربہ الحد۔[1]

سرقہ پر سزا

اسی طرح جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سرقہ پر شرعی حد جاری کرنے کے واقعات محدثین نے درج کیے ہیں: ان میں سے ایک واقعہ درج ذیل ہے۔

ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے حکم سے ایک سارق (چور) کا ہاتھ قطع کیا گیا پھر آپؓ نے اس مقطوعہ ہاتھ کو عبرت اور تنبیہ کے طور پر سارق کے گلے میں لٹکانے کا حکم فرمایا۔ واقعہ ہذا کے ناقل قاسم بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میں نے خود سارق کے گلے میں اس کا مقطوعہ ہاتھ لٹکا ہوا دیکھا۔

(۹۰۴۳) ۔۔۔ عن الاعمش عن القاسم عن ابیہ (عبد الرحمن) ان علیا قطع ید سارق فرأیتھا معلقۃ یعنی فی عنقہ۔[2]

---

[1] کتاب السنن سعید بن منصور ص۴۹ ج۳ القسم الاول تحت باب ما جاء فی الرجل یزنی ۔۔۔ الخ

[2] (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۴۳ ج۱۰ کتاب الحدود طبع کراچی۔

(۲) المصنف عبدالرزاق ص۱۸۴ ج۱۰ تحت باب اعتراف السارق۔

(۳) السنن الکبریٰ بیہقی ص۲۷۵ ج۸ تحت تعلیق الید فی عنق السارق۔

(۹۰۴۳) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عن القاسم بن عبد الرحمان عن ابیہ ان

علیاً قطع ید رجل ثم علقھا فی عنقہ۔"

شراب نوشی پر سزا!

شراب نوشی معاشرہ میں ایک نہایت قبیح عادت ہے اس کے سدِباب کے لیے اسلام نے سخت احکام جاری کیے ہیں

چنانچہ محدثین نے خلافت مرتضوی میں شراب خور کو حد لگانے کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں ایک شخص کو جو شراب سے مخمور تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے نشہ اتر جانے تک روکے رکھو۔ جب اس کا نشہ اتر گیا تو آپ نے اس شخص کو اسّی درّے لگوائے اور حکم دیا کہ ابھی اسے قید خانہ میں رکھو پھر دوسرے دن آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بیس درّے اور لگائے جائیں اور ساتھ ہی یہ تشریح فرمائی کہ اسّی درّے تو ہم نے اسے شراب نوشی کی سزا کے طور پر لگوائے تھے اور بیس درّے ہم نے رمضان شریف کی بے حرمتی کرنے پر لگوائے ہیں۔

(۹۰۷۸) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عن ابی مصعب عطاء بن ابی مروان عن ابیہ

ان علیا اتی بالنجاشی سکران من الخمر فی رمضان فترکہ

حتی صحا، ثم ضربہ ثمانین ثم امر بہ الی السجن ثم

اخرجہ من الغد فضربہ عشرین فقال، ثمانین للخمر و

عشرین لجرأتک علی اللہ فی رمضان[1]

(۹۰۷۹) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عن عطاء بن ابی مروان عن ابیہ قال: اتی برجل شرب

خمراً فی رمضان فجلدہ ثمانین وعزرہ عشرین[2]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۲ ج ۱۰ تحت کتاب الحدود طبع کراچی۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۴۳ ج ۱۰ تحت کتاب الحدود طبع کراچی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اسی نوعیت کا ایک واقعہ قبل ازیں حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں پیش آیا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ نے شراب خور کو شراب نوشی کی سزا کے طور پر اسّی درّے اور رمضان شریف کی بے حرمتی پر بیس درّے مزید لگوائے تھے۔

امام محمد ـــ حدثنا ابو خالد عن حجاج عن ابی سنان البصری

قال اتی عمر برجل شرب خمرا فی رمضان فضربه

ثمانين وعزره عشرين[1]

گزشتہ واقعہ میں جو جناب مرتضیٰؓ نے بیس درّے لگوائے تھے گویا اس کی نظیر پہلے عہد فاروقی میں پیش آچکی تھی اور رمضان المبارک کے احترام کے فقدان کرنے والے کے لیے بیس درّے لگانا صحابہ کرام کے دور کا فیصلہ ہے جو اہل اسلام کے لیے قابل استناد اور لائق حجت ہے۔

اجرائے حد میں انصاف کا تقاضا

نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں حد لگانے کا ایک واقعہ پیش آیا۔

آنجنابؓ نے اپنے غلام قنبر کو ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو باہر لے جا کر درّے لگاؤ جب وہ تازیانے لگا چکا تو مضروب نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ قنبر نے مجھے تین تازیانے مقررہ مقدار سے زیادہ لگائے ہیں تو آنجناب نے قنبر سے اس بارے میں دریافت فرمایا۔ قنبر نے عرض کیا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ اس پر سیدنا علیؓ نے مضروب کو فرمایا کہ تو قنبر کو تین تازیانے لگا دے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے قنبر کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم کسی کو تازیانے لگاؤ تو شرعی حدود سے تجاوز مت کیا کرو۔

یہ چیز علوی دور کے عدل گستری کی بہترین مثال ہے۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ [illegible] تحت کتاب الحدود طبع کراچی۔

(۴-۲۳-۸) ...... فقال علي: يا قنبر، فقال الذي يا قنبر قال: اخرج هذا فاجلده، ثم جاء المجلود فقال: إنه قد زاد علي ثلاثة أسواط، فقال علي: ما تقول؟ قال صدق يا أمير المؤمنين. قال: خذ السوط فاجلده ثلاثة أسواط، ثم قال: يا قنبر! إذا جلدت فلا تعد الحدود۔[1]

تنبیہ:

قضا اور افتاء کے بعض مسائل سابقاً "رحماء بینہم" حصہ فاروقی باب دوم کی فصل اول و دوم میں بقدر ضرورت ذکر ہو چکے ہیں۔

عہد علوی کا عملی نظم

سابق خلفاء کے مطابق تھا

گذشتہ سطور میں رمضان شریف کی بے حرمتی کے سلسلہ میں واقع ذکر کیا ہے اور اس میں حضرت عمر فاروقؓ کے فیصلہ کے مطابق حضرت علیؓ کا عمل درآمد ذکر ہوا ہے۔

اس نوع کے بے شمار واقعات حضرت علیؓ کے عہد میں پیش آئے تھے اور سیدنا علیؓ خلفاء ثلاثہؓ کے فیصلوں کے مطابق عمل درآمد کرتے تھے، اور ان کا طریق عمل ایک طرح کا ہوتا تھا۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۴ ج ۹ تحت کتاب الحدود۔ طبع کراچی۔

۱۔ فاروقی فیصلہ کو تبدیل نہ کرنا

مثلاً کتاب الخراج للامام ابی یوسف ؒ میں مذکور ہے کہ نصاریٰ نجران ایک فیصلہ کے لیے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ جو ان کے حق میں ہوا تھا اس میں حضرت علیؓ سے ترمیم و تنسیخ کرائیں۔ تو اس وقت حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے حق میں فرمایا کہ: "کان رشید الامر"

یعنی حضرت عمرؓ کا ان کے حق میں فیصلہ درست ہے اور وہ صاحب تمیز و درست فیصلہ فرمانے والے شخص تھے۔[له]

اس مقام میں علماء نے درج کیا ہے۔

.... لم یکن علی لیخالف سیرۃ عمر لرشدہ

یعنی مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی سیرت کی مخالفت کرتے تو اس موقعہ پر کر سکتے تھے کیونکہ ان کی اپنی خلافت کا دور تھا اور اس سے کوئی مانع چیز نہیں تھی لیکن انہوں نے فاروقی فیصلوں کا خلاف نہیں کیا بلکہ ان کا احترام ملحوظ رکھا اور عملاً نظم ایک دوسرے کے مطابق رکھا اور ان کی موافقت اختیار کی۔

۲۔ جزیہ کا مسئلہ

اس مقام میں شیعہ کے اکابر مؤرخین نے یہ چیز درج کی ہے کہ اس دور کے مصنف

له (۱) کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص[illegible] فصل فی اہل نجران واھلہا۔

(۲) کتاب السنن لسعید بن منصور صفحہ ۱۹۵-۱۹۴ طبع اول مکہ مکرمہ۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۲۰ ج۱۰ تحت ادب القاضی۔

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۳ ج۱۲ کتاب الفضائل طبع کراچی۔

کاروں اور اہل حرفت پر جزیہ لگایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صنعت کاروں سے ان کی حیثیت کے مطابق جزیہ وصول کرتے تھے۔

اسی طریق کار کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے دور خلافت میں صنعتکاروں پر جزیہ (ٹیکس) لگا کر وصول کرتے تھے اور ان دونوں خلفاء کا طریق کار ایک تھا۔

۔۔۔۔۔ وکان عمرؓ یاخذ الجزیۃ من اھل کل صناعۃ من صناعتھم بقیمۃ ما یجب علیھم وکذالک فعل علیؓ[1]

۳۔ سابق قضاۃ کے ساتھ موافقت کی ہدایت

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک اور فرمان محمد بن سیرین نے نقل کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے دور خلافت میں اپنے قاضیوں کو حکم دیتے تھے کہ جس طرح تم سابق خلفاء کے عہد میں فیصلے کیا کرتے تھے اسی کے مطابق اب بھی فیصلے کیا کرو تاکہ جماعتی نظم قائم رہے۔ میں باہمی اختلاف سے خائف ہوں یعنی سابق احباب واصحاب کے ساتھ اختلاف کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

آنجناب کے اس فرمان سے بالکل واضح ہے کہ آپ جماعتی امور کو پسند کرتے تھے اور اختلاف وانتشار سے اجتناب کرتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ جس طرح میرے احباب واصحاب اختلاف کے بغیر اس عالم سے رخصت ہو گئے ہیں اسی طرح میں بھی اختلاف کے بغیر انتقال کروں۔

۔۔۔۔ عن ابن سیرین ان علیاً قال : اقضوا کما کنتم

---

[1] تاریخ الیعقوبی از احمد بن ابی یعقوب الشیعی ص ۱۵۲ ج ۲ تحت اجتماع ادعاتین من العصر ایام عمر بن الخطاب - طبع بیروت۔

تقضون حتی تکونوا جماعۃ فانی اخشی الاختلاف ۱؎ اھ

اور بخاری شریف کے الفاظ میں یوں مذکور ہے۔

ابن سیرین عن عبیدۃ السلمانی عن علیؓ قال اقضوا کما کنتم تقضون

فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ او اموت

کما مات اصحابی ۲؎

۴۔ اولاد مقاتلہ کے وظائف کا مسئلہ

اسی سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی ذکر کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مقاتلہ کی اولاد کے لیے کچھ وظائف مقرر کیے جاتے تھے جو ان کی ضروریات زندگی کے لیے کفیل ہوتے تھے۔

مقاتلہ ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو اس دور کی جنگی ضرورتوں کے لیے اپنے آپ کو مختص کیے ہوئے تھے۔

اس مقام میں یہ وضاحت کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے:

مقاتلہ کی اولاد کے وظیفے کے متعلق اس دور کے اکابر میں اختلاف رائے ہوا بعض کا یہ خیال تھا کہ مقاتلہ کی اولاد کے لیے وظیفہ کا تقرر اس وقت ہونا چاہیے جس وقت بچے کا فطام یعنی دودھ چھڑایا جائے۔

اور بعض دیگر حضرات کی یہ رائے تھی کہ بچے کی ولادت سے ہی بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہونا چاہیے۔ (یہ وظائف اموال فئی سے ادا کیے جاتے تھے)

قاسم بن سلام ابو عبید اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ:

۱؎ المصنف لعبد الرزاق ص ۳۲۹ ج ۱۰ تحت باب القضاۃ۔

۲؎ بخاری شریف ص ۵۲۶ ج اول باب مناقب علی بن ابی طالب۔ طبع نور محمدی دہلی۔

۔۔۔ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرض لعیال المقاتلۃ وذراریہم العشرات فقال (سلیمان بن حبیب) فامضی عثمان رضی اللہ عنہ ومن بعدہ من الولاۃ ذالک [1]

یعنی حضرت عمر بن الخطاب نے مقاتلہ کے عیال اور اولاد کے لیے عشرات مقرر فرمائے تھے سلیمان بن حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے والیوں نے بھی ان وظائف کو اسی طرح قائم رکھا۔

اسی کتاب الاموال کے صفحہ ۲۲۴ پر درج ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مولود کے لیے اور غلام والوں دونوں کے لیے وظائف مقرر کرتے تھے اور بیت المال سے ادا کرتے تھے۔

اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں سابق حضرات کے عمل کے مطابق ان وظائف کا نظم اسی طرح قائم کئے ہوئے تھے اور مقاتلہ کے مولود کے لیے وظیفہ جاری فرماتے تھے۔

(۴/ ۱۷۹) ۔۔۔ عن ابی الجحاف داؤد بن ابی عوف عن رجل من خثعم قال : ولد لی من اللیل مولود فاتیت علیا حین اصبحنا فالحقہ فی مائۃ [3]

ابو جحاف کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کے ایک شخص (جو مقاتلہ میں سے تھا) نے کہا کہ رات

---

[1] کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۲۴ طبع قدیم مصری۔

[2] قول حضرت الخ اس دور میں وظائف کی یہ ایک مقدار مقررہ تھی ۱۲

[3] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۳۶ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی۔

(۴) کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۲۴ ۔ تحت فرض للذریۃ من الفئ ولعیالہم مع الارزاق علیہم

کو میرا بچہ پیدا ہوا اور صبح کو میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بچے کی ولادت کا ذکر کیا،
تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے مائۃ (یکصد) کی فہرست میں اس مولود کو شامل کرا دیا۔"

حاصل یہ ہے کہ:

۔سابق خلفاء اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں عملی نظم متحد تھا۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ خلفاء ثلاثہؓ کے خلاف نہ تھے اور ان کے اقدامات سابق خلفاءؓ کے موافق تھے اسی ضمن میں فقہی مسائل اس دور کے بھی شمار کئے جاتے ہیں کہ ان مسائل میں سابق خلفاء کے مطابق حضرت علیؓ عمل درآمد رکھتے تھے مثلاً جیسا تراویح کا جماعت سے ادا کرنا جنازہ میں چار تکبیر کہنا وغیرہ وغیرہ

یہ تمام چیزیں ان حضرات کے درمیان اتحاد و یگانگت کی علامات ہیں اور ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کے نمایاں نشانات ہیں جن کو تاریخی طعنیات کے ذریعے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

تنبیہ

فقہی مسائل کے لیے عنقریب ہم ایک مستقل عنوان ان شاء اللہ ذکر کریں گے ان میں حضرت سیدنا علیؓ کا طرز عمل اور طریق کار خوب طرح واضح ہو جائے گا۔

۵۔ ابن حزم اندلسی کا بیان

اسی مسئلہ کو ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب "الفصل فی الملل" میں بڑے عمدہ انداز سے درج کیا ہے گویا یہ مبحث علمی کے لیے ایک اجمالی تجزیہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

ثم ولی علی رضی اللہ عنہ فما غیر حکماً من احکام ابی بکر و عمر و عثمان ولا ابطل عہداً من عہودہم ولو کان ذالک عندہ باطلاً لما کان فی سعۃ من ان یمضی الباطل و ینفذہ وقد ارتفعت

... التقیة عنه [1]

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب والیٔ خلافت ہوئے تو انہوں نے خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ) کے کسی حکم کو تبدیل نہیں فرمایا (یعنی ان کے احکام کو برقرار رکھا) اور ان حضرات کے معاہدہ جات میں سے کسی معاہدہ کو باطل قرار نہیں دیا اگر حضرت علیؓ کے نزدیک یہ چیز باطل ہوتی تو حضرت علیؓ ایک باطل چیز کے اجراء اور نفاذ کے حق میں نہیں تھے اور صورت حالات یہ تھی کہ "تقیہ" مرتفع ہو چکا تھا اور آپ تقیہ کے حیلہ کے محتاج نہیں تھے۔

---

[1] الفصل فی الملل والاہواء والنحل لابن حزم الاندلسی ص ... ج ... طبع بغداد ۔

معاملات میں عدل و انصاف

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف اوصاف و کمالات کے ساتھ متصف تھے۔ ان میں سے عدل و انصاف کا وصف ان میں نہایت نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

انسانی زندگی کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کے متعلق اسلام کی تعلیمات کتاب و سنت کی روشنی میں واضح طور پر موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک فرمان نبوی صلعم تمہیداً پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد اصل مضمون ذکر کیا جائے گا۔

انصاف و غمخواری پر فرمان نبوی

عدل و انصاف کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان حضرت علی المرتضیٰ خود نقل فرماتے ہیں کہ:۔

"۔۔۔۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد الاعمال ثلاثة: ذکر اللہ علی کل حال وانصاف الناس بعضهم من بعض ومواساة الاخوان" [1]

یعنی حضرت علیؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے اعمال میں سے تین چیزیں مشکل ترین ہیں۔

- ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری و ساری رکھنا اور اس سے غافل نہ ہونا۔
- تمام لوگوں میں باہمی عدل و انصاف قائم کرنا۔
- مسلمان بھائیوں کی ہر حال میں خیر خواہی اور غمخواری کرنا۔

---

[1] (۱) اخبار اصبہان ص ۱۶۲ ج ۱ (لابی نعیم الاصبہانی)

(۲) الامالی للشیخ الطوسی الشیعی ص ۱۴۲ ج ۲ طبع ثانی، طبع نجف اشرف۔

اس فرمان نبوی میں معاشرتی زندگی کے بنیادی اور معیاری اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے لوگوں میں مواسات اور باہمی خیرخواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی عملی زندگی میں ان اصولوں پر عمل کر کے مستحکم سے ایک اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ چنانچہ ذیل میں علویؓ عدل و انصاف کے چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

(۱)

آزاد خاتون اور خادمہ کے درمیان مساوات

محدثین نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے عدل و انصاف کے سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں دو عورتیں کچھ مالی اعانت کے لیے حاضر ہوئیں ان میں سے ایک خاتون عرب تھی اور دوسری اس کی خادمہ جو اولاد اسحاقؑ میں سے تھی۔ اس موقعہ پر جناب علی المرتضیٰؓ نے دونوں خواتین کو مساوی طور پر غلہ کی ایک خاص مقدار دی اور چالیس چالیس درہم نقد عنایت فرمائے۔ خادمہ کو جو کچھ ملا تھا وہ لے کر چلی گئی مگر عربی خاتون نے کہا یا امیر المومنین میں عربی خاتون ہوں آپ نے مجھے بھی اتنی ہی مقدار میں غلہ اور نقدی عنایت فرمائی ہے جتنی میری خادمہ کو۔ تو جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں غور و فکر کی ہے اس مسئلہ میں اولاد اسماعیلؑ کو اولاد اسحاقؑ پر کوئی فوقیت نہیں معلوم ہوئی۔

.... فقال لهما علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی نظرت فی کتاب اللہ عز وجل فلم ار فیہ فضلاً لولد اسمعیل علی ولد اسحاق۔ ا ھ

ۃ السنن الکبریٰ للبیہقیؒ کتاب الشروط باب التسویۃ بین الناس فی القسمۃ۔

(۴)

قاضی شریح کا منصفانہ فیصلہ

عدل و انصاف کے سلسلہ میں محدثین یہ واقعہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک نصرانی یا یہودی کو ایک زرہ فروخت کرتے ہوئے دیکھا۔ آپؓ نے اپنی گمشدہ زرہ کو پہچانتے ہوئے اسے کہا کہ یہ زرہ میری ہے مسلمانوں کے قاضی کے پاس چل کر اس چیز کا فیصلہ طلب کر لیجئے چنانچہ یہ نزاع اس وقت کے مشہور قاضی شریح کی مجلس میں پیش ہوا تو قاضی نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنی نشست پر بٹھایا اور خود اس نصرانی یا یہودی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت علیؓ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میرا فریق ثانی مسلمان ہوتا تو میں مجلس قضا میں اس کے ساتھ بیٹھتا لیکن میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ ..... ان لوگوں کو حقیر اور ذلیل قرار دو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیر قرار دیا ہے۔ اور پھر قاضی شریح سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اے شریح! میرے اور اس غیر مسلم کے درمیان زرہ کے مسئلہ میں فیصلہ کیجئے۔ اس پر قاضی نے غیر مسلم سے کہا کہ تو اس مسئلہ میں کیا کہتا ہے تو اس نے کہا کہ میں امیر المؤمنین کو جھٹلاتا تو نہیں لیکن یہ زرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ اس کے بعد قاضی شریح نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے شہادت طلب کی تو آپؓ نے اپنے فرزند اور غلام قنبر کی شہادت پیش کی۔ قاضی نے والد کے حق میں بیٹے کی شہادت کو رد کرتے ہوئے نصرانی یا یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر غیر مسلم نے قاضی کے خلیفہ وقت کے خلاف فیصلہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور پھر تسلیم کیا کہ زرہ واقعی حضرت علی المرتضیٰؓ کے اونٹ سے گر پڑی تھی جسے میں نے اٹھا لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ اپنی زرہ اسے عنایت فرما دی۔

۔۔۔۔۔ امیر المؤمنین یجیئی الی قاضیہ وقاضیہ یقضی علیہ ھی ھو اللہ یا امیر المؤمنین ودعك اتبعتك من الجیش

(۳)

قرنفل کی تقسیم میں حضرت علیؓ کا انصاف

معاشرتی زندگی میں جناب علی المرتضیٰؓ نے ہمیشہ انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں دیا خصوصاً بیت المال کے معاملہ میں آنجنابؓ کے واقعات عدل و انصاف کے باب میں مشہور و معروف ہیں۔

چنانچہ محدث ابن ابی شیبہؒ نے اس سلسلہ میں کئی واقعات ذکر کیے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خادمہ (ام ولد) آنجنابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت آپ کے سامنے قرنفل (لونگ) سے تیار شدہ ایک ہار موجود تھا خادمہ نے اسے اپنی دختر کے لیے طلب کیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ درہم لاؤ تاکہ تجھے قرنفل دیے جائیں یہ مسلمانوں کا مال ہے (مفت نہیں دیا جا سکتا) اگر درہم پاس نہیں ہیں تو پھر مدت کے لیے صبر کرو تاکہ ہمیں ہمارا حصہ اس میں سے مل جائے تو ہم تجھے تیری دختر کے ہار کے لیے اس میں سے حصہ دیں گے۔[1]

یہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیت المال کے معاملہ میں کمال تقویٰ اور دیانت ہے کہ اپنے خدام اور کنیزوں کے لیے بھی بغیر استحقاق کے چند قرنفل دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

... فقالت یا امیر المؤمنین! ہب لابنتی من ہذا القرنفل قلادۃ فقال ہکذا ونقد بیدہ: ہاتی درہماً جیداً فانما ہذا مال المسلمین والا فاصبری حتی یأتینا حظنا منہ فنہب لابنتک منہ قلادۃ۔[1]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۶۲-۲۶۳ ج ۱۲ کتاب الزہد طبع کراچی۔

(۳)

بیت المال سے لیموں کی منصفانہ تقسیم

حضرت علی المرتضیٰؓ کے انصاف کا ایک اور واقعہ محدث ابن ابی شیبہؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ: جناب کی صاحبزادی ام کلثومؓ بنت علی کا غلام ابو صالح تھا۔ وہ ام کلثومؓ کی خدمت کرتا تھا وہ ذکر کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ ام کلثوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دونوں برادران حضرت حسنؓ و حسینؓ بھی تشریف لا سکے تو اس دوران انہوں نے فرمایا کہ اپنے غلام ابو صالح کو کھانے کے لیے کوئی چیز دی ہے؟ تو ام کلثوم نے کہا کہ اب دیتے ہیں۔ پس انہوں نے سالن کا ایک پیالہ بھیجا۔ اس میں ایک قسم کے دانہ کا شوربہ تیار شدہ تھا۔ ابو صالح کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ تم وقت کے امراء ہو اور مجھے یہ معمولی کھانا دیتے ہو تو اس کے جواب میں ام کلثوم نے فرمایا کہ اے ابو صالح! تو اگر امیر المومنین علی المرتضیٰؓ کو دیکھتا تو اور تعجب کرتا۔ پھر انہوں نے حضرت علیؓ کے انصاف کا ایک واقعہ سنایا فرمانے لگیں کہ ایک دفعہ کچھ لیموں حضرت علیؓ کی خدمت میں لائے گئے اور وہ بیت المال کی ملک تھے تو حضرات حسنینؓ اس میں سے اپنی ضرورت کے لیے لینے لگے تو حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ سے لیموں لے لیے اور حکم دیا کہ ان کو مستحقین پر تقسیم کیا جائے۔

۔۔۔ قالت ام کلثوم بنت علیؓ یا ابا صالح فکیف لو رأیت امیر المومنین واتی باترنج فذھب حسن وحسین یتناولان منہ اترجۃ فنزعھا من یدہ ثم امر بہ فقسم[۱]

---

[۱] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۴۲-۲۴۳ ج ۱۲ تحت کتاب الزہد طبع کراچی۔

(۲) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۲ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی۔

(۵)

شہد کے معاملہ میں انصاف

اسی طرح حضرت علیؓ کے انصاف کا ایک دیگر واقعہ علماء ذکر کیا کرتے ہیں کہ اس دور میں اصفہان وغیرہ کے علاقے پر عمرو بن سلمہ کو عامل بنایا تھا۔ وہاں سے وہ شہد اور دیگر اشیاء لائے تھے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے تو وہ شہد اور دیگر چیزیں حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیں۔ آنجناب نے اس کو رحبہ کے مقام میں ان چیزوں کو رکھوا دیا اور مسلمانوں میں تقسیم ہونے تک اس پر محافظ اور امین مقرر کر دیئے۔

اس دوران میں جناب کی صاحبزادی ام کلثوم بنت علیؓ کو اس مال کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے مال کے امین کے پاس آدمی بھیجا کہ شہد اور گھی کے مشکیزوں میں سے ایک ایک مشکیزہ ہمیں بھی دیا جائے ہمیں ضرورت ہے۔

حضرت علیؓ نماز کی طرف جب تشریف لے گئے تھے تو اس مال کو شمار کر کے گئے تھے جب واپس تشریف لائے اور مال کو ملاحظہ فرمایا تو اس مال میں سے دو مشکیزے ایک عسل کا اور ایک گھی کا کم پائے گئے پس آپؓ نے امین کو بلا کر اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا پھر بعد میں حضرت علی کے زور ڈالنے پر اس نے اصل معاملہ عرض کر دیا کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم نے اس طرح آدمی بھیجا تھا اور میں نے انہیں یہ دونوں مشکیزے بھجوا دیئے ہیں۔

اس حقیقت حال معلوم ہونے پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی طرف قاصد بھیجا کہ یہ دونوں مشکیزے شہد اور گھی کا واپس کر دیں جب وہ دونوں مشکیزے واپس لائے گئے تو ان پر دونوں میں سے کچھ مقدار کم پائی گئی پھر آپ نے تجار سے اس کم شدہ مال کی قیمت لگوائی تو اس کی قیمت تقریباً تین درہم سے کچھ زیادہ تھی اس کے بعد آنجناب

نے ام کلثوم کی طرف آدمی بھیجا کہ یہ قیمت ہماری طرف بھیج دیں۔ چنانچہ وہ دراہم حاصل کر لیے گئے۔ پھر اس کے بعد حضرت علیؓ نے باقی مشکیزوں کے متعلق حکم دیا اور وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔

"۔۔۔ ثم بعث الی ام کلثوم ان ردی الزقین فاتی بهما مع ما نقص منهما فبعث الی التجار فقوموهما مملوءتین وناقصین فوجدوا فیهما نقصان ثلاثة دراهم وشیء فارسل الیها ان ارسلی الینا بالدراهم ثم امر بالزقاق فقسمت بین المسلمین۔" ؎

(۶)

ایک روٹی کی سات حصوں میں تقسیم

ماقبل میں چند ایک چیزیں معاشرتی زندگی میں انصاف و عدل کے متعلق ذکر کی گئی ہیں۔ انصاف کے واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس ایک دفعہ اصبہان کے علاقہ سے کچھ مال آیا۔ اس کو آنجنابؓ نے حسب موقع سات حصوں پر تقسیم فرمایا اس کے بعد ایک روٹی تھی جو تقسیم سے باقی رہ گئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس کے سات ٹکڑے بنا کر مال کے ساتوں حصوں پر رکھوا دیے اور پھر اس کے بعد لوگوں میں قرعہ اندازی کے موافق سے تقسیم کر دیا گیا۔

"۔۔۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتاہ مال من اصبہان فقسمہ بسبعۃ اسباع ففضل رغیف فکسرہ

؎ کتاب ذکر اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی ص ۱۲۰ تحت عنوان واما الوقف معہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعرفات، طبع لیڈن۔

يبيعه كسر فوضع على كل جزء كسرة ثم قرع بين الناس

ايهم يأخذ اول [1]

بازار والوں پر سلام کہنا

اہل تراجم حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ بازار میں جب تشریف لے جایا کرتے تھے تو پہلے اہل بازار پر سلام کہتے تھے سلام کہنا اسلام کا اہم معاشرتی اصول ہے بنابریں سیدنا علی المرتضیٰؓ بازار والوں کے ساتھ ابتداء بالسلام کرتے تھے۔ اس طریقہ سے سنت نبوی کی اتباع ہوتی اور اہل اسلام کے لیے عملاً اس مسئلہ کی تبلیغ اور تاکید بھی ہے۔

...... قال حدثنی ابو سعید بیاع الکرابیس ان علیاً

کان یاتی السوق فیقف اذا مر فیسلم علیهم [2]

خرید اشیاء اور کمال تقویٰ

بعض خصائل حسنہ علی المرتضیٰؓ کی ایسی پائی جاتی ہیں جو دیگر حضرات میں بہت کم ملیں گی۔ ان خصوصی خصائل کی بنا پر آنجنابؓ کا کمال تقویٰ انتہائی درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ تراجم نویس حضرات نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ لباس خریدنے کے لیے بازار میں تشریف لے گئے آپؓ نے صاحب دکان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ تو اس دکاندار نے کہا کہ ہاں امیرالمومنین میں آپؓ کو پہچانتا ہوں۔ تو آنجنابؓ اس دکان سے آگے گزر گئے

---

[1] (۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۴۶ جلد سادس تحت باب القسمة بین الناس فی القسمة۔

(۲) الاستیعاب مع الاصابہ ص ۴۷ ج ۳ تحت حرف العین تذکرہ علی بن ابی طالبؓ۔

[2] طبقات لابن سعد ص ۲۷ ج ۳ تحت ذکر صفة علی بن ابی طالبؓ۔

اور دوسرے دکاندار کے پاس پہنچ کر ارشاد فرمایا کہ آپ مجھ سے متعارف ہیں تو اس نے عرض کیا کہ میں آپ کو نہیں پہچانتا تو آنجناب نے اس سے قمیص کے لیے کپڑا خریدا اور اس کپڑے کا قمیص تیار کروایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ذکر فرمائی ۔

اس نوعیت کے رویہ سے آنجناب کا مقصد ظاہر طور پر یہی ہے کہ جان پہچان والے شخص سے اگر اشیاء کی خرید کریں گے تو وہ بے جا ازراہ لحاظ کم قیمت لگا کر رعایتاً فروخت کرے گا اور اس صورت میں احسان برداشت کرنا پڑے گا جب کہ غیر متعارف شخص سے یہ بات صادر نہ ہوگی بلکہ وہ خرید شدہ اشیاء کی پوری قیمت وصول کرے گا اور اس طرح وہ کسی خسارہ میں نہیں رہے گا ۔

یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کمال تقویٰ اور دیانت داری ہے جس کی نظیر کا پایا جانا دشوار ہے یہ اہل تقویٰ کا اعلیٰ کردار ہے جو عام لوگوں میں بہت کم پایا جاتا ہے ۔

"۔۔۔۔ سمعت فروخ مولی بنی الاشتر قال رأیت علیاً[1]
فی بنی دیوار دار غلام مرتفعا فالتعرفنی فقلت تعرفانت
امیر المؤمنین یشتری اخر فقال اتعرفنی فقال لا فاشتری
منه قمیصا زابیا فلبسه"

حلیمانہ طرز عمل

محدثین نے بازار سے متعلق حضرت علی المرتضیٰ کا ایک اور عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ بازار میں تشریف لے گئے ۔ اتفاقاً بارش ہونے لگی تو اس حالت میں آنجناب ایک دکاندار کے خیمہ کے نیچے بارش سے بچنے کے لیے کھڑے ہو گئے وہ صاحب خیمہ جو آپ کو پہچانتا نہیں تھا آپ کو خیمے سے باہر نکالنے لگا ۔ تو حضرت علی المرتضیٰ

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۱ ج ۳ قسم اول تحت علی بن ابی طالب ۔ طبع لیڈن

فرما رہے تھے کہ میں بارش سے بچنے کے لیے خیمے میں پناہ لے رہا ہوں۔

صاحب خیمہ فارسی تھا اسے بعد میں جب بتلایا گیا کہ یہ تو امیر المومنین علی المرتضیٰؓ تھے تو وہ اپنے فعل پر نہایت پریشان اور پشیمان ہوا اور اپنے اضطراب کا اظہار کرنے لگا۔

(۲۲۸) ..... عن ذر عن ابی عبید المحاربی قال: رأیت علیاً اصابتہ السماء وھو فی السوق، فاستظل بخیمۃ لفارسی، فجعل الفارسی یدفعہ عن خیمتہ وجعل علیؓ یقول انما استظل من المطر، فاخبر الفارسی بعد انہ علیؓ فجعل یضرب صدرہ۔[1]

کار خویش بدست خویش

محدثینؒ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اخلاق حسنہ اور تواضع و انکساری کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک دفعہ ایک درہم کے خرما خرید فرمائے۔ وہ ان کو اپنے کپڑے میں لپیٹ کر اپنے دوش پر اٹھا کر لے جانے لگے تو ایک شخص نے عرض کیا یا امیر المومنین: یہ کھجوریں میں اٹھا کر پہنچا دیتا ہوں۔ تو سیدنا علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا جائے صاحب عیال اس چیز کے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

گویا یہ عمل تعلیم ہے کہ انسان اپنا کام خود کرے تو بہتر ہے اور ساتھ ہی اتباع سنت نبوی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

..... حدثنا صالح بیاع الاکسیۃ عن جدتہ قالت رأیت علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشتری تمراً بدرھم فحملہ فی ملحفتہ فقلت لہ وقال لہ رجل: احمل

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۵۳ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد والاقضیہ - طبع کراچی۔

عنده يا امير المؤمنين ؟ قال لا يؤذنها حتى ان يعمل ـ له

اہلِ السوق کیلئے مرتضوی ہدایات

اسلام میں معاشرتی اصولوں کے تحت ہر ایک طبقہ کے لیے ہدایات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ تجار اور اہل بازار کے لیے بھی اسلام کی طرف سے ضوابط موجود ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سلسلہ میں بعض اوقات بازار میں خود تشریف لے جاتے تھے اور اہل بازار کو مندرجہ ذیل ہدایات دیتے۔ ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے واقعہ ہذا کے ناقل نے بعض دفعہ کی بہت کارروائی اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بازار کی طرف تشریف لائے ہیں آپ دو موٹی چادریں زیب تن کیے ہوئے تھے اور آپ کا تہبند نصف ساق کے قریب تک پہنچا تھا۔ اور آپ کے دست مبارک میں درہ تھا اور بازار میں گشت کر رہے تھے اور اہل بازار کو حکم فرماتے تھے کہ اللہ سے خوف کرو تقویٰ اختیار کرو خرید و فروخت کے معاملہ میں راست بازی سے کام لو اور ماپ تول کے سلسلہ میں کمی بیشی نہ کرو اور گوشت کو پھلاؤ نہیں۔

کاروباری امور کے لیے یہ بنیادی اصول ہیں ان کے ملحوظ رکھنے سے خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان تجارتی معاملات درست رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق کا ضیاع نہیں ہوتا۔

...... قال رأيت عليا وهو خارج من القصر وعليه قطريتان ازار الى نصف الساق ورداء مشمر قريب منه ومعه درة له يمشي بها في الاسواق ويامر الناس بتقوى الله وحسن البيع ويقول :

له ـ [illegible] طبع مصر

اوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم

عمّال کیلئے منصفانہ طریق عمل کی تلقین

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منصفانہ طریق کار کے چند ایک واقعات سابقاً ذکر ہو چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اب ان کے عمال و حکام کے متعلق آنجناب کا جو طرز عمل تھا اور جو خصوصی ہدایات دی جاتی تھیں اس کے متعلق بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

(1) —— الاکابر علماء نے اس نوعیت کا ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ بنی ثقیف کے ایک شخص کو آنجناب نے ایک علاقہ (عکبرا) کی طرف خراج کی وصولی کے لیے روانہ کرنے کا قصد فرمایا تو اس موقعہ پر اس معاملہ کے لیے خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

- ایک تو تم نے ان لوگوں سے خراج (شرعی ٹیکس) وصول کرنا ہوگا۔ اور اس معاملہ میں اپنی طرف سے کوئی رعایت یا معافی نہ کرنا ہوگی۔
- اور دوسرا یہ کہ وہ لوگ وصولی کے سلسلہ میں تجھ میں کمزوری نہ پائیں۔
- اس کے بعد ایک دوسرے وقت میں اسے بلا کر ہدایت فرمائی کہ جب تم ان لوگوں میں پہنچو تو خراج کی وصولی کے سلسلہ میں ان لوگوں کے گرمی یا سردی کے لباس اور ان کی خوراک اور وہ جانور جن سے وہ بار برداری کا کام لیتے ہیں ان کو ہرگز نہ بیچنا۔
- فراہمی کے سلسلہ میں کسی شخص کو دُرّے نہ لگانا۔
- طلب درہم کے سلسلہ میں کسی دیگر شخص کو مسلط نہ کرنا۔
- اور خراج کی وصولی کے لیے ان کے کسی شخص کے سامان کو فروخت نہ کرنا۔

---

[1] البدایہ لابن کثیر ص ... ج ... تحت ذکر شیئ من سیرتہ العادلہ ... الخ

[2] [illegible] ص ... جلد ثالث تحت عرف العین تذکرہ حضرت علیؓ۔

[3] طبقات ابن سعد ص ... ج ... تحت ذکر لباس علیؓ۔

● وصولی کے معاملہ میں بھی یہ حکم ہے کہ ان کی زائد چیزوں میں سے حاصل کیا جائے۔

پھر آنجناب نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو احکام دیئے ہیں اگر تم نے اس کا خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے اور میں تجھے معزول کر دوں گا۔

یہ ہدایات سن کر وہ کہنے لگا کہ میں تو پھر جیسے جا رہا ہوں ویسے ہی لوٹ آؤں گا یعنی مجھے کچھ وصول نہ ہوگا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا اگرچہ تو خالی ہاتھ ہی واپس لوٹے ان احکامات پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔

وہ عامل کہتا ہے کہ میں چلا گیا اور آنجناب کی ہدایات پر عمل کیا اور پورا پورا خراج وصول کر کے واپس ہوا۔

یعنی ان اصولوں پر عمل کرنے کی یہ برکات تھیں کہ خراج کی وصولی صحیح طریقہ پر ہوئی اور بیت المال کی آمدنی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ کتاب الخراج میں یہ واقعہ اس طرح مندرج ہے کہ:

۔۔۔۔۔۔ عن عبد الملك بن عمير قال: حدثني رجل من ثقيف قال: استعملني علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه على عكبرا فقال لي: واهل الارض معي يسمعون: انظر ان تستوفي ما عليهم من الخراج. واياك ان ترخص لهم في شيء واياك ان يروا منك ضعفاً. ثم قال: رح الي عند الظهر، فرحت اليه عند الظهر فقال لي: انما اوصيتك بالذي اوصيتك به قدام اهل عملك لانهم قوم خدع، انظر اذا قدمت عليهم فلا تبيعن لهم كسوة شتاء ولا صيفا ولا رزقا ياكلونه، ولا دابة يعملون عليها، ولا تضربن احداً منهم سوطاً

واحداً في درهم، ولا تقمه على رجله في طلب درهم، ولا تبع لاحد منهم عرضاً في شيء من الخراج فانا انما امرنا ان نأخذ منهم العفو، فان انت خالفت ما امرتك به ياخذك الله به دوني وان بلغني عنك خلاف ذالك عزلتك۔ قال قلت اذن ارجع اليك كما خرجت من عندك قال: وان رجعت كما خرجت۔ قال فانطلقت فعملت بالذي امرني به، فرجعت ولم انتقص من الخراج شيئاً" لہ

(۲) اسی طرح ایک اور دوسرا واقعہ عمال کی تعیین اور اصلاح کے متعلق اکابر علماء نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ بنی اسد کے ایک شخص کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے عامل بنا کر بعض علاقوں میں روانہ فرمایا جب وہ اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے بعد واپس ہوا تو حضرت امیرالمومنینؓ کی خدمت میں حاضری دی۔ اور عرض کرنے لگا کہ اس سفر کے دوران چند اشیاء ہدیہ مجھے پیش کی گئی ہیں۔ اور وہ میں نے آنجنابؓ کی خدمت میں حاضر کر دی ہیں اگر یہ صورت میرے لیے جائز اور حلال ہو تو میں ان کو استعمال کروں اور اگر میرے لیے یہ حلال نہ ہوں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہیں (اب آپؓ جس طرح ارشاد فرمائیں)

تو اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان ہدایا کو قبضہ میں لے لیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان چیزوں کو روک رکھتے (اور بیت المال میں نہ دیتے) تو یہ چیزیں غلول کے حکم میں ہوتیں (یعنی اموال غنیمت سے جو چیز پوشیدہ طور پر حاکم وقت کی اجازت کے بغیر لے لی جائے اس کو اسلام میں غلول کہتے ہیں۔ اور وہ مال مسروقہ میں شمار کیا جاتا

لہ (۱) کتاب الخراج لامام ابی یوسفؒ ص ۱۲۰ تحت احادیث ترغیب تخفیف۔

(۲) کتاب الخراج لیحیی بن آدم القرشی ص ۶۱ باب ما الجزیۃ والخراج۔

(۲۰۷) ... عن علی بن ربیعة ان علیاً استعمل رجلاً من بنی اسد یقال له ضبیعة بن زهیر او زهیر بن ضبیعة. فلما جاء قال: یا امیر المؤمنین! انی اهدی الی فی عملی اشیاء وقد اتیتک بها فان کانت حلالاً اکلتها والا فقد اتیتک بها فقبضها علیؓ وقال: لو حبستها کان غلولاً.[1]

یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا ہے کہ بیت المال کے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے جو لوگ اطراف میں بھیجے جاتے ہیں ان کو اس دوران جو ہدیہ یا تحفے تحائف پیش کیے جائیں وہ بیت المال کا حق ہوتا ہے اور ان ہدایا کا ذاتی استعمال جائز نہیں۔

معاشرتی احوال

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کے معاشرتی احوال کے متعلق بعض چیزیں سابقاً ذکر ہو چکی ہیں۔ اسی سلسلہ میں کچھ مزید چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔

جذبۂ خیر خواہی

اسلام میں ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے حق میں خیر خواہی کرنے کا حکم ہے اور دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی عند اللہ نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ نصیحت اور خیر خواہی کے واقعات اکابرین امت میں بہت پائے جاتے ہیں جن سے ان کے کردار کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا محدثین نے ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ عہد نبوی صلعم میں پیش آیا تھا۔

کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا جنازہ

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۴۲ ج ۶ کتاب البیوع والاقضیہ، طبع کراچی۔

لایا گیا جس کے ذمے قرض تھا۔ اور اس کے ترکہ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے اس کے قرض کی ادائیگی کی جاسکے۔ جب یہ چیز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھو۔ اس پر میں نماز جنازہ نہیں پڑھتا۔

تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص کے قرض کو ادا کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں آپ اس پر نماز جنازہ ادا فرمائیے۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

... عن ابی سعید الخدری: قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنازۃ لیصلی علیہا فقال ہل علی صاحبکم دین قالوا نعم۔ قال ہل ترک لہ من وفاء قالوا لا قال صلوا علی صاحبکم قال علی بن ابی طالب علی دینہ یا رسول اللہ! فتقدم فصلی علیہ[1]

ایک دوسری روایت میں اسی واقعہ کے متعلق کچھ مزید الفاظ اس طرح پائے جاتے ہیں:

"وقال فک اللہ رھانک من النار کما فککت رھان اخیک المسلم لیس من عبد مسلم یقضی عن اخیہ دینہ الا فک اللہ رھانہ یوم القیامۃ"[2]

یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علیؓ! تم نے اپنے مسلم بھائی کی گردن قرض سے آزاد کرائی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری گردن کو آتش جہنم سے آزاد فرمائے گا۔ اور فرمایا کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے قرض کو ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو قیامت کے روز آزاد فرمائیں گے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۲۵۳ تحت باب الافلاس والانظار۔ الفصل الثانی۔ رواہ فی شرح السنۃ۔

[2] مشکوٰۃ شریف ص۲۵۳ رواہ فی شرح السنۃ تحت باب الافلاس والانظار۔ الفصل الثانی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی زندگی میں اس نوع کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ جذبہ خیرخواہی کے بیان کرنے کے لیے یہی واقعہ کافی ہے اور ان کی طرف سے امت کے لیے ایک عملی نمونہ ہے اور دوسری طرف قرض ادا کرنے والے کے لیے تعجیل کرنا لازم ہے۔ اور اس کے تاخیر کرنے میں اتنا وبال ہے کہ نبی اقدس صلعم کی جانب سے نماز جنازہ کی سعادت سے محرومی ہوتی ہے اور پھر آخرت کا محاسبہ مزید برآں ہوگا۔

مجلسی آداب

آداب مجالس کے لیے دین اسلام میں بے شمار ہدایات پائی جاتی ہیں ان آداب کو ذکر کرنا طوالت کا متقاضی ہے۔ فی الحال ہم یہاں حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق ایک واقعہ ذکر کرنا مفید خیال کرتے ہیں وہ اس طرح ہے کہ ایک شخص ابو خالد الوالبی ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب علیؓ ہمارے پاس مجلس میں تشریف لائے۔ ہم بیشتر ان کے انتظار میں کھڑے ہوگئے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ صورت حالات ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ آپ خاموش میرے انتظار میں متحیر اور حیران شکل میں کھڑے ہیں۔

(یعنی اس طرح لوگوں کا مجلس میں کھڑے رہنا آپ کو ناپسند ہوا اور آپ نے ان لوگوں کو یہ کلمات فرمائے)

۔۔۔۔ عن ابی خالد الوالبی قال : خرج علینا علی بن ابی طالب ونحن قیام ننتظره لیتقدم فقال مالی اراکم سامدین۔[1]

حاصل یہ ہے کہ درباروں میں اور بڑے آدمیوں کی مجالس میں لوگوں میں کھڑے رہنا اہل زمانہ کی رسوم تھیں اور اسلامی عادات کے برخلاف جاہلیت کے طور و طریق تھے اس بنا پر جناب علی المرتضیٰؓ نے اس پر اظہار نفرت فرمایا۔

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۱۶۰ ج ۶ تحت ابی خالد الوالبی۔

معاشی احوال

ابتدائی حالات میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا گزران نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہوتا تھا جس طرح کہ ان کے اوائل زندگی کے احوال میں دستیاب ہوتا ہے پھر آنجنابؓ کی ازدواجی زندگی جب شروع ہوئی تو اس دور میں غزوات شروع ہو گئے آپؓ ان غزوات میں شریک ہوتے اور اموال غنائم اور خمس وغیرہ سے حصہ حاصل کرتے تھے۔ اور خیبر کے اموال غنائم سے دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کو بھی مستقل حصہ ملا تھا۔

عہد نبوی صلعم میں غنائم اور خمس سے معاشی ضروریات پوری ہوتی تھیں لہٰذا آپ اپنا تمام وقت دین اسلام کے احیا و بقا کے معاملات میں صرف کرتے تھے۔ اس مبارک عہد کے تمام واقعات اس چیز پر شاہد ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد میں اموال فئی و خمس سے حضرت علیؓ کو حسب دستور حصہ ملتا تھا اور بنی ہاشم میں اموال مذکورہ کی تقسیم حضرت علیؓ کے ہاتھوں سے کی جاتی تھی بلکہ ان اموال کی تولیت بھی ان کے سپرد تھی۔[1]

نیز عہد فاروقی میں بھی حضرت علی کے لیے اموال غنائم اور خمس میں سے باقاعدہ حصہ ملتا تھا۔ اور خاص طور پر جناب فاروق اعظمؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے بعض قطعات اراضی متعین فرما دیے تھے۔ ینبع کے مقام پر ایک بڑی جائداد انہی قطعات اراضی میں سے ایک تھی جس کی معقول آمدنی تھی۔[2]

---

[1] ہماری کتاب "رحماء بینہم" حصہ صدیقی ص ۱۹۱ تا ۱۹۹ میں تفصیلات مسئلہ ہذا ملاحظہ فرما دیں۔

[2] ینبع کے مقام میں قطع اراضی کا دیا جانا حسب ذیل مقامات میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۷۰ ج ۱۲ کتاب الجہاد طبع کراچی۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۴۲ ج ۶ باب اقطاع الموات۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں دستورِ سابق کی طرح جو ذرائع آمدن اور معاشی اسباب تھے وہ بدستور قائم تھے اور حضرت عثمانؓ اموالِ غنی اور غنائم میں سے حضرت علیؓ کو باقاعدہ حصہ بھیجا کرتے تھے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں عہدِ عثمانی کے حالات میں ذکر کر دیا ہے۔ اور اپنی کتاب "رحماء بینہم" حصہ عثمانی میں صفحہ ۱۵۷ تا ۱۶۳ باب چہارم تحت عنوان ششم ان مسائل کو بالوضاحت ذکر کر دیا ہے۔

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے اپنے عہدِ خلافت میں آنجنابؓ کے مالی معاملات سابقہ اصول کے مطابق درست تھے۔

لیکن ذاتی ضروریات آنجناب بیت المال سے بالکل قلیل وظیفہ حاصل کرتے تھے جو بقدرِ کفایت اور بقدرِ ضرورت ہوتا تھا۔

اس مقام میں علماء نے لکھا ہے کہ خلفاءؓ بیت المال سے ایک قلیل وظیفہ کے حصول پر اکتفاء کرتے تھے۔ مثلاً حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ:

"... کان یاخذ فی کل یوم من بیت المال ثلاثۃ دراھم اجرتاً۔" لہ

یعنی حضرت صدیقؓ بیت المال سے روزانہ تین درہم بطورِ وظیفہ حاصل کرتے تھے۔

(وظیفہ ہٰذا کے مسئلہ میں مؤرخین کے دیگر اقوال بھی ہیں جو طبقات ابن سعد جلد ثالث تحت تذکرہ صدیقؓ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔)

وظیفہ کے سلسلہ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کا)

(۳) وفاء الوفاء للسمہودی ص ۱۴۰۳ جلد رابع فصل ثامن تحت ینبع۔

(۴) معجم البلدان لیاقوت حموی ص ۴۵۰ ج ۸ تحت ینبع۔

(۵) رحماء بینہم حصہ فاروقی ص ۱۶۳ تا ۱۶۷ فصل رابع میں مزید تفصیلات ملاحظہ فرماویں۔

لہ تاریخ الخمیس ص ۲۴۶ طبع بیروت۔

اور بیت المال سے لباس حاصل کرنے کے متعلق علماء روایت درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے بالکل بقدر کفایت بعض اوقات مال حاصل کرتے تھے محققین نے درج کیا ہے کہ:

"۔۔۔۔۔ عن عبد الرحمان بن ابی بکرۃ قال ما رزأ علیؓ من بیت مالنا حتی فارقنا الا جبۃ محشوۃ وخمیصۃ درابجردیۃ"[1]

یعنی عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بیت المال سے (لباس کے سلسلہ میں) حضرت علی المرتضیٰ کچھ نہیں لیتے تھے مگر ایک جبہ (پہننے کا پیراہن) اور استعمال کے لیے ایک چادر حاصل کرتے تھے۔

معاشی حالات کا دوسرا رخ

مورخین نے لکھا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لیے چند اراضی متعین فرما دی تھیں۔ الفقیران، بیر قیس، والشجرۃ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علیؓ کے لیے ینبع کے مقام میں ایک اراضی متعین کر دی تھی پھر وہاں حضرت علیؓ نے آبادی قائم کی اور اس ینبع کے ساتھ مزید وہاں اضافہ کر لیا۔

"۔۔۔۔۔ عن جعفر بن محمد قال: اقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیاً رضی اللہ عنہ اربع ارضین، الفقیرین وبئر قیس والشجرۃ واقطعہ عمر ینبع واضاف الیہا غیرہا"[2]

---

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۹۵ ج ۱۲ کتاب المغازی طبع کراچی۔

(۲) کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام ص ۲۸۲ تحت توفیر الفیئ للمسلمین وایثارہم۔

(۳) معجم البلدان یاقوت الحموی ص ۴۴۹ ج ۵ بیروت تحت "ینبع"۔

ینبع کے مقام پر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جاگیر دی گئی ہے اس کی تشریح کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ:

"ینبع حصن به نخیل وماء وزرع وبها وقوف علی بن ابی طالب رضی اللہ عنه یتولاها ولده"[1]

مطلب یہ ہے کہ ینبع ایک ایسا مقام ہے جس کو ایک قلعہ کی حیثیت حاصل ہے وہاں کھجور کے باغات ہیں اور وہاں پانی کے چشمے ہیں اور وہاں کھیتیاں ہیں۔ اور اس مقام میں علی بن ابی طالبؓ کے لیے کئی اوقاف تھے۔ اور ان کے متولی ان کی اولاد تھی۔

ینبع کے مقام میں جو حضرت علیؓ کے اوقاف تھے مزید علماء نے تشریح یہ بھی کی ہے کہ ان کے متعلق آنجنابؓ کی طرف سے یہ شرائط تھے کہ:

"لا یباع ولا یوهب ولا یورث کل مال فی ینبع"[2]

یعنی یہ صدقات قابل فروخت نہ ہوں گے اور نہ کسی دیگر شخص کو ہبہ کیے جا سکیں گے اور نہ ان میں وراثت جاری ہوگی۔ دیگر یہ اوقاف للہ فی اللہ جاری رہیں گے۔ اور امور خیر ان کا مصرف ہوگا۔

مزید براں اس کے ماسوا بھی علماء کرام نے حضرت علیؓ کی جاگیریں اور صدقات درج کیے ہیں ایک کا نام عین تخیس اور ایک عین ابی نیزر اور ایک عین البغیبغہ۔

ان کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقام میں اہل تحقیق ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۱) وفاء الوفاء نور الدین السمہودی ص ۱۲۶۲ ج ۴ تحت عین تخیس۔

(۲) وفاء الوفاء للسمہودی ص ۱۲۶۲ ج ۴ تحت عین ابی نیزر۔

---

[1] معجم البلدان لیاقوت الحموی ص ۴۵۰ ج ۸ طبع بیروت۔ تحت ینبع۔

[2] المصنف عبد الرزاق ص ۳۷۵ ج ۱۰ تحت وصیت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ جناب علی المرتضیٰؓ کی متعدد جائیدادیں تھیں اور کئی اوقاف اور صدقات تھے جن میں سے بعض چیزوں کی نشاندہی اوپر کر دی گئی ہے

ادھر حضرت علیؓ کے زاہدانہ حالات اور فقر و فاقہ کے احوال بھی پیش کیے گئے ہیں تو ان دونوں احوال زندگی کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ طبعاً درویش منش اور فقیر طبع تھے۔ اور یہ جائیدادوں کی آمدنی کا مسئلہ اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ سب چیزیں یہ لوگ اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے اور ان اموال میں سے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی راہ میں صرف کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔

فلہذا ان کی معاشی حالات کے دونوں رخ اپنی اپنی جگہ پر بالکل درست ہیں اور ان میں کوئی تضاد نہیں۔

مخصوص صحیفہ کا مسئلہ

شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد میں سے ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کے پاس اس قرآن مجید کے علاوہ ایک "مخصوص صحیفہ" تھا جسے بعض روایات میں "الجامعہ" اور "مصحف فاطمہؓ" کے اسماء کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں۔

الجامعہ، مصحف فاطمہؓ اور "مخصوص صحیفہ" مآل کے اعتبار سے ایک ہی چیز کے انواع و اقسام کے مدرج میں ہیں۔

شیعہ کے نزدیک ان کے چند احوال و اوصاف بطور تشریح کے درج ذیل ہیں:

(۱) —— الجامعۃ

اس کے متعلق ان کے ائمہ کی روایات کی روشنی میں مندرجہ ذیل چیزیں مذکور ہیں۔

(الف) یہ وہ چیز ہے جس کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھوں نے اس کو لکھا ہے۔ یہ ستر گز (ذراع) یعنی ستر ہاتھ طویل ہے۔

(ب) جب امام جعفر صادقؒ سے اس جفر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:
یہ صحیفہ ستر ہاتھ طویل ہے اور ایک فراخ کھال میں رکھا ہوا ہے اور اونٹ کی فالج ران کے برابر اس کی ضخامت ہے۔ اس میں لوگوں کی ہر ضرورت کی چیز موجود ہے اور اس میں ہر قابل فیصلہ امر کا حل موجود ہے۔

۔۔۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انه سئل عن الجامعة قال تلك صحيفة سبعون ذراعاً في عرض الاديم مثل فخذ الفالج فيها كل ما يحتاج الناس اليه وليس من قضية الا وهي فيها حتى ارش الخدش۔[1]

② —— مصحف فاطمہؓ

مصحف فاطمہؓ کے متعلق شیعہ علماء نے اپنے ائمہ سے بڑی تفصیلات درج کی ہیں ان میں سے صرف ایک دو حوالے پیش خدمت ہیں۔

امام جعفر صادقؒ کی ایک طویل روایت میں ان کا شاگرد ذکر کرتا ہے کہ:
امام جعفر صادق تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ ہمارے پاس ایک مصحف فاطمہ علیہا السلام ہے۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ مصحف فاطمہؓ کیا ہے؟ فرمایا مصحف فاطمہ وہ مصحف ہے

---

[1] (۱) بصائر الدرجات للشیخ ابوجعفر محمد بن الحسن الصفار ص۱۴۳ جزء ۳ باب ۱۲ روایت ۱۰ تحت باب فی الائمة ان عندهم الصحيفة الجامعة التي هي املاء رسول الله ۔۔۔ الخ (طبع ایران)
(۲) اصول کافی ص۱۴۶ طبع لکھنؤ باب فیه ذکر الصحیفة والجفر والجامعة ومصحف فاطمةؑ
(۳) احتجاج الطبرسی ص۲۳۹ طبع قدیم نجف اشرف، تحت احتجاج حسن بن علی علی معاویة فی امامة من یخلفها۔

جو تمہارے قرآن سے تین گنا بڑا ہے اور اللہ کی قسم اس میں تمہارے قرآن میں سے ایک حرف بھی نہیں۔ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ کی طرف وحی سے لکھوایا اور حضرت علی المرتضیٰؓ لکھا کرتے تھے۔

یہ چیز بھی ان کے ائمہ سے منقول ہے کہ واللہ کی قسم ہمارے پاس مصحف فاطمہؓ ہے جس میں اللہ کی کتاب سے کوئی آیت نہیں اور تحقیق اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے املاء کرایا اور حضرت علیؓ نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔

۔۔۔ ثم سکت ساعۃ ثم قال : وان عندنا لمصحف فاطمۃ علیہا السلام وما یدریہم ما مصحف فاطمۃ؟ قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ہذا ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد انما ہو شیء املاہا اللہ و وحی الیہا[1]

(۳) —— مخصوص صحیفہ

شیعہ کے ائمہ کی روایات میں یہ چیز بھی موجود ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک خاص صحیفہ تھا۔ ان کے ائمہ فرماتے ہیں کہ:

اللہ کی قسم ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ (ذراع) ہے اور جو حلال اور حرام چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں حتیٰ کہ ایک خراش کی دیت تک بھی وہاں درج ہے۔ نیز فرمایا کہ ہمارے پاس ایک مصحف ہے اور

---

[1] (۱) بصائر الدرجات ص ۱۵۲ حصہ ۳ باب فی الائمہ علیہم السلام انہم اعطوا الجفر والجامعۃ ومصحف فاطمہ علیہا السلام روایت ۱۴ (طبع ایران)

(۲) اصول کافی ص ۲۳۹ طبع لکھنؤ باب ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمہ۔

اس کو اپنے جانشینوں کی طرف منتقل کرتے رہے حتیٰ کہ آخری امام محمد مہدی کے سپرد کیا گیا جو اسے اپنے ساتھ لے کر غار "سرمن رأی" (سامرہ) میں تشریف لے گئے اور تا حال اس میں غائب ہیں اصل صحیفہ اور اصل قرآن ان کے پاس ہے۔

اس عقیدہ اور نظریہ کے ساتھ ایک طویل تاریخ متعلق ہے جسے ہم یہاں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا شیعی نظریات اور مخصوص روایات کی بنا پر لوگوں میں تاثر دیا جاتا ہے کہ اصل قرآن وہی ہے جو ائمہ کے پاس مخفی اور مستور چلا آیا ہے اور اب امام مہدی کے پاس غار میں محفوظ ہے۔ اور یہ قرآن مجید جو مسلمانوں کے پاس ہے یہ اصل قرآن نہیں اس میں کئی نوع کا تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور بہت کچھ محرف و متبدل ہو چکا ہے فلہذا شیعہ کے نزدیک یہ قرآن قابل اعتماد نہیں۔

مسئلہ ہذا کی وضاحت

اس مسئلہ کے متعلق سب سے پہلے خود جناب امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کلام ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ جن کے متعلق مذکورہ نظریات قائم کئے گئے ہیں ان کی زبانی ہی اس کی وضاحت سامنے آجائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات

موجودہ مسئلہ کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مفصل کلام بہت سی روایات میں موجود ہے اور محدثین اور مورخین نے اپنے اپنے مقام میں اسے مدلل طریقے سے درج کیا ہے۔

ہم بھی اس مقام میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند فرمودات مختصراً پیش کرتے ہیں۔ یہ فرمودات عموماً آنجناب رضی اللہ عنہ کے اپنے دور خلافت سے متعلق ہیں

(1) ابراہیم التیمی اپنے والد یزید بن شریک التیمی سے نقل کرتے ہیں کہ میرے

والد نے کہا کہ ایک دفعہ علی المرتضیٰؓ نے عام مجلس میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ کی کتاب کے بغیر ان کے پاس کوئی کتاب ہے جس کی ہم قرأت اور تلاوت کرتے ہیں تو اس نے جھوٹ کہا اور دروغ گوئی کی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ماسوا صرف ایک مجموعہ یا دداشت مسائل کا ہے جس میں چند فقہی احکام ہیں جو اونٹوں کی عمروں کے متعلق ہیں اور زخموں کی دیت کے متعلق ہیں۔

"۔۔۔ عن ابراهيم التيمي عن ابيه قال خطبنا علىٌّ فقال من زعم ان عندنا شيئاً نقرأه الا كتاب الله وهذه الصحيفة (قال ابى رحمه الله صحيفة فيها اسنان الابل واشياء من الجراحات) فقد كذب" [1]

(۲) نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کے ایک خصوصی شاگرد ابو جحیفہ "آنجنابؓ کی خدمت میں بطور سوال گزارش کرتے ہیں کہ یا حضرت آپؓ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ کوئی صحیفہ ہے؟ جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خصوصی طور پر عنایت فرمایا ہو؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ بالکل نہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو اگایا اور روح کو پیدا فرمایا ہمارے پاس کوئی مخصوص چیز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کتاب کا فہم و ادراک بخشتا ہے۔

ہمارے پاس مسائل کی یاد داشت کا یہ ایک صحیفہ ہے میں نے عرض کیا اس صحیفہ میں کیا کچھ ہے تو آنجنابؓ نے فرمایا کہ اس میں چند مسائل بطور یادداشت محفوظ کیے ہوئے ہیں مثلاً دیت اور جرمانہ کے مسائل، قیدی کے واگزار کرانے کے احکام اور نیز یہ مسئلہ کہ کافر کے قتل کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جاتا وغیرہ وغیرہ

---

[1] کتاب السنۃ لامام احمد ص۱۴۹ تحت ذکر الوصیۃ۔

(۲) المسند لامام احمدؒ ج۱ ص۸۱ تحت مسندات علیؓ۔

۔۔۔۔ عن الشعبی انا ابو جحیفۃ قال قلت لعلی هل عندکم عن رسول اللہ شیء سوی کتاب اللہ؟ فقال: والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ ما عندنا شیء سوی کتاب اللہ الا ان یؤتی اللہ رجلا فهما فی القرآن وما فی هذه الصحیفۃ قال قلت وما فی هذه الصحیفۃ؟ قال: العقل وفکاک الاسیر ولا یقتل مسلم بکافر لہ

(۳) اس مسئلہ کے متعلق ایک اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیان محدثین نے ذکر کیا ہے جو آپ نے علی الاعلان منبر پر ارشاد فرمایا تھا۔

فرمایا کہ اللہ کی قسم! ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہی ہے جو ہم تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ایک مجموعہ مسائل کا (جس کو صحیفہ سے تعبیر کیا) تحریر شدہ ہے اس کو ہم تلوار کی نیام میں معلق کیے ہوئے ہیں یہ مسائل ہم نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے تھے اس میں صدقہ کے فرائض وغیرہ کا بیان ہے (یعنی چند فقہی مسائل جمع شدہ ہیں)۔

۔۔۔۔ عن طارق بن شهاب قال شهدت علیا رضی اللہ عنہ وهو یقول علی المنبر واللہ ما عندنا کتاب نقرؤه علیکم الا کتاب اللہ تعالی وهذه الصحیفۃ معلقۃ بسیفہ اخذتها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیها فرائض

لہ (۱) کتاب السنۃ للامام احمدؒ ص۱۸۱ تحت ذکر ارشادہ ان الرسول اللہ صلعم لم یوص علیا شیئا۔۔۔الخ

(۲) المنتقی لابن الجارود (طبع مصر) ص۳۹۹ (باب فی الدیات کے تحت روایت درج ہے)

(۳) مشکوٰۃ شریف ص۳۰۰ کتاب القصاص الفصل الاول عن ابی جحیفۃ بحوالہ بخاری شریف۔

الصدقة معلقة بقبيعة له حليته حديد۔[1]

(۴) ایک دیگر روایت بھی محدثین نے ذکر کی ہے جو اسی مسئلہ کے متعلق ہے۔ ایک شخص قیس بن عباد ذکر کرتا ہے کہ میں اور اشتر جناب علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی مخصوص چیز عنایت فرمائی ہے جو عام لوگوں کو نہیں دی گئی؟ تو جناب نے اس کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ میرے پاس ایک یہ تحریر ہے (جو آنجنابؓ کی تلوار کی نیام میں تھی) اور اس میں یہ مسائل درج تھے مثلاً:

- باہم مومنوں کا خون باعتبار دیت و قصاص کے برابر اور مساوی ہے۔
- اور ان کو غیر مسلموں پر غلبہ اور بالاتری حاصل ہے اور باہم تعاون و تناصر میں ید واحد کی طرح ہیں ان کا تخاذل جائز نہیں۔
- اور ان کے ادنیٰ آدمی کی بھی ذمہ داری اور امان کی رعایت کی جائے گی۔
- اور کوئی مومن کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔
- اور جس کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے اس کی عہد شکنی نہیں کی جائے گی۔۔۔الخ

...... عن قيس بن عباد قال انطلقت انا والاشتر الى علىؓ فقلنا هل عهد اليك نبى الله شيئاً لم يعهده الى الناس عامة؟ قال لا! الا ما فى كتابى هذا قال وكان فى قراب سيفه فاذا فيه المؤمنون تكافأ دماؤهم وهم يد على من سواهم ويسعى بذمتهم ادناهم

---

(۱) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ص ۲۲ ج ۱ تحت الباب الثالث [illegible] رضی اللہ عنہ

(۲) مسند امام احمد ص ۱۲۲ ج ۱ تحت مسندات سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبع اول مصر۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عهد فی عهده ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ملخص

قابلِ غور

مندرجہ بالا تمام فرمودات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محدثین نے نقل کیے ہیں۔ جن میں مخصوص صحیفہ کے نظریہ کی بقدر ضرورت وضاحت آگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کے ماسوا کوئی دوسرا صحیفہ اور کوئی دوسرا قرآن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا اور نہ ہی کوئی مخصوص مصحف آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ملا ہوا تھا۔

جو کچھ ان کے پاس تحریر تھی وہ چند مسائل کی ایک یادداشت تھی جو مختلف روایات میں پائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر روایات بالا میں آگیا ہے۔ یہ چند فقہی مسائل اور احکامات ہیں اس کے ماسوا کوئی مخصوص صحیفہ نہیں۔

نیز قابل توجہ یہ چیز ہے کہ مسئلہ ہذا پر دو قسم کی روایات ناظرین کرام کے سامنے ہیں ایک شیعی روایات ہیں جو انہوں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں۔ جن میں ہے کہ اصل قرآن اور مخصوص صحیفہ یا الجامعہ وغیرہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس تھا جو امام مہدی تک ائمہ کے ہاں منتقل ہوتا چلا آیا۔

اور دوسری روایات خود حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات ہیں جن کو ہمارے محدثین نے اپنے اپنے اسانید کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ ان میں خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے کسی دیگر قرآن اور صحیفہ کی نفی کر دی ہے۔

لہ (۱) کتاب السنن لابی داؤد ص۔۔۔ طبع مجتبائی۔ تحت ذکر لو سبیت دار الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نبوی مدنیہ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

(۲) مسند امام احمد ص ۱۱۲ ج ۱ تحت مسندات مرتضوی ۔

اب ان دو قسم کی متقابل روایات کے صحیح ہونے یا غیر صحیح ہونے کے متعلق قرینِ قیاس یہ بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے کردار اور اس دور کے حقیقی واقعات پر نظر غائر کی جائے جس سے ایک منصف مزاج آدمی کسی فیصلہ پر پہنچ سکے۔

اس سلسلہ میں درج ذیل اشیاء پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔

① سیدنا علی المرتضیٰؓ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں اہل اسلام کے سامنے وہ اصلی اور مخصوص قرآن کیوں نہیں پیش کیا؟ خاص طور پر جب کہ صدیقی دورِ خلافت میں جمع قرآن کا مسئلہ پیش آیا تو اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خاص مصحف اور اصلی قرآن قوم کے سامنے پیش کرنا چاہیے تھا۔

اسی طرح عثمانی عہد خلافت میں جب قرآن مجید کی اختلاف قرأت کا مسئلہ پیش آیا اور اس کے تحت قرأتِ قریش پر منحصر نسخے مدوّن و مرتب کرنے کا فیصلہ حضرت علی المرتضیٰؓ سمیت تمام اکابر صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر کیا تو اس موقعہ پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنا اصلی قرآن کا مسئلہ کیوں نہیں پیش کیا؟ حالانکہ اس تمام واقعہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ دیگر صحابہ کے ساتھ متعاون اور شریک کار رہے۔ اس چیز کو تفصیل از میں ہم نے عہدِ عثمانی کے واقعات میں درج کیا ہے۔

② اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے اپنے عہد خلافت میں یہی قرآن مجید جگہ جگہ مساجد، معابد اور مدارس میں پڑھا پڑھایا اور سنا سنایا جاتا تھا۔ اس وقت اپنا اصلی قرآن اور مخصوص صحیفہ اہل اسلام کے سامنے کیوں نہیں پیش کیا گیا؟

③ عہد علوی میں اسی قرآن مجید کے اہل اسلام نے درس قائم کیے ہوئے تھے اور تمام ممالک اسلامیہ میں اسی قرآن مجید کی تعلیم و ترویج کی جاتی تھی۔ کسی دوسرے قرآن یا کسی دوسرے صحیفہ کی تلقین و تعلیم نہیں کی جاتی تھی۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے مخصوص اور اصلی قرآن کو کیوں ظاہر نہیں فرمایا؟ اور اس کی تعلیم و ترویج کیوں نہیں فرمائی؟

④ نیز حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور خلافت میں بھی اسی قرآن مجید کے احکامات پر عمل

ورآمد جاری و ساری رہا کسی دیگر صحیفہ یا قرآن کے احکامات کا نفاذ نہیں کیا گیا حالانکہ دور خلافت میں اصلی قرآن کے اجراء میں کوئی چیز مانع نہیں تھی۔

مختصر یہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے انتقال کے بعد اصلی قرآن اور غیر اصلی قرآن کا مسئلہ بعض لوگوں نے خود تجویز کر لیا ہے یہ چیز کتاب اللہ (قرآن مجید) کی حفاظت کے خلاف ایک تحریک ہے اور کتاب اللہ سے قوم کا اعتماد اٹھانے کی ایک مذموم سازش ہے جسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔

ان گزارشات پر نظر ڈال لینے کے بعد اصل مسئلہ خود بخود منکشف اور واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے وہ ہر نوع کی تغیر و تبدل سے پاک تر ہے اور اہل اسلام کے سینوں میں محفوظ و مامون ہے۔

فلہذا سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مندرجہ بالا اقوال و فرمان ہمارے نظریات کے مؤید ہیں اور ہمارے لیے حجت ہیں اور قرین قیاس بھی یہی چیز ہے کہ اہل اسلام کے ہاتھوں میں جو قرآن مجید ہے یہی صحیح ہے اور کوئی دیگر قرآن کسی کے پاس نہیں ہے۔

خصوصی امامت کا مسئلہ
اور
ائمہ کا مقام

شیعہ عقائد کی رو سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنا امام یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خاص خلیفہ اور قائم مقام مقرر فرمایا تھا اور آنجناب نے ان کی امامت و خلافت کے متعلق خاص وصیت فرمائی تھی۔ دوسرے لفظوں میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان

کے حق میں منصب امامت مخصوص کیا گیا تھا اور آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص وصی قرار پائے۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ اپنے بھتیجے حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدینؒ) کو فرماتے ہیں کہ ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصایت اور امامت اپنے بعد حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے لیے پھر ان کے بعد امام حسن ؓ کے لیے اور پھر ان کے بعد امام حسین ؓ کے لیے متعین فرمائی تھی ...... الخ

...... عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قتل الحسین ارسل محمد بن الحنفیة الی علی بن الحسین علیہ السلام فخلا بہ ثم قال لہ یا ابن اخی قد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کان قد جعل الوصیة والامامة من بعدہ الی علی بن ابی طالب علیہ السلام ثم الی الحسن علیہ السلام ثم الی الحسین علیہ السلام ...... الخ[1]

نیز اس چیز کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ شیعہ کے نزدیک ان کے ائمہ کا مقام یہ ہے کہ ہر ایک امام کی اطاعت لوگوں پر اسی طرح فرض ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت فرض فرمائی ہے۔

چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر صادقؒ کا فرمان اس طرح منقول ہے کہ:

...... اشھد ان علیا امام فرض اللہ طاعتہ وان الحسن امام فرض اللہ طاعتہ وان الحسین امام فرض اللہ طاعتہ وان علی بن الحسین امام فرض اللہ طاعتہ وان محمد بن

---

[1] بصائر الدرجات ص [illegible] باب [illegible] فی الائمة انّ علیہم نص بالامامت، للشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الصفار القمی۔

عنی امر فرض، فقد طاعته ۔

وفی روایة یقول: نحن قوم فرض الله طاعتنا ۔ ؎۱

اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے حلفاً فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؒ اور حضرت محمد باقرؒ کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر فرض قرار دی ہے اور سابقہ ہی دوسری روایت میں امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ ہم ائمہ وہ قوم ہیں جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر فرض فرمائی۔

شیعہ اکابر نے حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر ائمہ کی امامت کے متعلق خاص روایات اپنی کتابوں میں بہت کچھ ذکر کیے ہیں جن کا ذکر کرنا موجب طوالت ہے۔ مزید تفصیلات دیکھنے کے لیے امام و امامت مطلوب ہوں تو اصول کافی کتاب الحجۃ کی طرف رجوع فرمائیں۔ ہم نے یہاں ان کے ایک دو قول اجمالاً توضیح مسئلہ کے لیے درج کر دیے ہیں۔

مسئلہ ہذا کی وضاحت

تمہیداً یہ بیان کر دینا ناظرین کرام کے لیے مفید ہے کہ "امامت و خلافت" کا مسئلہ شیعہ کے نزدیک "نصی" ہے اور خاص نص صریح سے ثابت ہے، اور ہمارے نزدیک یہ مسئلہ نصی نہیں بلکہ شورائی ہے۔

نیز شیعہ کے نزدیک مسئلہ "امامت و خلافت" اصول دین اور ارکان دین میں سے ہے جیسا کہ توحید، نبوت اور قیامت، جبکہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ فروع میں سے ہے اصول میں داخل نہیں۔

جیسا کہ ہم نے سابقاً خصوصی صحیفہ کے مسئلہ میں طریق اختیار کیا ہے اسی طرح ہم اس مقام میں بھی وہی طریق اختیار کرتے ہوئے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات ذکر کرتے ہیں اور بقدر کفایت اس کے بعد دیگر چیزیں ذکر کریں گے اس طریقہ سے مسئلہ ہذا خوب واضح ہو سکے گا۔

؎۱ اصول کافی ص ۱۸۶ کتاب الحجۃ باب فرض طاعۃ الائمہ۔ طبع نولکشور لکھنؤ قدیم طبع۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے فرمودات

مسئلہ "امامت و خلافت" کی وضاحت کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کے بے شمار فرمودات میں سے چند ایک یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ ان فرامین میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے مسئلہ ہذا کا بہتر حل فرما دیا ہے اور کسی دیگر جواب کی حاجت ہی نہیں رہی۔

(۱) ایک شخص قیس بن عباد نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے اس وقت سوال کیا جب آپؓ اپنے عہد خلافت کے اوائل میں جانب بصرہ کی طرف تشریف لے جانے کا قصد فرما رہے تھے۔ عرض کیا یا حضرت! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے حق میں کوئی خصوصی عہد خلافت فرمایا تھا؟ جس کی بنا پر جنابؓ اس منصب کے لیے آمادہ ہو گئے تو سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اولاً تو اس سوال کا جواب دینے سے اعراض فرمایا لیکن جب قیس بن عباد وغیرہ نے اصرار کیا تو جنابؓ نے حلفاً فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے بغیر میرے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خصوصی عہد نہیں فرمایا۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ بعض لوگ حضرت عثمان بن عفانؓ کے خلاف ہو گئے اور انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس منصب کے لیے میں نے اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھا اور آمادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ ہمارا یہ اقدام درست ہے یا خطا پر ہے؟؟

"۔۔۔ فهل عهد اليك رسول الله شيئا في ذلك فاعرض عنه
فالحوا عليه، فلما رأى ذلك قال والله ما عهد الينا رسول
الله صلى الله عليه وسلم عهدا، الا شيئا عهده الى الناس
ولكن الناس وقعوا على عثمانؓ فقتلوه ثم انی رأيت انی
احقهم بهذا الامر فوثبت عليه فالله اعلم اصبنا ام اخطأنا"(۱) اھ

---

(۱) کتاب السنۃ لامام احمدؒ ص ۱۲۱ تحت ذکر الصحابۃ رضی اللہ عنہم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان سابق کی تائید میں ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے جس میں قیس بن عباد نے ہی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی معاون اور با اعتماد شخصیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا کہ اے عمار! تم لوگ جو کچھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے معاملہ میں ساعی کر رہے ہو یہ تمہاری اپنی رائے ہے یا اس چیز کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تمہارے ساتھ خصوصی عہد فرمایا تھا؟ تو جناب عمار نے جواب میں کہا کہ اس مسئلہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کوئی ایسا وعدہ یا عہد نہیں فرمایا جو دیگر لوگوں سے نہ کیا ہو۔

(۲) ..... قیس بن عباد قال قلت لعمار أرأیتم صنیعکم هذا الذی صنعتم فی أمر علی أرأیاً رأیتموه أم شیئاً عهده الیکم رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ فقال ما عهد الینا رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئاً لم یعهده الی الناس کافة ..... الخ[1]

تصریحات بالا کے ذریعہ معاملہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خصوصی وصیت امامت و خلافت کے لیے ارشاد نہیں فرمایا۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان

مسئلہ ہذا کے متعلق صحابہ کے دور میں ہی لوگوں میں ایک بات مشہور کی گئی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال مبارک سے قبل جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں امامت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) (۲) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ج ۲۳ ص ۱۳۹ تحت الباب ما جاء فی خروج عائشہ و طلحہ۔

(۳) الفتح الربانی ترتیب مسند احمد ج ۲۳ ص ۱۴۰ تحت الباب ما جاء فی خلافة رابع الخلفاء الراشدین۔

[1] جامع الاصول للجزری ص ۱۹۹ ج ۱۲ تحت الکتاب السابع فی النفاق۔ بحوالہ مسلم شریف۔

واضح تر ہیں اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضہ یا کسی دوسری شخصیت کے لیے خلافت کے متعلق کوئی وصیت بالکل نہیں دی بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جن سے حضرت صدیقؓ کی خلافت کی تائید ہوتی ہے۔

۔۔۔۔ والاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یوص الیہ ولا الی غیرہ بالخلافۃ بل لوح بذکر الصدیق۔ واشار اشارۃ مفہمۃ ظاہرۃ جداً الیہ۔ کما قدمنا ذلک وللہ الحمد والمنۃ

نیز ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس مقام میں بیشتر شیعہ جہلاء اور بہت سے واعظ اغبیاء جس بات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق میں وصیت فرمائی۔ پس یہ بات سراسر کذب اور افتراء عظیم ہے۔

کیونکہ اس بات سے یہ چیز لازم آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ اس امر میں خیانت کر کے خطاء کبیرہ کے مرتکب ہوئے اور صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے نفاذ کے خلاف معاونت کی اور وصیت نبوی صلعم کے اتمام کے خلاف تعاون کیا اور بغیر کسی معقول وجہ کے صحابہ کرامؓ نے وصیت ہذا کو اپنے محل ومقام سے صرف کر ڈالا اور نافذ نہ کیا)۔

حالانکہ جو مومن بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ یقین رکھتا ہے وہ یقیناً اس افتراء کے بطلان پر خوب واقف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد بہترین مخلوق ہیں، اور وہ اس امت کے خیر القرون میں جو بنص قرآن اور اجماع سلف

له البدایۃ لابن کثیر [illegible] تحت خلافت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ۔

[illegible] دنیا اور آخرت میں اشرف الامم ہے۔ پس جو حضرات امت کے بہترین افراد ہیں۔ وہ اپنے نبی کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کر سکتے ۔

"۔۔۔۔ واما ما یفتریہ کثیر من جہلۃ الشیعۃ والقصاص الاغبیاء من انہ اوصی الی علیؓ بالخلافۃ فکذب وبہت وافتراء عظیم یلزم منہ خطأ کبیر من تخوین الصحابۃ وممالأتہم بعدہ علی ترک انفاذ وصیتہ وایصالہا الی من اوصی الیہ وصرفہم ایاہا الی غیرہ لا لمعنی ولا لسبب وکل مؤمن باللہ ورسولہ یتحقق ان دین الاسلام ہو الحق یعلم بطلان ہذا الافتراء لان الصحابۃ کانوا خیر الخلق بعد الانبیاء وہم خیر قرن من ہذہ الامۃ التی ہی اشرف الامم بنص القرآن واجماع السلف والخلف فی الدنیا والآخرۃ۔ وللہ الحمد" لہ

ابن کثیرؒ کی ان توضیحات کے بعد اب ہم آخر میں اس مسئلہ پر عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد الاوزاعی (امام اوزاعیؒ) کا ایک تجزیہ ذکر کرتے ہیں جو مسند عمر بن الخطابؓ میں بایں الفاظ منقول ہے ۔

"۔۔۔۔ قلت لو کانت الخلافۃ وصیۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رضی علیؓ بالحکمین" ؎

یعنی امام اوزاعیؒ کہتے ہیں خلافت علوی کے متعلق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اگر وصیت ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰؓ حکمین (یعنی تحکیم) قبول کر لینے پر رضامند

لہ البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۴۲-۲۴۳ ج سابع تحت خلافۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ ۔

؎ مسند عمر بن الخطاب ص ۱۲۲ تحت روایات اوزاعیؒ ۔ طبع اول بیروت ۔

نہ ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا تحکیم کو قبول کر لینا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ ان کے حق میں خلافت و امامت کی وصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل نہیں تھی۔
عنوان ہذا کے تحت اب یہ مسئلہ اپنی حدود میں بالکل واضح ہو چکا ہے اب مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں۔

(امام اوزاعیؒ کا یہ قول بحث "غدیر خم" کے آخر میں بھی ذکر ہو چکا ہے)

بعض نصائح اور وصایا

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جناب امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کو بعض نصائح اور وصایا فرمائے جاتے تھے اور حسب موقعہ یہ چیزیں پیش آتی رہتی تھیں۔
یہ عنوان اپنی جگہ پر کافی طوالت کا مقتضی ہے تاہم ان میں سے بعض چیزیں ذکر کرنا مفید سمجھی گئی ہیں۔

ایک دفعہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو ارشاد فرمایا کہ اے علیؓ! تین چیزوں کو اپنے موقعہ سے مؤخر مت کریں اور ان کو اپنے وقت پر تمام کریں۔

الف: پنجگانہ نماز بروقت ادا کریں اور اسے اپنے وقت سے مؤخر نہ کریں۔

ب: جس وقت کسی مسلمان کی میت کا جنازہ آ جائے تو اس پر نماز جنازہ بروقت ادا کریں، اس میں تاخیر نہ کریں۔

ج: وہ عورت جو بغیر خاوند کے ہے جب اس کا کفو مل جائے تو اس کے نکاح و شادی میں تعجیل کریں، تاخیر نہ کریں۔

یہ روایت احادیث کی متعدد کتب میں پائی جاتی ہے۔ یہ نصائح امت کے حق میں

قابلِ اتباع ہیں اور ان پر عمل درآمد اہلِ اسلام پر لازم ہے۔

"... ... ... عن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاثۃ یا علی لا تؤخرھن الصلٰوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت کفواً"۔[1]

(۲) نیز محدثین نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص حنش نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو دیکھا کہ آپ دو مینڈھے ذبح فرما رہے ہیں تو اس نے عرض کیا کہ یہ دوسرا مینڈھا کس لیے ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے ایک قربانی کروں۔ یہ دوسرا مینڈھا میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح کیا ہے۔

"... ... ... عن حنش قال رأیت علیاً یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا؟ فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔ رواہ ابو داؤد والترمذی نحوہ"۔[2]

---

[1] (۱) مسند امام احمدؒ ص۱۰۵ جلد اول۔ تحت مسندات علی بن ابی طالبؓ۔
(۲) التاریخ الکبیر للامام بخاری ص۲۴۴ القسم الاول تحت روایت ۲۴۲۰۔
(۳) جامع الترمذی ص۱۴۱ تحت باب ما جاء فی تعجیل الجنازۃ۔ طبع لکھنؤ۔

[2] (۱) مسند امام احمدؒ ص۱۰۷ جلد اول۔ تحت مسندات علی بن ابی طالبؓ۔
(۲) مشکوٰۃ شریف ص۱۲۸ الفصل الثانی باب فی الاضحیۃ۔

تنبیہ :

نصائح اور وصایا کا باب بڑا وسیع ہے اور یہ چیز بہت سی روایات میں دستیاب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو اکل و شرب اور لباس وغیرہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضیٰؓ کو ارشاد فرمائی ہیں۔ اس نوع کی روایات کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے ایسی مرویات کے بلسے ذخیرہ کو بے اصل قرار دیا ہے۔

"۔۔۔۔ وما قد یقصّہ بعض القصّاص من العوام وغیرھم فی الاسواق وغیرھا من الوصیۃ لعلیؓ فی الآداب والاخلاق فی المأکل والمشرب والملبس مثل ما یقولون: یا علی لا تعتم وانت قاعد یا علی لا تلبس سراویلک وانت قائم یا علی لا تمسک عضادتی الباب ولا تجلس علی اسکفۃ الباب ولا تخیط ثوبک وھو علیک ونحو ذالک۔ کل ذالک من الھذیانات فلا اصل لشیئ منہ بل ھو اختلاق بعض السفلۃ الجھلۃ، ولا یعوّل علی ذالک ویغتر بہ الا غبی جاہل"[1]

پھر اسی نوعیت کی کچھ روایات (جو اخلاق سے بھی گری ہوئی ہیں) کا ذخیرہ شیعہ کے مشہور فاضل شیخ صدوق نے اپنی تصنیف علل الشرائع کے باب ۳۸۵ علل نوادر النکاح روایت ۱ صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۶ (طبع نجف اشرف) میں یا علی کے خطاب سے ذکر کیا ہے اس کو نقل کرنا بھی دیانت و شرافت اور اخلاق حسنہ کے خلاف ہے اس مقام کو براہ راست ملاحظہ کریں۔ اسی طرح کی روایات بالکل جعلی اور فرضی ہیں اور ان کی تنقیص مرتبت کا باعث ہیں۔

---

[1] البدایہ لابن کثیرؒ ج ۷ ص ۲۲۵ تحت خلافۃ امیرالمؤمنین علی بن ابی طالبؓ۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ اور بعض فقہی مسائل

حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نہایت ارفع مقام ہے جس طرح اپنے کارناموں کے اعتبار سے آپؓ قوم میں شجاعت کے ساتھ مشہور ہیں اسی طرح فطانت و ذہانت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ فہیم ہیں اور دین کے فقہی مسائل میں ان کی بہت بلند حیثیت ہے اسی بنا پر خلافت راشدہ کے دور میں "اقضانا علیؓ" کے لقب سے مشہور تھے۔ اور اس خصوصی فقاہت کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے فقہی مسائل اسلام میں خصوصیت کے حامل ہیں۔

لہٰذا حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمودات کی روشنی میں چند فقہی مسائل کو ایک ترتیب سے ذکر کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ تاکہ عوام اہل اسلام کو ان مسائل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا موقف معلوم ہو سکے اور اس کے مطابق ان پر عمل درآمد جاری رکھ سکیں۔

مثلاً وضو میں غسل پیر، تکبیر اور اذان۔ ہاتھوں کو نماز کے دوران باندھنا یا کھولنا

رفع الیدین و ارسال الیدین۔ جنازہ کی تکبیرات، تراویح کی بیس رکعت، متعہ اور ماتمؓ وغیرہ وغیرہ

①

غسل پا میں حضرت علیؓ کا عمل

وضو میں ہاتھ اور منہ کو دھویا جاتا ہے سر کا مسح کیا جاتا ہے اور پاؤں کو بھی دھونے کا حکم ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کس طرح وضو کیا کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگرد ابو حیہ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا انہوں نے مسح سر کے بعد اپنے دونوں قدموں کو ٹخنوں تک دھویا۔ اور پھر وضو کے بعد کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے پسند کیا ہے کہ تم لوگوں کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کیا کرتے تھے۔

... عن ابی حیۃ قال رأیت علیاً توضأ ...... ومسح برأسہ مرۃ ثم غسل قدمیہ الی الکعبین ثم قام فاخذ فضل طھورہ فشربہ وھو قائم ثم قال احببت ان اریکم کیف کان طھور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[له]

غسل پا کا یہ حکم اور حضرت علیؓ کا یہ دوامی عمل مندرجہ ذیل مقامات میں بھی مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں۔

① مشکوٰۃ شریف ص[illegible] باب سنن الوضوء الفصل الثانی عن ابی حیۃ بحوالہ الترمذی نسائی۔

له ترمذی شریف ص[illegible] باب فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان" طبع لکھنؤ۔

(۲) نسائی شریف ص۲۲ باب حد غسل رجلین طبع دہلی

(۳) ابوداؤد شریف ص۱۵ ج۱ باب صفۃ وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبع دہلی۔

(۴) مسند امام احمد ص۱۱۱ ج۲۲ تحت مسندات علیؓ (یہاں غسل پا کی متعدد روایات حضرت سے منقول ہیں)

مسئلہ ہذا شیعہ کتب میں شیعہ کتابوں میں ان کے ائمہ کی روایات میں اگرچہ مسح رجلین کی روایات بھی ملتی ہیں تاہم غسل پا کی روایات بصراحت موجود ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں مسئلہ مذکورہ بالا کے تحت غسل رجلین کی چند روایات ان کی کتب سے باختصار درج کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں پر یہ مسئلہ خوب واضح ہو جائے۔

حضرت جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔۔۔۔۔

وان نسیت مسح راسک حتی تغسل رجلیک فامسح راسک ثم اغسل رجلیک۔

(۱) فروع کافی ص۱۲ ج۱ باب الشک فی الوضوء طبع نولکشور لکھنؤ۔

(۲) تہذیب الاحکام الشیخ محمد بن حسن الطوسی ص۲۲ ج۱ باب صفۃ الوضوء۔ طبع قدیم ایران

(۳) الاستبصار للطوسی ص۳۳ ج۱ تحت ابواب الوضوء۔ طبع قدیم لکھنؤ۔

(۴) الامالی للشیخ طوسی ص۲۸ ج۱ طبع اول۔

(۵) کتاب الارشاد للشیخ المفید ص۲۸۳ باب معجزاتہ۔ طبع جدید۔ طہران۔

مندرجہ بالا شیعی کتب کے مذکورہ مقامات میں غسل رجلین (وضوء میں پاؤں دھونے) کا مسئلہ بصراحت موجود ہے اور یہاں تقیہ کی تاویل کا کوئی موقعہ و محل نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ان کی اولاد اور ائمہ کرام وضوء میں پاؤں کو دھوتے تھے۔ اور یہ مسئلہ فریقین کی کتب سے ثابت کر دیا گیا ہے اور اسی پر شیعوں کے

سوا ان امور صحابہ کرامؓ اور تمام امت مسلمہ کا تعامل چلا آیا ہے عہد مرتضوی میں اسی پر عمل درآمد جاری رہا۔ اور یہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کی تعلیم اور ہدایت ہے۔

وضو میں پاؤں کے دھونے کا حکم اصل تو قرآن مجید کے چھٹے پارہ کی آیت وضو میں موجود ہے وہاں بعض علمی مباحث ہیں۔ ان سے قصداً اجتناب کیا ہے کہ وہ عوام کو لائق فہم سے بالاتر ہیں یہاں صرف حدیث سے یہ حکم درج کیا ہے۔ اور شیعہ کی معتبر روایات سے تائید ذکر کر دی ہے۔

(۲)

کلمہ طیبہ

اسلام میں کلمہ طیبہ کے دو اجزاء ہیں توحید اور رسالت نمبر یہ دونوں اجزاء لا الٰہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ قرآن مجید میں متفرق صورت میں موجود ہیں تیسرا جزء (ان علیاً ولی اللّٰہ وخلیفتہ بلا فصل) قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں اور سنت نبوی میں بھی مفقود ہے۔ لہٰذا دین اسلام میں کلمہ طیبہ کے یہی دو اجزاء ہیں تیسرا جزء نہیں ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے دور خلافت میں اور دیگر ائمہؒ نے اپنے اپنے ایام میں اسی کلمہ شریعت کو بحال رکھا اور اسی کلمہ کی تعلیم دی ہے اور اسی کو نجات اخروی کے لیے کافی سمجھا ہے چنانچہ ذیل میں چند ایک حوالہ جات اس کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) شیعہ کی معتبر کتابوں میں جہاں ایمانیات کا مسئلہ درج ہے وہاں صرف دو شہادتیں (توحید و رسالت) موجود ہیں تیسری شہادت ولایت علیؓ نا پید ہے۔

- - - - بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً صلی اللّٰہ علیہ وآلہ عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وحج البیت وصیام شہر رمضان - - - - الخ

لے (۱) اصول کافی صفحہ ۳ کتاب الکفر والایمان - طبع نول کشور لکھنؤ - (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) پروردگار عالم نے قلم کو فرمایا کہ لکھ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [1]
(ولایت علیؑ کی تیسری جز ندارد)

(۳) جب عرش پر آدم علیہ السلام نے نظر کی تو یہ کلمہ شریف نظر آیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [2] (یہاں بھی تیسری جزو ولایت علی ندارد)

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوئی کہ لوگوں کو کہہ دیجئے کہ کہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [3]

(۵) حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کو جب آپ نے کلمہ شریف پڑھایا تو اس میں یہ فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [4] (ان مقامات میں بھی تیسری جزو ولایت علیؓ ندارد)

(۶) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت جو دونوں کندھوں کے درمیان تھی اس میں دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ سطر اول میں لا الٰہ الا اللہ اور سطر دوم میں محمد رسول اللہ تھا [5] (تیسری جزو ولایت علیؓ ندارد)

مذکورہ بالا تمام مقامات میں تیسری جزو یا تیسری شہادت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا یہی کلمہ طیبہ جس کے صرف دو اجزاء توحید و رسالت ہیں صحیح ہے اور آخرت میں نجات کے لیے (دیکھیے حاشیہ صفحہ گزشتہ) (ب باب ان الاسلام قبل الایمان کے بعد متصل باب میں یہ مسئلہ مذکور ہے)

---

(۲) اصول کافی ص ۲۴۲ کتاب الکفر والایمان تحت باب ان الایمان مبثوث لجوارح البدن۔ طبع لکھنؤ۔

[1] جلاء العیون از باقر مجلسی ص ۳ در بیان ابتدائے نور شریف حضرت رسول اللہ است۔ طبع ایران

[2] جلاء العیون از ملا باقر مجلسی ص ۱۲ در بیان خلقت آدم و حوا۔ طبع تہران

[3] حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ج ۲ ص ۳ باب اول فصل دوم در بیان ابتدائے حدوث نور شریف طبع لکھنؤ۔

[4] حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ج ۲ ص ۳ باب ۱۳ در بیان مبعوث گردیدن بہ رسالت۔

[5] حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ج ۲ باب ۱ فصل ہفتم در نقش خاتم ... بودہ است۔

یہی ضروری ہے اور سیدنا امیرالمومنین ؓ کے اقوال و اعمال اس کے مؤید ہیں اور ان کے دورِ خلافت میں یہی کلمہ پڑھا پڑھایا جاتا تھا اور اسی کلمہ کی تعلیم و تلقین جاری تھی۔ تیسری جزو والا کلمہ ان کے بعد والے لوگوں نے تصنیف فرمایا ہے اور اپنا امتیاز قائم کرنے کے لیے مرتب کیا ہے۔

(۳)

اذان

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ اذان میں تیسری شہادت یعنی (شہادتِ توحید و شہادتِ رسالت کے بعد حضرت علی ؓ کی ولایت و خلافت بلا فصل کی شہادت) کا ہے۔

اس کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا اپنی خلافت راشدہ میں جو معمول تھا اور جو انہوں نے اذان اپنے حکم سے جاری کی ہوئی تھی وہ یہی اذان ہے جو عہد رسالت میں کہی جاتی تھی۔

(اس اذان میں تیسری شہادت علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل بالکل نہیں تھی)

بلکہ تیسری شہادت کے ساتھ اذان بارہ ائمہ کے عہد میں بھی کبھی مروج نہیں ہوئی اور نہ ہی ائمہ نے جاری کرنے کا حکم دیا ہے۔

مکہ شریف میں جو عہد نبوت میں اذان دی جاتی تھی وہ ابو محذورہ ؓ کی اذان کہلاتی ہے اور مدینہ شریف میں اذان حضرت بلال ؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیا کرتے تھے۔ ان تمام اذانوں میں تیسری شہادت مفقود ہے۔

بعد و خیر القرون کے اندر اہل اسلام کے کسی ملک اور علاقہ میں یہ تیسری شہادت پر مشتمل اذان نہیں کہی گئی۔

مختصر یہ ہے کہ عہد نبوت سے لے کر تمام اہل اسلام کا تعامل اسی پر چلا آیا ہے کہ اذان میں تیسری شہادت کبھی ذکر نہیں کی گئی۔

احادیث کی تمام کتابوں میں رجوع فرما کر اس مسئلہ کی تسلی کی جاسکتی ہے اذان کی متعلقہ روایات کا درج کرنا موجب طوالت ہے۔

شیعہ کتب سے مسئلہ ہذا کی وضاحت

(۱) ——— فروع کافی باب بدء الاذان والاقامۃ کی سوئم روایت میں درج ہے کہ امام محمد باقرؒ فرماتے تھے کہ اذان کے اٹھارہ[۱۸] کلمات ہیں اور اقامت کے سترہ[۱۷] کلمات ہیں[۱] (یہاں اس مقام میں شہادت توحید اور شہادت رسالت کے بعد تیسری شہادت ندارد)۔

یہ امام محمد باقرؒ کی روایت ہے اور تیسری شہادت سے خالی ہے۔

(۲) ——— شیعہ کے اصول اربعہ کے مشہور مصنف شیخ صدوقؒ نے اپنی معتبر تصنیف من لا یحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادقؒ سے تفصیلاً اذان نقل کی ہے اس میں اذان کے اٹھارہ کلمات الگ الگ شمار کر کے بیان کئے ہیں۔ ان تمام کلمات میں شہادت توحید اور رسالت الگ الگ ذکر کی ہے اور تیسری شہادت مرتضوی مفقود ہے۔ اس روایت کے بعد صاحب کتاب شیخ صدوق فرماتے ہیں کہ اذان صحیح اٹھارہ کلمات والی ہی ہے لا یزاد فیہ ولا ینقص (یعنی نہ اس میں زیادہ کرنا چاہیے اور نہ اس میں سے کم کرنا چاہیے) "المفوضۃ" لعنہم اللہ نے جھوٹی روایات تیار کر رکھی ہیں اور ان میں تیسری شہادت (علی ولی اللہ ۔۔۔ الخ) دو دو بار اضیروں نے اذان میں بڑھا دی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی ولی اللہ ۔۔۔ ہیں لیکن اصل اذان میں یہ کلمات داخل نہیں۔[۲]

(۳) ——— لمعۃ دمشقیہ کی شرح روضۃ بہیۃ میں اس بات کی تصریح موجود ہے

[۱] فروع کافی صفحہ[۱۶۴] جلد[۱] باب بدء الاذان والاقامۃ۔ قدیم طبع نولکشور لکھنؤ۔

[۲] کتاب من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ[۹۷] تحت الباب الاذان۔ طبع جدید ایران۔

لی ہے کہ ان کلمات کا عبادات میں داخل کرنا صحیح نہیں ان کلمات کا داخل کرنا بدعت ہے جیسا کہ نماز میں ایک رکعت کا بڑھا لینا یا ایک تشہد کا زیادہ کر لینا شرعاً نا جائز ہے۔

۔۔۔۔ نیز فرماتے ہیں کہ

"قال الصدوق ان ادخال ذالك فيه من وضع المفوضة وهم طائفة من الغلاة" [1]

تنبیہ ؛

کتاب شرائع الاسلام مقدمہ علامہ بحر (کیفیۃ الاذان) اور اس کی شرح مسالک الافہام (بحث الاذان) میں مسئلہ بڑا بڑی عمدہ توضیح کے ساتھ درج ہے لکھا ہے کہ اذان میں یہ اضافہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

(۳) ـــــ ان کے مفسرین نے معراج شریف کا واقعہ جہاں درج کیا ہے وہاں لکھتے ہیں کہ آسمانوں پر فرشتہ نے اذان دی تھی اس اذان کو ان کے علماء نے نقل کیا ہے اس میں شہادت توحید اور شہادت رسالت تو موجود ہے لیکن تیسری شہادت ولایت علیؓ والی مفقود ہے [2]

معلوم ہوا کہ اصل اذان میں جا ہے وہ آسمانوں پر کہی جائے یا زمین پر کہی جائے تیسری شہادت (علوی) مفقود ہے۔

مختصر یہ ہے کہ صحیح اذان دین اسلام میں وہی ہے جو اہل اسلام میں ابتداء سے لے کر آج تک مروج ہے اس میں تیسری شہادت نہیں پائی جاتی اور شیعہ ائمہ اور علماء کی

---

[1] تذکرہ زبدۃ شرح لمعہ دمشقیہ ص ۲۰ ج ۱ الفصل الثالث فی کیفیۃ الصلوٰۃ ۔۔۔ الخ طبع تہران۔

[2] (۱) تفسیر قمی ص ۳۷۲ تحت واقعہ معراج زیر آیت سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ ۔۔۔۔ الخ طبع قدیم (۲) تفسیر الصافی ص ۲۸۱ ج ۱ تحت آیت سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ ۔۔۔ الخ طبع جدید تہران۔

تصور نا ہے ایسا ہی یہ تیسری شہادت بالکل نہیں ۔ یہ ان کے علماء اور مجتہدین نے اپنی طرف سے اذان میں اضافہ کی ہے جس طرح اور مسائل انہوں نے اسلام میں اضافہ کر دیئے ہیں اسی طرح اذان میں بھی انہوں نے یہ تیسری شہادت اپنی طرف سے اضافہ کی ہے کتاب وسنت میں اور ان کے ائمہ کے قول و فعل میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ۔

اور مسلم بین الفریقین یہ مسئلہ ہے کہ احکام شرعیہ میں کسی واجب حکم کا اپنی طرف سے اضافہ اور ایزاد کرنا ناجائز ہے اور درست نہیں ۔ اذان جیسے شعائر اسلامی میں یہ کس طرح صحیح ہے ؟!

اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے کئی مسائل میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لیے اضافہ کر دیئے ہیں ان میں سے یہ اضافہ بھی اسی نوعیت کا ہے ۔

(۳)

وضع الیدین وارسال الیدین

اسلام میں نماز ادا کرنے کا جو طریقہ سب سے مشہور و معروف ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں قیام کے دوران دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے قریب رکھا جاتا ہے یہ طریقہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم فرمایا اور حضرت علی المرتضیٰؓ سے یہ مسئلہ مندرجہ ذیل الفاظ میں منقول ہے ۔

"..... عن علی قال من السنۃ فی الصلوٰۃ وضع الکف تحت السرۃ "

اور دوسری روایت میں حضرت علیؓ سے اس طرح مروی ہے کہ جناب نے فرمایا ۔

ان من سنۃ الصلوٰۃ وضع الیمین علی الیسار

تحت السرۃ ۔ ؎۱

یعنی آنجناب فرماتے ہیں کہ نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دست بدست کو رست چسپ زیر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

یہ مسئلہ دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے تاہم حضرت علی المرتضیٰؓ کے ایک دو قرائن ہم نے ذکر کر دیئے ہیں جو اصل مسئلہ کے مؤید ہیں اور ہاتھ کھول کر نماز ادا کرنا سنت نبوی اور حضرت علیؓ کے قول و فعل کے برخلاف ہے نہ حضرت علیؓ نے اور نہ ان کے جانشینوں نے کبھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھی ہے نہ تذکرہ ہے نہ مرتبہ ہے نہ کتب میں نہ کسی دیگر مقام میں ہاتھ کھول کر نماز ادا کی گئی۔

شیعہ کی طرف سے مسئلہ ہذا کی تائید

شیعہ کی معتبر کتابوں میں تحریر ہے کہ جب عورت نماز ادا کرنے لگے تو چاہیے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر اس طرح رکھے کہ پستان اس کے ہاتھوں کے نیچے ہوں۔

ـ ـ ـ ـ وتضع یدیها علی صدرها لمکان ثدییها ؎۲

حضرت علی المرتضیٰؓ کی تمام کی تمام مدنی زندگی میں نماز میں ہاتھوں کا باندھنا ثابت ہے حتیٰ کہ اپنے دور خلافت میں بھی حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسی پر عمل جاری رکھا اور ہاتھ کھول کر نماز ادا نہیں کی۔

لہٰذا اہل اسلام کے لیے جو تعلیم ہے وہ ثبوت مسئلہ کے لیے بھی حجت ہے۔

؎۱ ۔ مسند امام زید ص ۱۲۰ تحت صفۃ صلوٰۃ حضرت علیؓ ۔ طبع اول ۔ مصر

؎۱ ۔ السنن للدار قطنی ص ۲۸۶ جلد اول باب اخذ الشمال بالیمین فی الصلوٰۃ ۔ مطبع انصاری ۔ دہلی۔

؎۲ ۔ فروع کافی ص ۱۲۰ باب قیام والقعود فی الصلوٰۃ ۔ طبع نولکشور ۔ لکھنؤ۔

؎۲ ۔ تہذیب الاحکام شیخ طوسی ص ۱۱۱ کتاب الصلوٰۃ باب التکبیرات ۔ طبع قدیم ایران۔

پھر ان مسائل کو اگر کوئی شخص "تقیہ" پر محمول کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ کی تمام زندگی ان کے تمام اعمال کو اشتباہ میں ڈالنے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔ اور یہ چیز حضرت علی المرتضیٰؓ کی صداقت دیانت اور شجاعت کے برخلاف ہے یہ حضرات راست گو راست کردار تھے ان کے ہاں دو رخی پالیسی ہرگز نہ تھی۔

(۵)

جنازہ میں چار تکبیریں

سابقہ فقہی مسائل کی طرح نماز جنازہ میں تکبیرات اربعہ کا مسئلہ مختصراً درج کیا جاتا ہے اس مسئلہ میں روایات مختلف پائی جاتی ہیں تاہم جو آخری قول وفعل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی وہ چار تکبیرات پر مشتمل تھی۔

اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی شمولیت کے ساتھ حضرت ابومسعود انصاریؓ کے گھر میں مجلس مشاورت ہوئی اور یہ مجلس مشاورت حضرت عمر فاروقؓ کی نگرانی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس اجتماع میں صحابہ کرامؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل جنازہ پر چار تکبیروں کا ہے لہٰذا جنازہ پر چار تکبیریں کہنا چاہئیں۔ اس سے زائد تکبیریں جو سابقہ مروی ہیں وہ متروک العمل ہیں:

۔۔۔۔۔ اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت ابی مسعود الانصاری فاجمعوا ان التکبیر علی الجنازۃ اربع[1]

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۷ ج ۴ کتاب الجنائز باب ما یستدل بہ علیٰ ان اکثر الصحابۃ اجتمعوا علی اربع۔

نیز ایسے مواقع کے لیے کبار محدثین نے ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ :

"وإذا تنازع الخبران عن النبي صلى الله عليه وسلم نظر إلى ما عمل به أصحابه من بعده" [1]

یعنی اگر دو روایتیں متعارض پائی جائیں تو آنجناب کے بعد آپ کے صحابہ کے عمل کی طرف نظر کی جائے گی کہ ان کا کیا معمول ہے ؟

(۱) ان حالات میں مزید مسئلہ کو پختہ کرنے کے لیے جناب علی المرتضیٰؓ کا جو اپنے دور کا معمول تھا اس کو ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ جنازہ پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے چنانچہ جب آپ نے ایک شخص یزید بن المکفف کا جنازہ پڑھایا تو اس پر چار تکبیریں کہیں۔

"...... عن علي بن أبي طالبؓ أنه صلى على يزيد بن المكفف فكبر أربع تكبيرات۔ وهو آخر شيء كبره على أحد على جنازة" [2]

(۲) کبار علماء نے واقعہ نقل کیا ہے کہ جب امیرالمؤمنین علی المرتضیٰؓ کی شہادت ہوئی اور نماز ادا کرنے کے لیے جنابؓ کا جنازہ لایا گیا تو سیدنا حسنؓ نے حضرت علیؓ پر نماز جنازہ پڑھائی اور اس پر چار تکبیریں کہیں۔

"...... عن الشعبي أن الحسن بن عليؓ صلى على علي بن أبي طالب فكبر عليه أربع تكبيرات" [3]

(۳) جناب علی المرتضیٰؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کی نماز جنازہ جناب نبی

---

[1] سنن ابی داؤد ص ۱۱۱ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیء طبع مجتبائی دہلی۔

[2] (۱) کتاب الآثار امام محمدؒ ص ۴۰ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ۔ طبع قدیم لکھنؤ۔

(۲) کتاب الآثار امام محمدؒ ص ۴۲-۴۳ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ طبع مجلس علمی کراچی۔ ڈابھیل۔

[3] (۱) طبقات ابن سعد ص ۲۶ ج ۳ القسم الاول تحت تذکرہ علی بن ابی طالبؓ طبع لیدن

(۲) المستدرک للحاکم ص ۱۴۳ ج ۳ تحت مقتل امیرالمؤمنین علیؓ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیرات کے ساتھ ادا فرمائی۔ ؎

مسئلہ ہذا کی تفصیل تراجم صحابہ بعنوان حضرت صدیقؓ کے جنازہ کا [illegible] رحلت مسئلہ

جنازہ [illegible] ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

شیعہ کتب سے تائید

نیز شیعہ کتب میں مسئلہ ہذا بعض روایات میں موجود ہے۔ تاہم فروع کافی میں امام جعفر صادقؒ کی روایت نقل ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر پانچ تکبیریں کہتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو منافقین پر نمازِ جنازہ ادا کرنے سے منع فرما دیا تو آپ جنازہ پر چار تکبیریں کہتے تھے اور پانچویں نہیں کہتے تھے اور منافق میت پر دعا نہیں کرتے تھے۔

فلما نهاه الله عز وجل عن الصلوٰة على المنافقين كبّر وتشهد ثم كبّر وصلى على النبيين صلى الله عليهم ثم كبّر ودعا للمؤمنين ثم كبّر الرابعة وانصرف ولم يدع للميت۔ ؎

حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل، صحابہ کرامؓ کے اتفاق، حضرت علی المرتضیٰؓ کے عمل سے اور حضرت امام حسنؓ کے فعل سے جنازہ پر چار تکبیرات ثابت ہوئیں اور اس پر امت مسلمہ کا تعامل چلا آیا ہے۔ لہٰذا نمازِ جنازہ میں چار تکبیر کا مسئلہ درست ہے اور واجب العمل ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ کی یہی تعلیم و تلقین ہے اور

۱۔ مجمع الزوائد ج ۳ بحوالہ الطبرانی کبیر و اوسط۔

۲۔ فروع کافی جلد [illegible] ص ۹۵ کتاب الجنائز باب علة تكبير الخمس على الجنائز۔ نولکشور لکھنؤ۔

۳۔ علل الشرائع ص [illegible] باب [illegible] طبع نجف اشرف۔

۴۔ تہذیب الاحکام للشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی ص [illegible] باب الصلوٰة على الاموات۔ (طبع قدیم)

واضح ہوا کہ تکبیرات کا مسئلہ متروک العمل ہے۔

(۲)

صلوٰۃ التراویح

دین اسلام میں جماعت تراویح کی بڑی اہمیت ہے اور یہ مسنون طریقہ ہے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے نماز تراویح جاری ہے[1] اور عہد نبوی صلعم کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس سنت کو جاری رکھا ہے[2] اس کی تفصیلات اپنے مقام میں محدثین نے ذکر کی ہیں یہاں اس مسئلہ کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے یہاں صرف حضرت علی المرتضیٰؓ کے موقف کا ذکر کرنا کافی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کے عہد کے ایک بزرگ عرفجہ ذکر کرتے ہیں کہ رمضان شریف کی راتوں میں حضرت علی المرتضیٰؓ مرد و زن کو ارشاد فرماتے تھے کہ وہ نماز تراویح کے لیے جمع ہوں آپؓ مردوں کے لیے الگ اور عورتوں کے لیے جدا جدا امام مقرر فرماتے تھے جو ان کو تراویح پڑھائے۔ عرفجہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی امامت کے لیے آپؓ نے مجھے حکم فرمایا۔ (پس میں عورتوں کو نماز تراویح پڑھاتا تھا)

اور خواتین کو نماز تراویح پڑھانے کا باپردہ انتظام ہوتا تھا۔

(۱) ـــــ عن عمر الثقفی عن عرفجۃ الثقفی ان علیاً کان یامر الناس بالقیام فی شھر رمضان و یجعل للرجال

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ص ۳۳۸-۳۳۹ ج ۳ باب ذکر قیام اللیل کلہ للمصلی مع الامام فی قیام رمضان۔

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵ تحت قیام شہر رمضان۔

[3] السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۴ ج ۲ باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

اماماً وللنساء اماماً قال فامرني فاممت النساء[1]

(۲) ابو عبدالرحمٰن السلمی حضرت علی المرتضیٰؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ آنجنابؓ حضرت علیؓ نے رمضان شریف میں قرآن مجید کے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں اور جناب علی المرتضیٰؓ وتر کی نماز خود پڑھاتے تھے۔

"۔۔۔ عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی رضی اللّٰہ عنہ یوتر بھم۔ وروی ذالک من وجہ اٰخر عن علیؓ[2]

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ رضی اللّٰہ عنہ کے تلامذہ میں سے ایک بزرگ شتیر بن شکل رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح اور تین رکعت نماز وتر پڑھاتے تھے۔

"۔۔۔ روینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللّٰہ عنہ انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث"[3]

(۴) سوید بن غفلہ (جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے ایک مشہور شاگرد ہیں) کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ رمضان شریف میں وہ تراویح پڑھایا کرتے تھے جو بیس[4] رکعت ہوتی تھی

---

[1] (۱) المصنف لعبدالرزاق [illegible] روایت [illegible] طبع مجلس علمی

(۲) المتقیٰ للذھبی [illegible] طبع مصر

[2] (۱) السنن الکبریٰ للبیہقی [illegible] باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

(۲) المنتقیٰ للذھبی [illegible] طبع مصر

[3] السنن الکبریٰ للبیہقی [illegible] جلد ثانی باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

تراویح پر مشتمل ہوتی تھیں۔

...... انبأنا ابو الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة [1]

⑤ اہل علم کی اطلاع کے لیے یہ بات عرض کرنا خالی از فائدہ نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے رمضان شریف میں بیس رکعت (نماز تراویح) پڑھانے کا ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ:

"..... ان علیاً امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعة [2]

حاصل یہ ہے کہ رمضان شریف میں نماز تراویح کا پڑھنا اور بیس[20] رکعت کے ساتھ ادا کرنا ہمیشہ سے جاری ہے اور خصوصاً حضرت عمرؓ کے دور میں مسئلہ ہذا سے اس عمل پر مواظبت پائی گئی ہے پھر عہد عثمانی میں بھی اس پر عمل درآمد جاری رہا۔ پھر عہد علوی میں سابقہ طریق کے مطابق نماز تراویح با جماعت ادا کی جاتی رہی ہے۔ اور بیس[20] رکعات کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کے فرمان کے مطابق یہی عمل جاری رہا ہے۔ عہد مرتضوی میں نہ تو تراویح کو ترک کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کی تعداد بیس[20] رکعات میں کمی کی گئی ہے۔

پس اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا تعامل پایا گیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی اولاد کا بھی تعامل اسی پر جاری رہا ہے اس میں کوئی اختلاف عہد علوی میں رونما نہیں ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک مسجدوں میں جماعت تراویح تسلسل سے چلی آ رہی ہے تعامل امت میں کتنی قوت ہے اس کے لیے کبار علماء نے ایک قاعدہ درج کیا ہے اہل علم کے لیے ہم اسے پیش کر دیتے ہیں۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۹۶ ج ۲ تحت باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲ تحت باب کم یصلی فی رمضان من رکعة۔ طبع دکن۔

القاعدہ

التوارث والتعامل هو محكم الدين يعني اذا ثبت تعامل الصحابة بامر فهو حجة قاطعة وسنة ثابتة لا يمكن دفعها۔ لہ

مطلب یہ ہے کہ ایک معاملہ پر توارث اور تعامل دین کا اہم مسئلہ ہے یعنی جب ایک بات تعامل صحابہؓ سے ثابت ہو جائے تو وہ چیز سنت ثابتہ اور قطعی حجت ہے اس کا رد کرنا ممکن نہیں۔

نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔

فلہذا تراویح کے مسئلہ پر تمام ادوار میں مسلمانوں کا تعامل گمراہی پر اتفاق نہیں ہے اور نہ ہی یہ بدعت ہے بلکہ مسنون طریقہ ہے۔

اب ہم اس مسئلہ پر شیعہ مذہب کی کتب سے تائید پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کو پوری طرح تسلی ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ یہ عمل بدعت نہیں بلکہ اسلام میں ایک مسنون طریقہ ہے جس کو ابوالائمہ علی بن ابی طالبؓ اور ان کی اولاد شریف نے دواماً جاری رکھا ہے

شیعہ کتب سے تائید

امام جعفر صادقؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو عشاء کی نماز کے بعد نوافل میں اضافہ فرماتے۔ جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو لوگ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے پھر کچھ دیر بعد آپ صلعم ان لوگوں کو چھوڑ کر گھر تشریف لے جاتے۔ پھر گھر سے

لہ فیض الباری ص ۴۲۵ جلد ثانی (حاشیہ صحیح بخاری) از حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ۔

باہر تشریف لاتے اور لوگ آپ صلعم کی اقتدا میں کھڑے ہو جاتے۔ اسی طرح کئی بار جناب نبی کریمؐ ان لوگوں کو چھوڑ کر گھر تشریف لے جاتے اور پھر باہر تشریف لا کر نماز پڑھاتے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عشاء کی نماز کے بعد رمضان شریف کے سوا نوافل نہ پڑھا کرو۔

اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد بائیس[22] رکعات نوافل ادا کرنے کی روایت بھی یہاں مذکور ہے۔

"۔۔۔۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی صلوتہ فی شہر رمضان اذا صلی العتمۃ صلی بعدہا فیقوم الناس خلفہ فیدخل ویدعہم ثم یخرج ایضاً فیجیئون ویقومون خلفہ فیدعہم ویدخل مراراً۔ قال وقال لا تصل بعد العتمۃ فی غیر شہر رمضان" له

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں صلوۃ العشاء کے بعد نوافل کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی رہی ہے اور بعض روایات کی رو سے نوافل کی بائیس[22] رکعات کا پڑھنا ثابت ہو رہا ہے۔ اسی کا نام صلوۃ التراویح ہے۔ صرف نام کا فرق ہے کہ وہ حضرات اس کو نوافل کہتے ہیں اور ہم اسی نماز کو "صلوۃ التراویح" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

له (۱) فروع کافی صفحہ ۲۹۴ کتاب الصیام باب ما یزاد من الصلوۃ فی شہر رمضان۔ طبع لکھنؤ

(۲) الاستبصار للشیخ ابی جعفر الطوسی صفحہ ۲۳۲ جلد اول باب الزیادات فی شہر رمضان۔ طبع لکھنؤ

(۳) تہذیب الاحکام للشیخ الطوسی صفحہ ۱۳۱ کتاب الصلوۃ باب فضل شہر رمضان والصلوۃ فیہ زیادۃ علی النوافل المذکورۃ۔ طبع ایران

ماتم

اسلامی احکام میں ماتم کے عدم جواز کا حکم معروف و مشہور ہے ۔ اسلام نے ماتم سے ہمیشہ منع فرمایا ہے ۔ اور کتاب و سنت میں صبر کی تعلیم دی گئی ہے ۔ اب جتنے ماتم کے مظاہرے ہیں یہ سب صبر کے برخلاف چیزیں ہیں ۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ نے اپنے فرمودات میں تمام انواع ماتم نا تم کرنے سے روکا ہے ۔

(۱) —— نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کو فرمان ہے کہ جس شخص نے منہ پر طمانچے لگائے اپنے گریبان کو پھاڑا اور جاہلیت کے دور کی طرح واویلا کیا فلیس منا یعنی یہ شخص ہماری جماعت میں سے نہیں اور وہ اس امت میں سے نہیں ہے ۔[1]

(۲) —— اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بطور وصیت ارشاد فرمایا :

"اذا انا مت فلا تخمشی علی وجها ولا ترخی علی شعرا
ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علی نائحة"[2]

(۳) —— حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد صبر کی تلقین کے متعلق شیعہ سنی دونوں مذاہب کی کتب میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے ۔ ان فرامین مرتضوی میں سے ایک فرمان

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص [illegible] الفصل الاول باب البکاء علی المیت ۔ بحوالہ

[2] (۱) کتاب معانی الاخبار للشیخ صدوق الشیعی ص [illegible] باب [illegible] طبع قدیم ایران ۔

(۲) فروع کافی ص ۲۲۸ ج ۲ کتاب النکاح باب صفۃ بیعۃ النبی صلعم النساء

(۳) حیات القلوب از ملا باقر مجلسی ص [illegible] جلد ثانی باب شصت وسوم در وصیت حضرت رسول ۔

یہاں درج کیا جاتا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ ارشاد فرماتے ہیں:

"...... واعلموا ان منزلۃ الصبر من الایمان کمنزلۃ الرأس من الجسد فاذا ذھب الرأس ذھب الجسد واذا ذھب الصبر ذھب الایمان" ؎

یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ کا فرمان ہے کہ لوگو! یقین کرو کہ صبر کا ایمان میں وہی مرتبہ ہے جیسے سر کا مرتبہ جسم میں ہے۔ جب سر چلا جاتا ہے تو جسم ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان بھی چلا جاتا ہے۔

یہ صبر کے متعلق بڑی اہم تلقین ہے صبر کے چلے جانے سے گویا کہ ایمان ضائع ہو جاتا ہے مختصر یہ ہے کہ جتنی ماتم کی رسومات ہیں یہ سب صبر کے برخلاف ہیں ان کے قائم کرنے سے صبر جاتا ہے اور صبر کے جانے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ماتم کرنے والے گو تا ہم مسلمان کہلائیں مگر انہیں مومن نہیں کہا جا سکتا ایمان کا مقام بہت اونچا ہے جو کسی بے صبری کرنے والے کو نہیں ملتا۔

(۴) اس کے بعد سیدنا حسینؓ کا فرمان جو آپ نے اپنی گرامی قدر خواہر حضرت زینب کو کربلا میں دیا تھا وہ پیش کیا جاتا ہے اس میں سیدنا حسینؓ نے اپنی ہمشیرہ گرامی کو وصایا کے درجہ میں فرمایا:

"اے گرامی قدر خواہر! میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ جب میں ظالموں کی تیغ سے عالم بقا کی طرف رحلت کر جاؤں تو میرے سوگ میں گریبان چاک نہ

؎ (۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱۳ طبع کراچی تحت کتاب الزہد۔
(۲) نہج البلاغۃ ص ۱۶۳ ج ۲ طبع مصر تحت متفرق اقوال سیدنا علیؓ۔
(۳) نہج البلاغۃ ص ۱۶۸ ج ۳ طبع مصر تحت متفرق اقوال مرتضوی۔
(۴) شرح نہج البلاغۃ لابن میثم البحرانی ص ۴۸۱ ج ۵ تحت ۳۲ متفرق اقوال مرتضوی متعلق صبر طبع ایران۔

کرنا، اپنے چہرہ کو زخمی کرنا اور بے صبری میں واویلا کرنا وغیرہ۔[1]

۔ ۔ ۔ ۔ فقال لها یا اختاه تعزی بعزاء الله فان لی

ولکل مسلم اسوۃ برسول اللہ ثم قال لها یا اخیۃ انی اقسم علیک

فابری قسمی لا تشقی علی جیبا ولا تخمشی علی وجها ولا تدعی

علی بالویل والثبور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ۔[2]

یعنی انواع ماتم سے سیدنا حسینؓ نے اپنے اقارب کو بطور وصیت منع فرمایا یہ روایت شیعہ سنی دونوں کی کتب میں مذکور ہے ہم نے صرف چند شیعی حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں۔ یہ شیعی حوالہ جات ذیل میں درج کر دیئے ہیں۔

پھر ماتم اجتماعی شکل میں کرنا اور اختیاری طور پر کرنا ان چیزوں اور آنسوؤں سے بالکل جدا ہے جو طبعی صدمہ کے موقع پر اضطراری درجہ میں کسی فرد سے ظاہر ہوں اور صدمہ کے بعد تین دن کے اندر اندر ہوں

یہاں سے واضح رہے کہ ماتم اور جو عزاداری شہدائے کربلا میں صدیوں سے ہو رہا ہے یہ جملہ انواع ممنوع ہے اور بعض لوگ جو منع ماتم کی روایت کے ساتھ ایک استثناء (الا عزاء الحسینؓ) کا اضافہ کر کے جواز پیدا کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ استثناء خود سیدنا حسینؓ کے آخری فرامین کے متعارض اور برخلاف ہے لہذا یہ تاویل صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے۔

نمبر ۱: تاریخ یعقوبی الشیعی ص ۲۴۴ ج ۲ تحت مقتل حسینؓ۔ طبع بیروت۔

(۲) جلاء العیون الشیعی ص ۳۹۴ تحت بیان حوال شب عاشورا۔ طبع ایران۔

(۳) ناسخ التواریخ الشیعی ص ۱۷۵ ج ۶ کتاب دوم۔ تحت وصیت کردن امام حسینؓ زینب و دیگر اقارب را بر تمکین۔ طبع قدیم۔

(۴) اخبار ماتم الشیعی ص ۲۲/۴۲۱ مجلس ۱۲ تحت تلقین صبر قدیم طبع۔

متعہ

شیعہ کے نزدیک متعہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک عاقل و بالغ مرد ایک عاقلہ بالغہ عورت کے ساتھ ایک مقررہ مدت کے لیے عہد کرے اس کے لیے کوئی معاوضہ متعین کرے بعد اسے بیوی کی طرح استعمال کرے اس میں ان کے نزدیک نہ ہی شہادت درکار ہے نہ اعلان عام ہے اور نہ ہی عورت کے ولی کی اجازت یا اسے اطلاع ضروری ہے۔

جب کہ اہل سنت کے نزدیک نکاح موقت اور متعہ ایک ہی چیز ہے وقت عہد تمتع کا لفظ بولیں یا نکاح کا جس میں وقت کی قید ہو دونوں کا حاصل ایک ہے فرق صرف استعمال الفاظ میں ہے۔ اور یہ دونوں نکاح موقت ہو یا متعہ حرام ہیں سو یہ عمل اسلام میں ناجائز ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں نکاح موقت کی صورت کچھ زمانہ جائز رہی ہے لیکن اس میں شہادت ہوتی تھی یہ کوئی چھپا عمل نہ تھا۔ بعد میں اسلام نے اس فعل سے روک دیا منع کر دیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ دیگر کئی امور ایک زمانہ تک جائز رہے لیکن بعد میں ان سے منع کر دیا گیا جیسے مسلم اور کافر کا نکاح اور شرب خمر اور ممانعت از زیارت قبور وغیرہ۔

مسئلہ ہذا اپنی جگہ پر تفصیلات کا متقاضی ہے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے ہم یہاں صرف فرمان نبوی اور اقوال علی المرتضیٰ بقدر ضرورت مختصراً پیش کرتے ہیں۔

فرمان نبوی بقول علی المرتضیٰ

محمد بن حنفیہ اپنے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب علی المرتضیٰ کا حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس گزر ہوا۔ عبداللہ بن عباس

متعۃ النساء کے جواز کے متعلق نرمی کرتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ معلوم کر کے ابن عباسؓ کو ارشاد فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز سے متعۃ النساء اور گدھے کے گوشت کو کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

"۔۔۔۔ عن عبد اللہ والحسن ابنی محمد بن الحنفیۃ عن ابیہما ان علیاً قال لابن عباس وھو یفتی فی متعۃ النساء انہ لا باس بھا فقال لہ علیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا وعن لحوم الحمر الاھلیۃ یوم خیبر" لـه

اس کے بعد ابن عباسؓ اس مسئلہ کے جواز کے قول سے رک گئے اور سابق قول سے رجوع فرمالیا۔

اسی طرح سبرۃ بن معبد الجہنی و دیگر صحابہؓ نے بھی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متعۃ النساء سے دوامی منع کا فرمان نقل کیا ہے اور یہ احادیث کئی کتب میں صحیح اسانید کے ساتھ موجود ہے چنانچہ ان میں سے ایک روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے

سبرۃ بن معبد کہتے ہیں کہ:

۔۔۔۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا کنا قد اذنّا لکم فی ھذہ المتعۃ فمن کان عندہ من ھذہ النسوان

لـه (۱) کتاب السنن لسعید بن منصور ص۲۵۲ ج۳ اول باب ما جاء فی المتعۃ (طبع مجلس علمی)

(۲) المصنف عبد الرزاق ص۵۰۱ ج۷ باب المتعۃ (طبع مجلس علمی)

(۳) طحاوی شریف ص۱۴ ج۲ باب نکاح المتعۃ (طبع دہلی)

(۴) جامع الترمذی ص۱۳۳ باب ما جاء فی نکاح المتعۃ (طبع مجتبائی دہلی)

(۵) مشکوٰۃ شریف ص۲۷۳ متفق علیہ فصل اول باب اعلان النکاح والخطبۃ (نور محمد دہلی)

(۶) المسند لامام احمد ص۱۴۲ ج۱ تحت مسندات علی کرم اللہ وجہہ۔

شئی فلیخل سبیلہ فان اللہ قد حرمہا الی یوم القیامۃ

ولا تأخذوا مما آتیتموھن شیئاً [1]

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے متعہ کے معاملہ میں تمہیں اجازت دے رکھی تھی اب جس کے پاس متعہ کے تحت کوئی عورت موجود ہو اسے اپنے پاس سے نکال دے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اب متعہ کو یوم قیامت تک حرام فرما دیا ہے اور ان عورتوں کو جو کچھ تم نے دے دیا تھا وہ ان سے واپس نہ لو۔"

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متعہ کے متعلق یہ آخری فرمان ہے جس کی بنا پر اسلام میں متعۃ النساء ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اور بعض حضرات سے جو جواز کا قول پایا جاتا ہے وہ سابق دور کے متعلق ہے اور متروک ہے۔ ان کو آخری حکم نہ پہنچنے کی بنا پر ان سے یہ قول صادر ہوا۔

عہد علوی

سابق خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں متعہ ممنوع رہا اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے اپنے دور خلافت میں بھی متعہ کے امتناع پر دوامًا عمل جاری رہا۔

فلہذا حضرت علی ؓ اور ان کی اولاد شریف کے فرمودات کے مطابق حرمت متعہ دوامًا ثابت ہے۔ پھر اس کے خلاف عمل نہیں پایا گیا۔

---

[1] (۱) کتاب المسند الحمیدی ص ۳۸۴ ج ۲ تحت مسانید سبرۃ بن معبد۔ طبع مجلس علمی۔

(۲) السنن للدارمی ص ۲۸۲ من سبرۃ بن معبد باب النہی عن متعۃ النساء

(۳) مسلم شریف ص ۴۵۲ ج ۱ کتاب النکاح باب تحریم المتعہ۔ طبع دہلی۔

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۲ ج ۴ باب نکاح المتعۃ طبع حیدرآباد دکن۔

شیعہ کتب سے تائید

امتناعِ متعہ کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے دور میں حلّتِ متعہ کا فرمان جاری نہیں کیا۔ بلکہ حسبِ سابق حرمتِ متعہ کا حکم قائم رکھا چنانچہ محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب الروضہ میں حضرت علی المرتضیٰ کا ایک خاص خطبہ مذکور ہے جس میں بہت سے احکام ایک ایک کر کے شمار کیے ہیں جن کو حضرت علی المرتضیٰ نے بدستور قائم رکھا اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکے۔ ان احکام میں متعۃ النکاح اور متعۃ الحج بھی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لو امرت .... وامرت باحلال المتعتین ----

اذاً لتفرقوا عنی[1]

یعنی اگر میں متعۃ النساء اور متعۃ الحج کے حلال ہونے کا حکم کر دوں ۔ ۔ ۔ تو

اس وقت لوگ مجھ سے متفرق ہو جائیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ متعۃ النساء کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے حلال قرار نہیں دیا اور اپنے عہدِ خلافت میں بدستور سابق اس کی حرمت کا حکم قائم رکھا۔

جیسا کہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام برحق ہیں اور امام کے فرائض کی انجام دہی ان کی قدرت اور دسترس میں ہے اور امام اپنے دورِ حکومت و خلافت میں اپنے فرائض کی کما حقہٗ ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ احیاءِ سنت اور اماتتِ البدعۃ اس کے اولین فرائض میں سے ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل درآمد کا تقاضا ہے کہ[2]

---

[1] (۱) محمد بن یعقوب کلینی کتاب الروضہ ص [illegible] ج ۳ تحت خطبہ امیر المومنینؑ طبع نولکشور لکھنؤ۔

(۲) روضہ کافی مع ترجمہ فارسی ص [illegible] ج ۱ طبع تہران (دو جلد والی)۔

[2] نہج البلاغہ ص [illegible] ج ۱ تحت فرمودہ [illegible] طبع مصر۔

غرضیکہ امام بیہقی نے حرمت متعہ کے حکم کو بدستور قائم رکھتے ہوئے اپنے فریضہ کی بطریق احسن ادائیگی فرمائی۔

(۹)

ایک فقہی مسئلہ

ماقبل میں چند ایک فقہی مسائل ذکر کیے گئے ہیں اور ان کی تائید میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقوال اور فرامین درج کر دیے ہیں اب اسی سلسلہ میں ایک مشہور مسئلہ درج کرنا مناسب خیال کیا ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی اور اسی طرح ایک عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

۔۔۔۔عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یجمع بین المرأۃ وعمتھا وبین المرأۃ وخالتھا۔[1]

اسی طرح دیگر اکابر علماء مثلاً ابوبکر جصاص حنفی نے احکام القرآن میں بعبارت ذیل یہ مسئلہ بالوضاحت درج کیا ہے۔

۔۔۔۔وقد وردت الآثار متواترۃ فی النھی عن الجمع بین المرأۃ وعمتھا وخالتھا رواہ علیؓ وابن عباسؓ وجابرؓ وابن عمرؓ وابو موسیٰؓ وابو سعید الخدریؓ وابو ہریرۃؓ وعائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا ولا علی بنت اخیھا ولا علی بنت اختھا۔[2]

---

[1] کتاب الاثار لابی یوسف القاضی الروایۃ ۶۱۷۔ تحت ذکر ابواب النکاح من السنن۔

[2] احکام القرآن لابی بکر الجصاص الحنفی ج ۲ ص ۱۵۲ باب فی النھی عن الجمع بین المرأۃ وعمتھا وخالتھا۔

یعنی نکاح ہذا کی منع میں متواتر روایات وارد ہوئی ہیں۔ روایات حضرت علی، ابن عباس، جابر، ابن عمر، ابو موسیٰ اشعری، ابو سعید الخدری، ابو ہریرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی ہیں۔ ان سب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھوپھی اگر نکاح میں ہے تو اس پر اس کی بھتیجی نکاح میں نہ لی جائے اسی طرح اگر اس کی خالہ نکاح میں ہے تو اس کی بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ اگر بھتیجی نکاح میں ہے تو اس پر اس کی پھوپھی نکاح میں نہ لی جائے اور اگر اس کی بھانجی نکاح میں ہے تو اس کی خالہ سے نکاح نہ کیا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا بمضمون حضرت علی المرتضیٰؓ بہت سے صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور فرمان نبوی صلعم ان سب حضرات نے نقل کیا ہے کہ پھوپھی اور اس کی بھتیجی، خالہ اور اس کی بھانجی کسی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ نیز علمائے کبار نے جہاں امت کے اجماعی مسائل جمع کیے ہیں وہاں مسئلہ ہذا کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۔۔۔۔۔ واجمعوا علی ان لا تنکح المرأۃ علی عمتها ولا علی خالتها ۔۔۔۔ الخ [1]

شیعہ لوگ جو اس نکاح کے جواز کا قول ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں۔ اسلام میں ایسا نکاح بالکل ناجائز ہے۔ اور یہی اقوال حضرت علی کی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؓ کی اولاد فرمان نبوی اور اپنے جد اعلیٰ کے فرمان و فیصلہ کے خلاف کیسے حکم صادر فرما سکتے تھے؟

---

[1] "الاجماع" لابی بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (نیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ) ص ۹۵ تحت کتاب النکاح مسئلہ ۳۲۳ طبع [illegible] [illegible]۔

امیرالمومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

واقعہ ہذا کے متعلق مصنفین نے کئی تفصیلات ذکر کی ہیں ان میں سے بقدر ضرورت یہاں درج کی جاتی ہیں بعض چیزیں یہاں واقعہ ہذا سے قبل پیشین گوئیوں کی صورت میں ہیں پھر اس کے بعد اصل واقعہ اور اس کا پس منظر بیان کرنا مناسب ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کئی عناصر آنجناب کے خلاف تھے ان میں سے خاص طور پر خارجی لوگ تو حضرت امیرالمومنین کی خلافت و امارت کو کسی صورت میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

شعبان ۳۸ھ میں جنگ نہروان جب خارجیوں سے ہوئی ہے اور ان کے بے شمار لوگ اس جنگ میں مارے گئے تو ان لوگوں کے سینوں میں عناد کی آتش ہمیشہ بھڑکتی رہی۔ اور بطور انتقام میں یہ لوگ اپنے موقعہ کے انتظار میں رہے پھر آنحضرت رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ان لوگوں کی عداوت کے نتیجہ میں پیش آیا۔

قبل از شہادت کے حالات میں مورخین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ مراد سے ایک شخص جناب علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آنجناب رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے از رہ خیر خواہی آکر عرض کیا کہ آنجناب رضی اللہ عنہ اپنی حفاظت کا انتظام فرمائیں قبیلہ مراد کے بعض لوگ آنجناب رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کوئی حارس اور نگران مقرر فرمالیں تو بہتر ہوگا حفاظتی تدبیر کی صورت میں یہ چیز ضروری ہے۔

تو اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ تقدیر کا بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا : کہ ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے حفاظت کے لیے لگے ہوئے ہیں جب تقدیر غالب آجاتی ہے تو اس شخص سے الگ ہو جاتے ہیں اور اجل ایک

بن ابی سفیانؓ اور عمرو بن العاص زندہ ہیں تو امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے قتل کرنے سے اہل بلاد کو راحت پہنچانا لازم ہے اور ان لوگوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ پس ان تینوں شخصوں کا خاتمہ ضروری ہے۔

اس پر انہوں نے آپس میں اس طور پر معاہدہ کیا کہ عبدالرحمان بن ملجم مرادی نے کہا کہ علیؓ کے قتل کا میں ذمہ لیتا ہوں اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ معاویہ کو ختم کرنے کا میں عہد کرتا ہوں اور عمرو بن بکر نے کہا کہ عمرو بن العاص کے ہلاک کرنے کے لیے میں تمہیں کافی ہوں اور سترہ رمضان کی تاریخ طے کی کہ ان کے بلاد میں پہنچ کر ان مقتولوں پر حملہ صبح کی نماز پر کیا جائے۔

چنانچہ اس منصوبہ کو تمام کرنے کے لیے پختہ عہد کر کے یہ لوگ کوفہ شام اور مصر کی طرف چل دیے۔

عبدالرحمان بن ملجم کوفہ میں پہنچا حضرت علی المرتضیٰؓ کی عادت مبارک تھی کہ فجر کی نماز کے لیے بہت سویرے اٹھتے تھے اور نماز کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو الصلوٰۃ الصلوٰۃ کے ساتھ بیدار کرتے چلے جاتے۔ ابن ملجم اپنی مخصوص تلوار کے ساتھ اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے آپ کے سر مبارک میں زور سے تلوار نکالی جو سر میں گہری چلی گئی جس سے جناب کی ریش مبارک تربتر ہو گئی۔ اور لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا۔ نماز تیار تھی نماز کے لیے جعدہ بن ہبیرہ کو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھائیں پس اس نے فجر کی نماز لوگوں کو پڑھائی اور حضرت علیؓ کو اپنے گھر کی طرف اٹھا کر لایا گیا اور عبدالرحمن بن ملجم کو بھی پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بچ نہ سکوں اور فوت ہو جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر میں زندہ رہا تو میں جو معاملہ مناسب سمجھوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔[1]

---

۱ (۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۳۲۲-۳۲۳ جلد ۷ تحت مقتل علیؓ۔

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی ص ۱۳۹-۱۴۰ جلد ۹ باب وفات علیؓ۔

(۳) طبقات لابن سعد ص ۲۳-۲۴ ج ۳ تحت ذکر عبدالرحمان بن ملجم المرادی و بیعۃ علیؓ۔

حضرت امیر معاویہؓ پر حملہ

برک بن عبداللہ خارجی ملک شام دمشق پہنچا اور سابقہ متعین تاریخ کو صبح کی نماز میں جب حضرت امیر معاویہ تشریف لائے تو اس نے اپنی تلوار سے حضرت امیر معاویہ پر وار کیا۔ حضرت امیر معاویہؓ جھکے تو تلوار کا وار ان کی سرین پر پڑا اس طرح حضرت امیر معاویہؓ کی جان بچ گئی لیکن سخت زخمی ہوئے۔ برک بن عبداللہ کو پکڑ لیا گیا اس حالت میں اس نے اپنے دیگر ساتھیوں کے حملہ کا پروگرام بتایا۔ پھر اس کو اس کے شر و فساد سے بچنے کے لیے قتل کرا دیا گیا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ علاج معالجہ کے بعد صحت یاب ہو گئے۔

نیز حضرت امیر معاویہؓ نے اس واقعہ کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہونے کے مقام میں مقصورہ بنوایا اور شرطی رنگران کو بطور محافظ مقرر کرنے کا انتظام کیا۔

"۔۔۔۔۔۔ واما البرك بن عبد الله فقعد لمعاوية فخرج ليصلي الغداة فشد عليه بسيفه وادبر معاوية هاربا فوقع السيف في اليته۔۔۔۔۔۔ فامر به فقتل۔۔۔۔۔۔ فامر معاوية بعد ذلك بالمقصورات وقيام الشرط على راسه۔۔۔۔۔۔ الخ"[1]

حضرت عمرو بن العاصؓ پر حملہ

تیسرے خارجی عمرو بن بکر نے مصر میں پہنچ کر صبح کی نماز کے وقت امام نماز پر حملہ کیا اس روز حضرت عمرو بن العاص اتفاقاً بیمار ہو گئے تھے اور اپنی جگہ پر انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حبیبہ کو بھیجا تھا۔ خارجی کے حملے میں خارجہ موصوف قتل ہو گئے اور عمرو بن العاصؓ بچ گئے۔ عمرو بن بکر خارجی پکڑا گیا جب اسے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے

---

[1] مجمع الزوائد للہیثمی ص ۱۴۳ جلد تاسع باب آخر احوال علیؓ۔

[2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۳۲۹ تحت مقتل علیؓ۔

فرمایا۔ تو اے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ کی موت کا ارادہ فرمایا۔

مختصر یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا گیا تاکہ بعد از فساد ختم ہو جائے۔"

۔۔۔۔ واما عمرو بن بکر فقعد لعمرو بن العاص فی تلک

اللیلة التی ضرب فیہا معاویة فلم یخرج واشتکی بطنہ

فامر خارجة بن حبیب وکان صاحب شرطتہ

وکان من بنی عامر بن لوی فخرج یصلی بالناس فشد علیہ

وھو یری انہ عمرو بن العاص فضربہ بالسیف فقتلہ۔۔۔۔

قال عمرو اردتنی واللہ اراد خارجة وقدمہ وقتلہ۔۔۔الخ[1]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر حملہ ہوا ہے تو وہ نہایت شدید تھا اس میں سے جانبر ہونے کی امید نہ رہی اس موقع میں متعدد چیزیں پیش آئی ہیں۔

استخلاف کا مسئلہ

ایک آنجناب کے استخلاف اور قائم مقامی کا مسئلہ تھا تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ آنجناب اپنا خلیفہ مقرر فرمایئے تو حضرتؓ نے ارشاد فرمایا۔

"۔۔۔۔ قالوا استخلف علینا قال لا ولکن اترککم الی ما ترککم الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"[4]

یعنی میں اپنا خلیفہ مقرر نہیں کرتا لیکن میں تمہیں اس حالت پر چھوڑتا ہوں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا (آپؐ نے کسی کو اپنا نامزد خلیفہ مقرر نہیں فرمایا)

اور بعض دیگر روایات میں اس طرح ہے کہ جندب بن عبداللہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

---

[1] (۱) مجمع الزوائد الہیثمی ص۱۴۳ جلد ۹ طبع باب آخر احوال علیؓ۔

(۲) کتاب المحبر ص۳۰۲ (طبع حیدرآباد دکن) لابی جعفر بغدادی۔

(۳) البدایہ لابن کثیر ص۳۲۸ تحت مقتل علیؓ۔

[4] مسند امام احمد ص۱۳۰ ج۱ تحت مسندات علیؓ۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ابن ملجم نے جامع مسجد کوفہ میں سترہ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو صبح کے وقت حملہ کر کے آنجناب کو شدید زخمی کر دیا تھا تین روز بعد تریسٹھ سال کی عمر میں آپؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد ابن ملجم کو سنگین طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔[1]

غسل کفن دفن اور صلوٰۃ جنازہ

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد ان کے غسل اور کفن کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ جناب کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور جناب کے برادر زادے عبد اللہ بن جعفر طیارؓ نے جناب کو غسل دیا اور کفن پوشی کی۔ آنجناب کا کفن تین کپڑوں پر مشتمل تھا جس میں قمیص نہیں تھا۔

... و غسله الحسن والحسين وعبد الله بن جعفر وكفن في ثلاثة أثواب ليس فيها قميص[2]

اس کے بعد جناب پر نماز جنازہ کی تیاری ہوئی۔ علماء تراجم نے بیان ذکر کیا ہے کہ آنجناب پر آپ کے صاحبزادے سیدنا حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیروں کے ساتھ یہ نماز ادا کی۔[3]

یہ مسئلہ گزشتہ فقہی مسائل کے باب میں مسئلہ ۷ کے تحت گزر چکا ہے۔

جنازہ سے فراغت کے بعد آنجنابؓ کے دفن کا مسئلہ پیش آیا۔ آنجنابؓ کو کوفہ میں صبح اندھیرے

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۳۳۰ جلد سابع تحت سنہ مقتل علیؓ۔

[2] طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی بن ابی طالب۔

[3] (۱) المستدرک حاکم ص ۱۴۳ ج ۳ تحت مقتل امیر المومنین علیؓ۔

(۲) طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت علی بن ابی طالب۔

کے قریب الرحبہ کے مقام میں قبل از نماز فجر رات کو ہی دفن کر دیا گیا۔

"...... ان الحسن بن علی صلی علی علیؓ بن ابی طالب فکبر علیہ اربع تکبیرات ودفن علی بالکوفۃ عند مسجد الجماعۃ فی الرحبۃ مما یلی ابواب کندۃ قبل ان ینصرف الناس من صلوۃ الفجر"[1]

اور سیدنا علی المرتضیٰؓ کے مقام دفن کے معاملہ میں حافظ ابن کثیرؒ نے بعبارت ذیل تحریر کیا ہے کہ:

"...... ودفن بدار الامارۃ بالکوفۃ خوفاً علیہ من الخوارج ان ینبشوا عن جثتہ، ہذا ہو المشہور ومن قال انہ حمل علی راحلتہ فذہبت بہ فلا یدری این ذہب فقد اخطأ وتکلف ما لا علم لہ بہ ولا یسیغہ عقل ولا شرع، وما یعتقدہ کثیر من جہلۃ الروافض من ان قبرہ بمشہد النجف فلا دلیل علی ذلک ولا اصل لہ"[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو کوفہ میں دار الامارۃ میں دفن کیا گیا اس وجہ سے کہ خارجیوں کی طرف سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ وہ آنجنابؓ کی نعش مبارک کی توہین اور بے حرمتی نہ کر ڈالیں یہ قول مشہور ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنجناب کی نعش مبارک کو ایک سواری پر باندھ کر چھوڑ دیا گیا اور پھر معلوم نہ ہو سکا کہ سواری کس طرف چلی گئی؟ تو یہ ان کا قول بالکل غلط ہے اور انہوں نے ایک نامعلوم چیز کے متعلق خواہ مخواہ تکلف کیا ہے اور یہ عقلاً درست ہے اور نہ ہی شرعاً صحیح ہے۔

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم اول تحت ذکر عبد الرحمن بن ملجم المرادی وبیعۃ علی الخ۔

[2] البدایہ لابن کثیر ص [illegible] ج ۷ تحت مقتل علیؓ۔

روافض لوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنجنابؓ کی قبر مشہد (نجف اشرف) میں ہے اس بات پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ چیز بے اصل ہے اور شہرت یافتہ ہے۔

عمر مبارک و عہد خلافت

سیدنا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے وقت آنجناب کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی اور آنجناب کی خلافت کی مدت چار سال اور نو ماہ ہے۔

...وکانت خلافته علی اربع سنین وتسعة اشھر...[1]

عن ابی اسحاق قال توفی علیؓ وھو یومئذ ابن ثلاث وستین سنة[2]

حضرت حسنؓ کے ساتھ بیعت

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ کے کفن و دفن کے بعد جس مسئلہ پر تعجیلاً عمل کیا گیا وہ سیدنا حسن بن علی المرتضیٰؓ کی بیعت تھی۔ سیدنا حسنؓ نے دار الامارۃ کوفہ میں لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے آنجناب کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے بیعت خلافت کر لی۔

...ثم انصرف الحسن بن علی من دفنه فدعا الناس الی بیعته فبایعوہ[3]

حضرت علی المرتضیٰؓ کے ازواج اور اولاد

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعدد ازواج ہیں اور پھر ان سے ذکور اور اناث اولاد بھی ہے۔ یہاں پہلے مختصراً آنجنابؓ کے ازواج کا ذکر کرتے ہیں اس کے بعد

---

[1] طبقات لابن سعد ص ۲۵ ج ۳ تحت تذکرہ حضرت علی المرتضیٰؓ۔

[2] البدایۃ لابن کثیر ص ۳۳۹ ج ۷ جلد سابع تحت صفۃ مقتل علیؓ۔

[3] طبقات لابن سعد ص ۲۷ ج ۳ تحت تذکرہ علی المرتضیٰؓ۔

آنحضرتؐ کی اولاد کا اجمالی ذکر کیا جائے گا۔

ازواج

① آنجناب کی بیوی زوجہ محترمہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ان ہی سے اولاد شریف معروف و مشہور ہے۔ (جیسا کہ آگے اجمالاً ذکر آرہا ہے) سیدہ فاطمہ کی زندگی میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے احتراماً دوسری شادی نہیں کی۔

غزوہ بدر کے بعد ان کے ساتھ نکاح ہوا تھا۔ نکاح کی تفصیلات بقدر کفایت "کتاب بنات اربعہؓ" میں ہم نے ذکر کر دی ہیں۔ ان سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں متولد ہوئیں۔ زوج اور زوجہ کے تعلقات نہایت بہترین تھے ان کی تفصیلات میں ہم نہیں جا سکتے۔ حدیث اور تراجم کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد اٹھائیس[1] یا انتیس سال کی عمر میں حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا (مشہور قول یہی ہے)

سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو سیدہ موصوفہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو وصیت فرمائی کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو میرے غسل کا انتظام آپ کریں چنانچہ انہوں نے حسب وصیت حضرت فاطمہؓ کے غسل کا انتظام کیا۔ اور قاعدہ شرعی کے مطابق حضرت فاطمہؓ کو بعد از وفات غسل دیا گیا۔ اور آپ کے ساتھ اس انتظام میں معاونت کرنے والے حضرت علی المرتضیٰؓ اور سلمیٰ (ام رافع)[2] تھیں۔

"۔۔۔ ولما حضرتها الوفاة اوصت الی اسماء بنت عمیس امرأة الصدیق ان تغسلها فغسلتها هی وعلی بن ابی طالب وسلمی ام رافع۔" الخ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص ۳۳۳ ج ۷ تحت ذکر من توفی فی ہذہ السنۃ (سنہ ۱۱ھ)

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی ص ۴۳ ج ۲ تحت تذکرہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم۔

اور بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سیدہؓ نے اپنی وفات سے قبل ہی خود غسل فرما لیا اور وصیت فرمائی کہ اس کے بعد مجھے غسل نہ دیا جائے اس قول کے متعلق ابن کثیرؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ "فضعیف لا یعول علیہ واللہ اعلم"[1] اور قاعدہ شرعی کے بھی خلاف ہے۔

اہل علم کی توجہ کے لیے مختصراً اتنا عرض کر دینا مناسب ہے کہ عدم اغتسال کا یہ قول محمد بن اسحٰق نے نقل کیا ہے جن بعض روایات میں یہ چیز ملتی ہے وہاں محمد بن اسحٰق کے ذریعے مروی ہے اور محمد بن اسحٰق کے متفردات میں شمار کیا جاتا ہے (یہ ایسا قول ہے کہ لا یتابع علیہ) پھر بعد از غسل جناب سیدہ کا حضرت صدیق اکبرؓ نے جنازہ پڑھایا اور تستر کی رعایت سے رات کو ہی جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ سیدہ کا وصال ۳ رمضان شریف سنہ ۱۱ھ کو ہوا۔

(۲) حضرت اسماء بنت عمیسؓ خثعمیہ پہلے پہل حضرت علی المرتضیٰؓ کے برادر حضرت جعفر الطیارؓ کے نکاح میں تھیں اس سے ان کی اولاد عبداللہ، عونؓ اور محمد بن جعفر متولد ہوئی[2] ان کی شہادت کے بعد آنمحترمہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان سے اولاد ہوئی ان میں سے محمد بن ابی بکر مشہور ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے انتقال کے بعد حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے نکاح کیا۔ اور ان سے آپ کے فرزند یحییٰ بن علی ہیں[3]

(۳) حضرت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع بن عبد شمس حضرت زینب بنت

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ ص ۳۳۳ ج ۶ تحت ذکر من توفی فی سنہ ۱۱ھ

[2] نسب قریش ص ۸۱ تحت ولد جعفر بن ابی طالب۔

[3] نسب قریش ص ۴۳ تحت ولد علی بن ابی طالب

(۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۳۳۳ جلد ۷ تحت ذکر زوجاتہ وبنیہ وبناتہ (علیؓ)

رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت امامہ بنت ابی العاص سے نکاح کیا۔ بقول بعض مورخین امامہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک صاحبزادہ محمد الاوسط متولد ہوا۔ لہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے وقت امامہ جناب کے نکاح میں تھیں۔ آنجنابؓ کی شہادت کے بعد امامہ نے مغیرہ بن نوفل بن حارث (الہاشمی) سے نکاح کیا۔

... وامامہ بنت ابی العاص۔ وامھا زینب ... ابو العاص الی الزبیر بن العوام فتزوجھا علی بن ابی طالب فقتل عنھا فتزوجھا المغیرۃ بن نوفل فھلکت عندہ۔ ولم تلد لہ

(۴) لیلیٰ بنت مسعود بن خالد یہ خاتون بنی تمیم سے ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ سے ان کے دو صاحبزادے عبید اللہ اور ابوبکر متولد ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے وقت یہ بھی آپ کے نکاح میں تھیں اور آنجناب کی شہادت کے بعد لیلیٰ بنت مسعود نے حضرت عبد اللہ بن جعفر الطیار سے نکاح کیا تھا۔ لہ

تنبیہ : (مسئلہ رجعت)

بعض لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد یہ نظریہ تجویز کیا ہے کہ جناب علی المرتضیٰؓ قیامت سے پہلے واپس اس دنیا میں تشریف لائیں گے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہیں اور فوت نہیں ہوئے۔ اس نظریہ کی تشریحات انہوں نے اپنے زعم کے مطابق بہت کچھ قائم کر رکھی ہیں جو بالکل غلط اور کتاب و سنت کے شرعی قواعد کے برخلاف ہیں۔

لہ (۱) کتاب نسب قریش ص ۲۲ تحت اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) اسد الغابہ للجزری ص ۴۰۷ ج ۴ تحت مغیرہ بن نوفل بن حارث۔

(۳) اسد الغابہ للجزری ص ۴۰۰ ج ۵ تحت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع۔

لہ کتاب السنن لسعید بن منصور ص ۲۷۱ جلد ثالث قسم اول تحت باب الجمع بین ابنۃ الرجل وامراتہ۔

اس نظریہ کی تردید کے لیے اور اس کے کتاب و سنت کے برخلاف ہونے پر صرف ایک واقعہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد کسی دیگر چیز کی حاجت نہیں۔ یہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خاندان کا اپنا فیصلہ ہے۔

فیصلہ

ایک شخص عمرو بن الاصم ذکر کرتا ہے کہ میں ایک بار حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام حسنؓ اس وقت عمرو بن حریث کے مکان میں تشریف رکھتے تھے میں نے امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! بعض لوگ یہ گمان کرتے ہوئے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰؓ قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ یہ بات سن کر امام حسنؓ ہنس پڑے۔ اور فرمایا کہ سبحان اللہ! اگر ہم اس بات کا یقین رکھتے تو ہم جناب علی مرتضیٰؓ کی بیویوں کا نکاح دوسری جگہ نہ کرتے اور آنجنابؓ کی میراث کو باہم تقسیم نہ کرتے۔

لہ۔۔۔۔ عن عمرو بن الاصم قال دخلت علی الحسن بن علیؓ وهو فی دار عمرو بن حریث فقلت له ان ناساً یزعمون ان علیاً یرجع قبل یوم القیامة. فضحك وقال سبحان الله! لو علمنا ذالك ما تزوجنا نساءه ولا ساهمنا میراثه۔ لہ

مطلب یہ ہے کہ آنجنابؓ کی وفات کے بعد جنابؓ کی بیویوں کا دوسری جگہ نکاح کر لینا (جیسا کہ اوپر اختصاراً ذکر ہوا ہے) اور جنابؓ کے ترکہ کا وارثوں میں حسب حصص تقسیم کیا جانا

لہ (۱) طبقات ابن سعد صفحہ ۲۶ ج ۳ القسم الاول تحت ذکر علی بن ابی طالبؓ

(۲) مسند امام احمدؒ صفحہ ۱۴۸ ج اول تحت مسندات علیؓ۔ طبع قدیم۔

(۳) المستدرک حاکم صفحہ ۱۴۵ ج ۳ تحت کتاب معرفۃ الصحابہ۔

(۴) الفتح الربانی (ترتیب مسند احمدؒ) صفحہ ۱۴۳ ج ۲۳

یہ چیزیں مذکورہ نظریہ رجعت کی تردید کے سبب کافی وافی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے ازواج مذکورہ کے علاوہ متعدد لونڈیاں آپ کے نکاح میں تھیں مثلاً ام البنین، ام حبیبہ بنت زمعہ، ام سعید بنت عروۃ بن مسعود، خولہ بنت جعفر بن قیس۔ نیز کئی کنیزیں آپ کے پاس تھیں ان کو امہات الولد کہا جاتا ہے۔ ان سے بھی اولاد ہوئی۔ ؎۱

اولادِ ذکور

حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے مورخین نے چودہ ذکر کیے ہیں اور بعض نے اس سے زائد بھی ذکر کیے ہیں۔

حضرت حسنؓ، حسینؓ، عباسؓ، جعفرؓ، عبداللہؓ، عثمانؓ، عبید اللہؓ، ابوبکرؓ، یحییٰؓ، محمد الاصغرؓ، عونؓ، عمرؓ، محمد الاوسطؓ، محمد الاکبرؓ (ابن الحنفیہ)

مذکورہ بالا فرزندوں میں سے پانچ صاحبزادوں سے نسل مرتضوی جاری ہوئی۔ باقی فرزندوں سے جاری نہیں ہوئی۔ جن فرزندوں سے نسل جاری ہوئی ان کے اسماء مندرجہ ذیل عبارت میں مذکور ہیں۔

وانما كان النسل من خمسة وهم الحسنؓ والحسينؓ ومحمد (ابن الحنفية) والعباسؓ بن الكلابية وعمر بن تغلبية رضي الله عنهم اجمعين۔ ؎۲

اولادِ اناث

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی اولاد میں فرزندوں سے صاحبزادیاں زیادہ تھیں ان میں سے بعض کی اولاد ہوئی ہے اور بعض کی نسل نہیں چل سکی۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے حضرت زینب الکبریٰؓ اور ام کلثوم الکبریٰؓ متولد ہوئیں اور باقی ازواج میں سے بہت سی صاحبزادیاں ہیں مثلاً رقیہ، ام الحسن، رملہ، زینب الصغریٰ،

؎۱ البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص۳۳۲ جلد سابع تحت ذکر زوجاتہ وغیرہ وبناتہ۔

؎۲ البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ... تحت ذکر زوجاتہ وغیرہ وبناتہ۔

رقیۃ الصغریٰ، ام ہانی، ام الکرام، ام جعفر جمانہ، ام سلمہ، رقیہ وغیرہا کو بیشتر سیرۃ و مؤرخین نے ذکر کیا ہے [1]

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنجناب کی صاحبزادی حضرت زینب کبریٰ کا نکاح آنجناب کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔

اور دوسری صاحبزادی ام کلثوم الکبریٰ جو سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے ہیں، کا نکاح حضرت علی المرتضیٰؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے کر دیا تھا۔ اور ان سے ام کلثوم کی اولاد میں ایک فرزند زید بن عمرؓ اور ایک لڑکی رقیہ بنت عمرؓ متولد ہوئی [2] اور نکاح ام کلثوم کے مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "رحماء بینہم" حصہ فاروقی میں با دلائل ذکر کر دیا ہے۔

اختتامی کلمات

مؤلف کی طرف سے یہ اعتراف ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مکمل سیرت اور سوانح پیش کرنے کا ہم حق ادا نہیں کر سکے اور ان کے عالی منصب اور شان کے مطابق احوال ترتیب نہیں دیے جا سکے، اختصار کے پیش نظر کئی مضامین زیر بحث نہیں لائے جا سکے۔

جو کچھ مواد پیش کیا گیا ہے وہ اپنے خیال میں اس دور کے تقاضوں کے

---

[1] نسب قریش لمصعب الزبیری ص ۴۴-۴۵ تحت ولد علی بن ابی طالب۔

[2] نسب قریش ص ۳۴۹ تحت ولد عمر بن الخطاب۔

تحت مرتب کیا گیا ہے اس میں جو کمی اور خامی رہ گئی ہو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ اس کی اصلاح فرمائیں اور دیگر حضرات جو چیز اس میں نفع مند خیال کریں اس سے استفادہ کریں اور دعائے خیر سے مؤلف کو یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو منظور فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ورحمۃ للعالمین محمد وآلہ وازواجہ واہل بیتہ واصحابہ واتباعہ باحسان الی یوم الدین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ناچیز

دعا جو ——— محمد نافع عفا اللہ عنہ

قریہ محمدی شریف۔ ضلع جھنگ

ڈاک خانہ جامعہ محمدی شریف (پاکستان)

محرم الحرام ۱۴۰۹ھ اگست ۱۹۸۸ء

مراجع و مصادر کتب

برائے سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نمبر	کتاب	سن
۱	کتاب الخراج - للامام ابی یوسف الانصاریؒ - - - - - - -	۱۸۲ھ
۲	کتاب الآثار - للامام ابی یوسف الانصاریؒ - - - - - - - -	۱۸۲ھ
۳	کتاب الآثار - للامام محمد ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ - - - - - - -	۱۸۹ھ
۴	کتاب الخراج - یحییٰ بن آدم القرشیؒ - - - - - - - - - - -	۲۰۳ھ
۵	المصنف لعبد الرزاق (الحافظ الکبیر ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری الصنعانی) (مجلس علمی) - - - - - - - - - -	۲۱۱ھ
۶	سیرت لابن ہشام (ابو محمد عبد الملک بن ہشام) - - - - - - - - -	۲۱۳ھ / ۲۱۸ھ
۷	المسند للحمیدی (ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی) (مجلس علمی) - -	۲۱۹ھ
۸	کتاب الاموال - لابی عبید القاسم بن سلام - - - - - - -	۲۲۴ھ
۹	السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی) - - - - - - - - - -	۲۲۷ھ
۱۰	الطبقات الکبیر لمحمد بن سعد (طبع لیڈن) -	۲۳۰ھ
۱۱	المصنف - لابن ابی شیبہ (ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ)	۲۳۵ھ
۱۲	نسب قریش لمصعب الزبیری - - - - - - - - - - -	۲۳۶ھ
۱۳	تاریخ خلیفہ ابن خیاط - (ابو عمرو) خلیفہ بن خیاط - - - - - - - -	۲۴۰ھ
۱۴	المسند - للامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ (طبع مصر) قدیم - - - - - -	۲۴۱ھ
۱۵	کتاب السنۃ - للامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ (طبع مصر) - - - - - -	۲۴۱ھ

نمبر	کتاب	سنہ
١٦	کتاب المحبّر - لابی جعفر محمد بن حبیب بن امیۃ البغدادی	٢٤٥ھ
١٧	المسند للدارمی - لابی عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل التمیمی السمرقندی الدارمی	٢٥٥ھ
١٨	الادب المفرد - للامام محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦ھ
١٩	الجامع الصحیح البخاری - للامام محمد بن اسمٰعیل البخاری - طبع نور محمد دہلی	٢٥٦ھ
٢٠	التاریخ الکبیر - للامام محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦ھ
٢١	الجامع الصحیح لمسلم - للامام مسلم بن حجاج القشیری - طبع نور محمد دہلی	٢٦١ھ
٢٢	السنن لابن ماجہ - لابی عبداللہ محمد بن یزید ماجہ - طبع دہلی	٢٧٣ھ / ٢٧٥ھ
٢٣	السنن لابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	٢٧٥ھ
٢٤	شمائل ترمذی - لابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	٢٧٥ھ / ٢٧٩ھ
٢٥	المراسیل - لابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	٢٧٥ھ
٢٦	انساب الاشراف - لاحمد بن یحییٰ البلاذری	٢٧٧ھ / ٢٧٩ھ
٢٧	کتاب المعرفۃ والتاریخ - لابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی	٢٧٧ھ
٢٨	کتاب السنۃ - لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی	٢٩٤ھ
٢٩	کتاب قیام اللیل وقیام رمضان والوتر لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی	٢٩٤ھ
٣٠	المنتقیٰ - لابن الجارود لابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود النیسابوری	٣٠٧ھ
٣١	التاریخ - محمد بن جریر ابی جعفر الطبری	٣١٠ھ
٣٢	کتاب الکنیٰ - للشیخ ابی بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی	٣١٠ھ
٣٣	الصحیح لابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلمی نیشاپوری	٣١١ھ
٣٤	کتاب المصاحف - للحافظ ابی بکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی	٣١٦ھ
٣٥	الاجماع - لابی بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری	٣١٨ھ

نمبر	کتاب و مصنف	سنہ وفات
۳۶	احکام القرآن - لابی بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
۳۷	الفتنة و وقعة الجمل - لسیف بن عمر الضبی الاسدی	۲۰۰ھ
۳۸	المستدرک - للحاکم نیشاپوری (ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ)	۴۰۵ھ
۳۹	حلیة الاولیاء - لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۴۰	ذکر اخبار اصبہان - لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۴۱	فضائل الصدیق - لابی طالب محمد بن علی العشاری (مکتبہ سلفیہ ملتان) مع دیگر رسائل بحر المحدث ابی عوانة	۴۴۶ھ
۴۲	الفصل فی الملل والاہواء والنحل - لابن حزم الاندلسی (ابو محمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الظاہری الاندلسی)	۴۵۶ھ
۴۳	السنن الکبری - لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۴۴	الاعتقاد علی مذہب السلف - لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۴۵	دلائل النبوة - لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۴۶	التبصیر فی الدین - لابی المظفر الاسفرائنی	۴۷۱ھ
۴۷	اصول السرخسی - لشمس الائمہ ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی	۴۸۳ھ / ۴۹۰ھ
۴۸	مفردات القرآن - لابی القاسم حسین بن محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی	۵۰۲ھ
۴۹	کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد - محمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
۵۰	کیمیائے سعادت (فارسی) - محمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
۵۱	کتاب الفائق - للزمخشری	۵۳۸ھ
۵۲	العواصم من القواصم - لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی	۵۴۳ھ
۵۳	شرح صحیح الترمذی - لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی	۵۴۳ھ
۵۴	غنیة الطالبین (مترجم) - لشیخ کامل ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح جنگی دوست	

الجیلانی ---------------- ۵۶۱ھ

۵۵ تہذیب و تلخیص ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر ---------- ۵۷ ھ

۵۶ المنتظم۔ لابی الفرج ابن الجوزی ---------------- ۵۹۷ھ

۵۷ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر لمجد الدین محمد المعروف لابن اثیر الجزری ---------- ۶۰۶ھ

۵۸ جامع الاصول من احادیث الرسول ﷺ۔ ابو السعادات مبارک بن محمد ---------- ۶۰۶ھ

۵۹ المغنی۔ لابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ ---------- ۶۲۰ھ

۶۰ معجم البلدان۔ شہاب الدین ابی عبداللہ المعروف یاقوت الحموی ---------- ۶۲۶ھ

۶۱ الکامل لابن اثیر الجزری۔ ابو الحسن علی بن ابی الکرم ---------- ۶۳۰ھ

۶۲ اسد الغابۃ۔ ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشہیر عز الدین المعروف ابن اثیر الجزری ---------------- ۶۳۰ھ

۶۳ مختار الصحاح۔ للشیخ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی۔ طبع مصر۔ تالیف ---------- ۶۶۰ھ

۶۴ تفسیر الجامع الاحکام القرآن۔ لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی ---------- ۶۷۱ھ

۶۵ تہذیب الاسماء واللغات۔ محی الدین یحیی بن شرف النووی ---------- ۶۷۶ھ

۶۶ شرح مسلم شریف۔ محی الدین یحیی بن شرف النووی ---------- ۶۷۶ھ

۶۷ التاریخ۔ لابن خلکان ---------------- ۶۸۱ھ

۶۸ ذخائر العقبی۔ لمحب الطبری ---------------- ۶۹۴ھ

۶۹ منہاج السنۃ۔ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی المعروف ابن تیمیہ ---------- ۷۲۸ھ

۷۰ مشکوٰۃ المصابیح۔ ولی الدین خطیب تبریزی۔ تالیف ---------- ۷۳۷ھ

۷۱ کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان رضی اللہ عنہ۔ محمد بن یحیی بن ابی بکر الاندلسی ---------------- ۷۴۱ھ

۷۲ سیر اعلام النبلاء۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ---------- ۷۴۸ھ

۷۳	تذکرۃ الحفاظ ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۷۴	میزان الاعتدال ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۷۵	المنتقی ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۷۶	العبر ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۷۷	دول الاسلام ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۷۸	میزان الاعتدال ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۷۹	تاریخ الاسلام ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی ------------	۷۴۸ھ
۸۰	اعلام الموقعین ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الحنبلی الدمشقی المعروف ابن قیم الجوزیہ ------------	۷۵۱ھ / ۷۵۶ھ
۸۱	نصب الرایۃ ۔ للشیخ جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی ۔ (مجلس علمی) ------------	۷۶۲ھ
۸۲	البدایہ والنہایہ ۔ لابن کثیر (عماد الدین الدمشقی ------------	۷۷۴ھ / ۷۷۵ھ
۸۳	تفسیر القرآن ۔ لابن کثیر ------------	؍؍
۸۴	التاریخ ۔ لابن خلدون (عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون الحضرمی) تالیف	۷۷۹ھ
۸۵	شرح المقاصد ۔ لسعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی ------------	۷۹۱ھ
۸۶	شرح الطحاویۃ فی عقیدۃ السلفیہ ۔ لقاضی صدر الدین علی بن علی بن محمد بن ابی العز الحنفی ------------	۷۹۲ھ
۸۷	تفسیر البرہان فی علوم القرآن ۔ للامام بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی ۔	۷۹۴ھ
۸۸	مجمع الزوائد ۔ لنور الدین الہیثمی ------------	۸۰۷ھ
۸۹	شرح المواقف ۔ للسید شریف علی بن محمد الجرجانی ------------	۸۱۶ھ
۹۰	القاموس ۔ للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی ------------	۸۱۷ھ

۹۱	الاصابہ - لابن حجر العسقلانی ----------------------	۸۵۲ھ
۹۲	فتح الباری شرح بخاری شریف - لابن حجر العسقلانی ------------	۸۵۲ھ
۹۳	شرح نخبۃ الفکر - لابن حجر العسقلانی ------------	۸۵۲ھ
۹۴	تہذیب التہذیب - لابن حجر العسقلانی ------------	۸۵۲ھ
۹۵	عمدۃ القاری شرح بخاری - لبدر الدین العینی ------------	۸۵۵ھ
۹۶	سیرۃ الحلبیہ - لعلی برہان الدین الحلبی ------------	۹۰۰ھ
۹۷	مقاصد الحسنہ - لشمس الدین السخاوی ------------	۹۰۲ھ
۹۸	المسامرہ - لکمال الدین بن محمد بن محمد ابی شریف القدسی الشافعی ----	۹۰۹ھ
۹۹	وفاء الوفاء - شیخ نور الدین السمہودی ------------	۹۱۱ھ
۱۰۰	اللآلی المصنوعۃ - جلال الدین السیوطی ------------	۹۱۱ھ
۱۰۱	در منثور - جلال الدین السیوطی ------------	۹۱۱ھ
۱۰۲	ارشاد الساری شرح بخاری شریف - لشہاب الدین احمد ابو بکر بن عبدالملک القسطلانی ------------	۹۲۳ھ
۱۰۳	کتاب الیواقیت والجواہر - الشیخ عبد الوہاب الشعرانی - تالیف ------	۹۴۲ھ
۱۰۴	تاریخ الخمیس - لدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن) ------	۹۴۰ھ
۱۰۵	الصواعق المحرقہ مع تطہیر الجنان - لابن حجر مکی ------------	۹۷۴ھ / ۹۷۵ھ
۱۰۶	کنز العمال - لعلی متقی الہندی (طبع اول) ------------	۹۷۵ھ
۱۰۷	مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف - ملا علی بن سلطان القاری ------------	۱۰۱۴ھ
۱۰۸	الموضوعات الکبیر - ملا علی بن سلطان القاری ------------	۱۰۱۴ھ
۱۰۹	شرح فقہ اکبر - ملا علی بن سلطان القاری ------------	۱۰۱۴ھ
۱۱۰	مکتوبات امام ربانی رح - مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رح ---	۱۰۳۴ھ

نمبر	نام کتاب و مصنف	سن
۱۱۱	نسیم الریاض فی شرح الشفاء ۔ لشہاب الدین الخفاجی	۱۰۵۸ھ
۱۱۲	جمع الفوائد ۔ محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی	۱۰۹۴ھ
۱۱۳	شرح مواہب اللدنیہ ۔ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی ۔ تالیف	۱۱۲۲ھ
۱۱۴	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ۔ للشیخ احمد بن الشیخ عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۱۱۵	ازالۃ الخفاء ۔ للشیخ احمد بن الشیخ عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۱۱۶	تحفہ اثنا عشریہ ۔ از شاہ عبد العزیز بن احمد بن عبد الرحیم دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۱۷	الناہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ رض ۔ از مولانا عبد العزیز پرہاروی	۱۲۳۹ھ
۱۱۸	الموضوعات ۔ محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۱۹	الفوائد المجموعۃ ۔ محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۲۰	تفسیر القرآن ۔ للشوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۲۱	روح المعانی ۔ للسید محمود آلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ
۱۲۲	منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ۔ تالیف احمد عبد الرحمن البنا الساعاتی	۱۳۵۱ھ
۱۲۳	فیض الباری حواشی صحیح بخاری ۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رح	۱۳۵۲ھ
۱۲۴	مسند عمر بن الخطاب ۔ لابی یوسف یعقوب بن شیبۃ بن الصلت	
۱۲۵	حدیث ثقلین ۔ از مولانا محمد نافع ۔ مؤلف کتاب ہذا ۔ سن تالیف	۱۳۸۴ھ
۱۲۶	رحماء بینہم ۔ حصہ صدیقی ۔ از مولانا محمد نافع مؤلف کتاب ہذا سن تالیف	۱۳۹۱ھ
۱۲۷	رحماء بینہم ۔ حصہ فاروقی ۔ " " "	۱۳۹۴ھ
۱۲۸	رحماء بینہم ۔ حصہ عثمانی ۔ " " "	۱۳۹۸ھ

۱۲۹	کتاب مسئلہ اقربا نوازی - از مولانا محمد نافع - حسن تالیف	۱۴۰۰ھ
۱۳۰	بنات اربعہ - " " " " "	۱۴۰۲ھ
۱۳۱	مجلہ فکر و نظر - از ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد - جولائی ستمبر ۱۹۸۵ء	۱۴۰۵ھ

شیعہ کتب

مراجع و مصادر برائے سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۱	کتاب سلیم بن قیس الہلالی الکوفی الشیعی - - - - - - -	۹۰ھ
۲	تاریخ یعقوبی - لاحمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی الشیعی - -	۲۵۶ھ / ۲۷۸ھ
۳	اخبار الطوال - لاحمد بن داؤد ابی حنیفہ الدینوری الشیعی - - - - - -	۲۸۲ھ
۴	بصائر الدرجات - للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن الصفار الشیعی - - - - -	۲۹۰ھ
۵	قرب الاسناد - لعبد اللہ بن جعفر الحمیری من اصحاب حسن العسکری - -	قرن ثالث
۶	جعفریات ملحقہ بہ قرب الاسناد - لابی علی محمد بن محمد بن الاشعث الکوفی - - - - - - - -	قرن ثالث
۷	تفسیر القمی - لعلی بن ابراہیم القمی کان فی عصر الامام العسکری - - - - -	۳۰۷ھ
۸	مقاتل الطالبیین - لابی الفرج علی بن الحسین بن محمد الاصبہانی متوفی - -	۳۵۶ھ
	تالیف - -	۳۱۳ھ

نمبر	کتاب و مصنف	سنہ
۹	اصول کافی - محمد بن یعقوب الکلینی الرازی	۳۲۹ھ
۱۰	فروع کافی " " " "	۳۲۹ھ
۱۱	کتاب الروضۃ من الکافی " " " "	۳۲۹ھ
۱۲	مروج الذہب - لابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی الشیعی	۳۴۶ھ
۱۳	علل الشرائع - للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی	۳۸۱ھ
۱۴	کتاب معانی الاخبار - للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی	۳۸۱ھ
۱۵	رجال کشی - لابی عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی	قرن رابع
۱۶	نہج البلاغۃ - للسید الشریف الرضی ابی الحسن محمد بن ابی احمد الحسینی	۴۰۶ھ
۱۷	کتاب الشافی و تلخیص شافی - للسید مرتضیٰ علم الہدیٰ	۴۰۶ھ
۱۸	کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ - للسید مرتضیٰ علم الہدیٰ	۴۰۴ھ
۱۹	کتاب الارشاد - للشیخ محمد بن نعمان المفید (الشیخ المفید)	۴۱۳ھ
۲۰	الاستبصار - للشیخ ابی جعفر الطوسی (محمد بن حسن)	۴۶۰ھ
۲۱	الامالی - للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی	۴۶۰ھ
۲۲	تہذیب الاحکام - لابی جعفر محمد بن حسن الطوسی	۴۶۰ھ
۲۳	الاحتجاج طبرسی - للشیخ ابی منصور احمد بن علی الطبرسی	۵۴۸ھ
۲۴	شرح نہج البلاغۃ - لابن ابی الحدید ابو حامد عبد الحمید بن بہاء الدین محمد المدائنی (الشیعی معتزلی)	۶۵۹ھ
۲۵	شرح نہج البلاغۃ - لکمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی	۶۷۹ھ
۲۶	کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ - لعلی بن عیسیٰ الاربلی	۶۸۲ھ

۲۷	عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب - السید جمال الدین ابن عنبہ	۸۲۸ھ
۲۸	بحار الانوار - محمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----	۱۱۱۰ھ
۲۹	جلاء العیون - محمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----	۱۱۱۱ھ
		" "
۳۰	حیات القلوب - از ملا محمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----	" "
۳۱	حق الیقین - از ملا محمد باقر بن محمد تقی المجلسی ----	" "
۳۲	تفسیر الصافی - محمد بن المرتضی المحسن الملقب بالفیض کاشانی (قرن حادی عشر)	۱۰۹۱ھ
۳۳	الدرة النجفیة (شرح نہج البلاغة) للشیخ ابراہیم بن حاجی حسین الدنبلی ----	۱۲۹۲ھ
۳۴	ناسخ التواریخ - از لسان الملک میرزا محمد تقی وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاچار ایران ----	۱۲۹۷ھ
۳۵	اخبار ماتم - تالیف محمد حسین بن محمد علی (مطبوعہ در ایران) تالیف ----	۱۲۸۵ھ
۳۶	منتہی الآمال - للشیخ عباس القمی ----	۱۳۵۹ھ
۳۷	سیرت امیر المومنین علیہ السلام - از مفتی جعفر حسین الشیعی (آف گوجرانوالہ) -	قرن رابع عشر